اکیس جلیل القدر تابعین کرام

رحمہم اللہ تعالیٰ

تالیف

حضرۃ مولانا محمد عبد الرحمان مظاہری
ناظم مجلس علمیہ حیدر آباد دکن

مجاز بیعت
حضرۃ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

ادارہ اسلامیات
کراچی، لاہور

حضرت اویس قرنیؒ
حضرت ابو مسلم خولانیؒ
حضرت ربیع بن خُثَیمؒ
حضرت علقمہ بن قیسؒ
حضرت اسود بن یزیدؒ
حضرت قاضی شریحؒ
حضرت عروہ بن الزبیرؒ
حضرت سعید بن المسیبؒ
حضرت سعید بن جبیرؒ
حضرت عامر بن شراحیلؒ
حضرت طاؤس بن کیسانؒ
حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ
حضرت حسن بصریؒ
حضرت امام ابن سیرینؒ
حضرت عطاء بن ابی رباحؒ
حضرت ایاس بن معاویہؒ
حضرت ابن شہاب زہریؒ
حضرت ربیعۃ الرائیؒ
حضرت سلم بن دینارؒ
حضرت سلیمان اعمشؒ
حضرت عامر تمیمیؒ

اکیس جلیل القدر تابعین کرام

رحمہم اللہ تعالیٰ

تالیف

حضرۃ مولانا محمد عبد الرحمان مظاہری

ناظم مجلس علمیہ حیدر آباد دکن

مجاز بیعت

حضرۃ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

ادارۂ اسلامیات

کراچی، لاہور

پہلی بار۔ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ ۲۰۰۳ء

باہتمام۔ اشرف برادران سلمہم الرحمان

پبلشرز بک سیلرز ایکسپورٹرز

ادارۂ اسلامیات موہن روڈ، چوک اُردو بازار، کراچی فون 7722401

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰، انار کلی، لاہور، پاکستان فون 7353255

ادارۂ اسلامیات دینا ناتھ مینشن مال روڈ، لاہور فون 7324412

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف: ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ دارالعلوم: جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

دارالاشاعت: ایم اے جناح روڈ کراچی

بیت القرآن: اردو بازار کراچی

بیت الکتب: نزد اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

بیت العلوم: ۲۰ نابھہ روڈ لاہور

ادارہ تالیفات اشرفیہ: بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر

ادارہ تالیفات اشرفیہ: جامع مسجد تھانے والی ہارون آباد بہاولنگر

فہرست عنوانات سیرت التابعین

ابو الحسن علی الحسنی الندوی

مولانا محمد عبد الرحمن صاحب
مؤلف کتاب ہٰذا کا خصوصی عربی تعارف جو ایک موقع پر مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ؒ سے مکۃ المکرمہ میں حاصل کیا گیا تھا، ترجمہ درج ذیل ہے:-

بعد حمد وصلوٰۃ :-

حضرت مولانا عبد الرحمن بن احمد شریف صاحب حیدر آبادی سے میں بخوبی واقف ہوں، مولانا علوم دینی و اسلامی کے فاضل ہیں. جنوبی ہند کے دینی و علمی حلقوں میں آپ کی بیش بہا خدمات رہی ہیں. مولانا نے ہندوستان کے مختلف اداروں سے استفادہ کیا ہے. آخر میں مدرسہ مظاہر علوم ضلع سہارنپور (یوپی) سے علوم دینیہ کی تکمیل کی اور اصولِ دین و علم شریعت میں اعلیٰ سندیں حاصل کیں تحصیل علم کے بعد جامعہ نظامیہ حیدر آباد میں تقریباً پندرہ سال درس و تدریس کے خدمات انجام دی ہیں. اسکے علاوہ مولانا موصوف نے عامۃ المسلمین کی تعلیم و تربیت کی جانب بھی خصوصی توجہ دی. اس سلسلے میں اہل علم حضرات کیلئے "مجلس علمیہ" کی تاسیس رکھی جس کا دینی و علمی حلقوں میں اثر رہا ہے.

چونکہ مولانا توحید و سنت کے داعی و علمبردار تھے اپنے شہر میں اہل بدعت کی مخالفتوں سے دوچار ہوگئے. اسی سال موصوف نے فریضۂ حج ادا کیا اور ان کی خواہش ہے کہ کچھ عرصہ انہی مقاماتِ مقدسہ میں رہ کر علمی و دینی خدمت انجام دیں. چنانچہ انہیں اس مقصد کے حصول کے لئے تعاون کی ضرورت ہے.

مجھے اس بات سے خوشی ہوگی کہ مولانا کے مقصد کی تکمیل ہو. اس بارے میں جو بھی اِن کے ساتھ معاونت کریں میں اُن کا شکر گذار رہوں گا.

والسلام

کتبہٗ الفقیر الی اللہ

ابو الحسن علی الحسنی الندوی

مکۃ المکرمہ
۳ر صفر ۱۳۹۸ھ

تقدیم

بنی نوعِ انسان کے لئے اسلام نے جو "دستورِ حیات" دیا ہے وہ علم و عمل کا مجموعہ ہے۔ اسلام میں علم کا بے عملی اور عمل کا بے علمی سے کوئی تعلق نہیں۔ علم و عمل کے اس اجتماع سے "دستورِ حیات" نے تکمیل پائی ہے۔

اسی دستورِ حیات کا کامل و مکمل نمونہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس ہے۔

حیاتِ انسانی کے جتنے بھی اعلیٰ نمونے ہو سکتے تھے وہ سب آپؐ کی ذاتِ اقدس میں جمع ہو گئے اور قیامت تک آپؐ کی حیاتِ طیّبہ کو "اُسوۂ حسنہ" قرار دیا گیا۔

فَصَلَوَاتُ رَبِّیْ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ۔

رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کے "اُسوۂ حسنہ" کی پیروی میں صحابۂ کرامؓ نے بقدرِ استعداد حصّہ پاکر اس کامل مکمل نمونے کے (صلّے اللہ علیہ وسلّم) امین و محافظ قرار پائے۔

پھر اسی امانت کو انھوں نے "تابعینِ عظام" تک پہنچایا اور تابعین حضرات نے تبع تابعین کے حوالہ کیا۔ تبع تابعین کے اس مقدس طبقہ نے اِسلام کے اس "دستورِ حیات" کو چار دانگ عالم منتقل کر دیا۔

فَجَزَاھُمُ اللہُ عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ جَزَاءً مَّوْفُوْرًا۔

صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ عظام اور تبعِ تابعین حضرات کے وجودِ باِمسعود سے اسلام کے تین زرّیں دَور وجود میں آئے۔

دورِ صحابہؓ ، دورِ تابعینؒ ، دورِ تبع تابعینؒ ۔

اسلام کی معراجِ کمال کے یہ تین اَدوار ہیں جن پر اسلام کی عظیم عمارت دائم وقائم ہوگئی ۔ قرآن کریم نے ان تینوں اَدوار کی رُشد وہدایت اور ان کے صلاح وفلاح کی شہادت دے دی۔

سورۃ التوبہ کی آیت نمبر۱۰۰ میں اس کی صراحت ملتی ہے ۔

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۔ (الآیہ) سورۃ التوبہ آیت ۱۰۰

ترجمہ: ۔ اور جو مہاجرین اور انصار ایمان لانے میں سابق ومقدم ہیں اور جن لوگوں نے نیک کرداری میں ان کی پیروی کی اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوگئے ۔ اور اللہ نے اُن کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ، ان باغات میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

مذکورہ آیت میں سابقین اوّلین (مہاجرین وانصار) کی پیروی کرنے والے وہی لوگ ہیں جنہیں آج "تابعین کرام" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ یعنی صحابہ کرام کی پیروی کرنے والے ۔

اس لحاظ سے "تابعین کرام" اسلام کا وہ مقدّس طبقہ قرار پاتا ہے جنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات وہدایات اور آپؐ کے اصحاب کی علمی وعملی وراثت کو عام مسلمانوں تک پہنچایا۔

اس طبقے کے چند اسماء قابلِ ذکر ہیں ۔

تابعین کرامؒ

۱:- شہر کوفہ (عراق) میں امام علقمہ بن قیسؒ المتوفی ۶۲ھ، امام اسود بن یزیدؒ المتوفی ۷۵ھ، امام ابراہیم نخعیؒ المتوفی ۹۶ھ، امام عامر بن شراحیل الشعبیؒ المتوفی ۱۰۴ھ۔

۲:- ملک یمن میں امام طاؤس بن کیسانؒ المتوفی ۱۰۶ھ۔

۳:- شہر بصرہ میں امام حسن بصریؒ المتوفی ۱۱۰ھ، امام محمد بن سیرینؒ المتوفی ۱۱۰ھ۔

۴:- ملک شام میں امام مکحول الشامیؒ المتوفی ۱۱۲ھ۔

۵:- مکۃ المکرمہ میں امام عطاء بن ابی رباحؒ المتوفی ۱۱۴ھ۔

۶:- خراسان میں امام عطاء الخراسانیؒ المتوفی ۱۱۳ھ۔

۷:- ملک مصر میں امام یزید بن ابی حبیبؒ المتوفی ۱۱۸ھ۔

۸:- مدینہ منورہ میں امام سعید بن المسیبؒ المتوفی ۹۴ھ، امام محمد بن مسلم زہریؒ المتوفی ۱۲۴ھ، امام ابوبکر بن حزمؒ المتوفی ۱۲۰ھ، امام ربیعۃ الرائےؒ المتوفی ۱۳۶ھ

۹:- شہر یمامہ میں امام یحییٰ بن کثیرؒ

طبقہ تابعین کرام کے یہ چند ائمہ ہدیٰ ہیں جنھوں نے اپنی ساری زندگی اسلام کی دعوت و تبلیغ، درس و تدریس علم و عمل کے لازوال نقوش چھوڑے ہیں جو آنے والے مسلمانوں کے لئے مینارہ نور ثابت ہوئے۔

پھر ان کے علمی وارثین جن کو "تبع تابعین" کہا جاتا ہے اس لازوال خزانہ علمی و عملی کو اقطائے عالم تک پہونچا دیا، اور آج اسلام و ایمان کی جہاں کہیں بھی روشنی ملتی ہے وہ انہی حضرات کا کارنامہ حیات ہے۔ لا الہ الا اللہ۔

فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرَ الْجَزَاءِ

ان "تبع تابعین" کے چند اسمارِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

تبع تابعینؒ

۱:- امام رجار بن حیوۃؒ المتوفی ۱۱۲ھ۔ ۲:- امام قتادہؒ المتوفی ۱۱۸ھ۔ ۳:- امام ابوحازم سلمۃ بن دینارؒ ۱۴۰ھ۔ ۴:- امام اعمش رحؒ المتوفی ۱۴۸ھ۔ ۵:- امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ المتوفی ۱۵۰ھ۔ ۶:- امام اوزاعیؒ المتوفی ۱۵۷ھ۔ ۷:- امام سعید بن ابی عروبہؒ المتوفی ۱۵۶ھ۔ ۸:- امام ربیع بن صبیحؒ المتوفی ۱۶۰ھ۔ ۹:- امام شعبہؒ المتوفی ۱۶۰ھ ۱۰:- امام سفیان الثوریؒ المتوفی ۱۶۱ھ۔ ۱۱:- امام مالک بن انسؒ المتوفی ۱۷۹ھ۔ ۱۲:- امام عبداللہ بن المبارک المتوفی ۱۸۱ھ۔ ۱۳:- امام ابویوسف یعقوب المتوفی ۱۸۲ھ۔ ۱۴:- امام محمد بن حسن الشیبانیؒ المتوفی ۱۸۹ھ۔ ۱۵:- امام حفص بن غیاثؒ المتوفی ۱۹۵ھ۔ ۱۶:- امام وکیع بن الجراحؒ المتوفی ۱۹۶ھ۔ ۱۷:- امام سفیان بن عیینہؒ المتوفی ۱۹۸ھ۔ ۱۸:- امام عبدالرحمن بن مہدیؒ المتوفی ۱۹۸ھ۔ ۱۹:- امام یحییٰ بن سعید القطانؒ المتوفی ۱۹۸ھ۔ ۲۰:- امام شافعیؒ المتوفی ۲۰۴ھ۔ ۲۱:- امام احمد بن حنبلؒ المتوفی ۲۴۱ھ۔ ۲۲:- امام حسن بن زیادؒ۔

ان سب حضرات نے اسلام اور مسلمانوں کی ایسی ایسی خدمات انجام دی ہیں جن کی مثال سے دنیا کا ہر مذہب خالی نظر آتا ہے، اور جن کے کارنامۂ حیات کو تاریخ نے اس حزم و احتیاط سے محفوظ کر دیا ہے کہ آج وہ ایک کھلی کتاب[1] کی حیثیت سے پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔

نَوَّرَ اللہُ قُبُوْرَھُمْ وَ اَرْوَاحَھُمْ

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ان تینوں قدسی صفات، ہدایت یافتہ طبقات کی خصوصیت سے نشاندہی فرمائی ہے اور ان پر اپنی سندِ خوشنودی کا بھی اظہار کیا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ اَنَّہٗ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ اُمَّتِیْ اَلَّذِیْنَ یَلُوْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ۔ الخ (مسلم شریف ج ۲ کتاب الفضائل)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اُمّت کے وہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں جو میرے ہم زمانہ ہیں (یعنی صحابہ کرامؓ)
پھر وہ لوگ ہیں جو اِن کے ہم زمانہ ہیں۔ (یعنی تابعین)
پھر وہ لوگ ہیں جو اِن کے ہم زمانہ ہیں (یعنی تبع تابعین)۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ۔ الخ (مُسلم شریف ج ۲ کتاب الفضائل)

ترجمہ: سب سے بہتر لوگ میرے زمانے کے ہیں (صحابہ کرامؓ) پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں (تابعین کرام) پھر وہ لوگ جو اُن سے متصل ہیں (تبع تابعین)۔

مسلمانوں کے یہ تینوں طبقات اپنے زمانے کے باعث خیر و برکت اور ہدایت یافتہ و فلاح یاب ہیں۔ اہلِ اسلام کو انھی حضرات کی خیر و برکت، رُشد و ہدایت سے روحانی و مادی فتوحات حاصل ہوئی ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کے علاوہ ایک تیسری حدیث بھی اِن تینوں طبقات (صحابہ کرامؓ، تابعینِ عظام، تبعِ تابعین) کے ہدایت یافتہ ہونے اور صراطِ مستقیم پر قائم و دائم رہنے کی تصدیق کرتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ یَغْزُوْ فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ

فَيُقَالُ لَهُمْ فِيكُمْ مَنْ رَأَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ۔
ثُمَّ يَغْزُو فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَيُقَالُ لَهُمْ فِيكُمْ مَنْ رَأَى مَنْ صَحِبَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ۔
ثُمَّ يَغْزُو فِئَامٌ مِّنَ النَّاسِ فَيُقَالُ لَهُمْ هَلْ فِيكُمْ مَنْ رَأَى مَنْ صَحِبَ مَنْ صَحِبَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ۔ (مسلم جزء ۲ کتاب الفضائل)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا، مسلمانوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جس میں ایک جماعت[۱] جہاد کرے گی، اُن سے پوچھا جائے گا کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا ہو؟ (یعنی صحابی) وہ کہیں گے ہاں موجود ہے۔ (اسکی برکت سے) انھیں فتح دی جائے گی۔
پھر[۲] ایک اور جماعت جہاد کرے گی، اُن سے پوچھا جائے گا کہ تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے اس شخص کو دیکھا ہو جس نے صحابیٔ رسولؐ کو دیکھا ہے؟ وہ کہیں گے ہاں ایسا شخص ہم میں موجود ہے (اس کی برکت سے) اُنھیں فتح دی جائے گی۔
پھر[۳] ایک اور جماعت جہاد کرے گی اُن سے پوچھا جائے گا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے دیکھنے والوں کے دیکھنے والے کو دیکھا ہے؟ (یعنی تبع تابعین) کہا جائیگا ہاں ہم میں وہ شخص موجود ہے۔ پھر (اس شخص کی برکت سے) انھیں بھی فتح دے دی جائے گی۔ لا اِلٰہ اِلّا اللہ۔

چنانچہ واقعہ یہی ہے کہ اسلام کی پہلی اور دوسری نصف صدی ہجری میں جن جن معرکوں میں صحابۂ کرام رضؓ یا تابعینِ عظام اور آخر میں تبع تابعین حضرات نے شرکت کی ہے تاریخ شہادت دیتی ہے کہ وہ معرکے سو فیصد اسلام کی سربلندی کا ذریعہ بنے ہیں۔

یہ تینوں جماعتیں (صحابۂ کرام رضؓ، تابعین عظام، تبع تابعین حضرات) اللہ کے ہاں وہ پسندیدہ ومحبوب افراد قرار پائے کہ جن کی نہ صرف تعلیمات وکردار بلکہ اُنکا وجود بھی مخلوقِ خدا کو دنیا کی سرفرازی اور اقتدار سے ہمکنار کیا ہے اور اسلامی سلطنت کے حدُود کو وسیع تر بھی۔

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ حَسَنَاتِھِمْ وَارْفَعْ دَرَجَاتِھِمْ۔

ان سب حضرات کا مشترک اور اہم کارنامہ قرآن وحدیث کی حفاظت، اُس کی اشاعت وتبلیغ تھی۔ اگر اِن بزرگوں نے جانکاہ مصائب ومصائق برداشت نہ کرکے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی اِس عظیم امانت کو محفوظ نہ کیا ہوتا تو آج اسلام کا علمی وعملی دامن دیگر مذاہب کی طرح خالی خالی رہتا۔

آج اسلامی تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم اپنا سر اُونچا کئے ببانگِ دہل عالم کے سارے مذاہب کو یہ چیلنج کر سکتا ہے۔

"اسلام کے علاوہ کیا کوئی ایسا مذہب بھی ہے جس کے بانی ورہنما کی مکمل سیرت وصورت اور تعلیمات وہدایات پورے مستند ذرائع سے ہمیں پیش کرے؟"

جواب نہ پہلے ملا اور نہ آئندہ ملیگا، چیلنج کوئی جدید نہیں ہر دَور میں کیا گیا اور ہر دَور میں کیا جائے گا۔

اُولٰٓئِكَ اٰبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِھِمْ
اِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

یہ اعزاز و برتری صرف اور صرف اسلام کو حاصل رہی ہے۔

اسلام کے ان مخلص خدمت گزاروں پر رات دن اللہ کی رحمتیں و برکتیں نازل ہوں انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی سیرت، صُورت تعلیمات وہدایات، اخلاق و اطوار کی ایک ایک ادا کو جس تفصیل کے ساتھ جمع کیا ہے کہ اب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ طیّبہ کا کوئی گوشہ، کوئی عمل پردۂ خفا میں نہ رہا، گویا رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کی ساری زندگی ایک کُھلی کتاب ہے جو عالم کے تمام انسانوں کو دعوتِ عمل دے رہی ہے۔

زیرِ مطالعہ کتاب "سیرتُ التّابعین" اسی طبقہ تابعین کے اکیس ۲۱ افراد کی سوانح حیات پر مشتمل ہے جن کی ساری زندگی سَراپا علم وعمل، دعوت و تبلیغ جدّوجہد، ایثار و قربانی میں وقف تھی۔

کوشش یہ کی گئی ہے کہ کتاب میں ان نفوس قدسیہ کی ذاتی سیرت وکردار کے علاوہ ان کی عظیم خدمات کا بھی کچھ تذکرہ واضح ہو جائے تاکہ اہلِ خدمات شرعیہ کے لئے اِنکی خدمات "مشعلِ راہ" ثابت ہوں۔ آمین ثم آمین

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

خادمُ الکتابِ والسُّنّۃ

عبدُ الرّحمٰن غفرلہٗ

۲، محرم الحرام ۱۴۲۲ھ سہ شنبہ

جدّہ۔ (سعودی عربیہ)

سلسلہ
سیرت التابعین
شمارہ ۱

سیرت
حضرت اُویس بن عامر القرنیؒ

المتوفی ۳۷ھ

لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ۔
(مسلم)

اگر وہ کسی بات پر قسم کھالیں تو اللہ اسکی تکمیل کردینگے۔
(رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم)

حضرت اویس بن عامر القرنیؒ

تعارف:۔ اُویس قرنیؒ ملک یمن کے باشندے عہدِ نبوّت میں موجود تھے لیکن زیارتِ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم سے مشرّف نہ ہو سکے، نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلّم کو وحی الٰہی سے معلوم ہوا کہ وہ آپ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپؐ کی زیارت کے لئے بے چین ہیں لیکن چند مجبوریوں کے باعث آپؐ کی ملاقات سے معذور ہیں۔

حضرت اُویس قرنیؒ نے اپنی زندگی اسی تمنّا و خواہش میں گزار دی، اِنکا جسم اگرچہ یمن میں تھا لیکن رُوح مدینہ پاک کی گلیوں میں رواں دواں رہا کرتی تھی۔ نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلّم کو اُویس قرنیؒ سے خصوصی تعلق تھا آپؐ نے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے فرمایا:

"اے عمرؓ قبیلہ مُراد (یمن) کا ایک شخص جس کا نام اُویسؒ ہے۔ یمن کی امداد کے ساتھ تمہارے پاس آئے گا، اس کے جسم پر برص کے داغ ہیں سب مٹ چکے ہوں گے صرف درہم برابر ایک داغ باقی ہوگا، اس کی ماں باحیات ہے وہ اُس کی دل وجان سے خدمت کرتا ہے وہ جب کسی بات پر قسم کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بات پوری کر دیتے ہیں، اگر تمکو اس کی دُعا لینی ہو تو ضرور دُعا کروا لینا۔" (مسلم شریف ج ۲، باب فضائل اویس القرنیؒ)

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، اس "حقیقتِ منتظر" کے لئے ہمیشہ منتظر رہے۔ نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلّم کی وفات ہوگئی، خلافتِ صدّیقؓ بھی گزر گئی لیکن وہ

حقیقت منتظراً ابھی تک ظاہر نہ ہوئی حتیٰ کہ خلافتِ فاروقی کا زمانہ آگیا۔

ایک دن ملک یمن سے فوجی امداد آئی جس میں مال واسباب کے علاوہ مجاہدین کی ایک بڑی جماعت بھی تھی سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس قافلہ میں حضرت اُویس رحمۃ اللہ علیہ کو پالیا۔

پُوچھا، آپ کا نام اُویس بن عامر رحمۃ اللہ علیہ ہے؟

جواب مِلا، جی ہاں! میں اُویس رحمۃ اللہ علیہ ہوں۔

پُوچھا، کیا آپ کی والدہ باحیات ہیں؟

جواب دیا، جی ہاں!

اِن دو باتوں کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے اُویس رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تمہارے بارے میں مجھ سے فرمایا تھا:

"اے عمر رضی اللہ عنہ تمہارے پاس ملک یمن کی مدد کے ساتھ قبیلہ قرَن کا ایک شخص اُویس بن عامر رحمۃ اللہ علیہ نامی آئے گا جس کے جسم پر برص کے داغ ہوں گے صرف ایک داغ درہم برابر باقی ہے باقی سب صاف ہو گئے ہوں گے، اس کی ماں باحیات ہوگی جس کے ساتھ وہ احسان ونیکی کرتا ہوگا، جب وہ کسی بات پر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری کر دیتے ہیں۔"

پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

"اے عمر رضی اللہ عنہ اگر تم اس سے دُعائے مغفرت لینا چاہو تو ضرور دُعا کروالینا اور میرے لئے بھی دُعا کروانا۔"

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تفصیل بیان کرکے حضرت اُویس رحمۃ اللہ علیہ سے گذارش کی کہ آپ میری مغفرت کے لئے دُعا فرمائیں۔

حضرت اُویس رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے دُعا کی۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے دریافت کیا اب کہاں کا قصد ہے؟
فرمایا شہر کوفہ جانا ہے۔
حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں آپ کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لئے حاکمِ کوفہ کو لکھ دیتا ہوں کہ وہ تکمیل کر دیا کرے؟
حضرت اُویسؒ نے فرمایا، نہیں نہیں، اس کی ضرورت نہیں مجھکو عام مسلمانوں کی طرح رہنا پسند ہے میں خود اپنا گزارہ کرلوں گا۔
اس واقعہ کے دوسرے سال شہر کوفہ کا ایک امیر شخص حج کے لئے آیا حضرت عمرؓ نے سیّدنا اُویسؒ کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کیسے ہیں؟
اس شخص نے کہا وہ نہایت تنگدستی و غربت کی حالت میں ہیں، عام مسلمانوں سے دُور ایک بوسیدہ مکان میں رہتے ہیں، گوشہ نشینی اور عُزلت پسندی انھیں مرغوب ہے کسی سے نہ ملاقات کرتے ہیں اور نہ کسی کو ملاقات کا موقعہ دیتے ہیں ان حالات میں لوگ بھی اُن سے غافل ہیں۔
حضرت عمرؓ نے اس امیر شخص سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا وہ ارشاد نقل کیا جو آپؐ نے حضرت اُویسؒ کے بارے میں فرمایا تھا۔
چنانچہ وہ شخص جب وہ واپس ہوا تو اوّلین فرصت میں حضرت اُویس قرنیؒ سے ملاقات کی اور اپنے لئے دُعا کروائی، حضرت اویسؒ نے فرمایا جناب آپ ابھی تازہ تازہ ایک مقدّس سفر سے آرہے ہیں آپ میرے لئے دُعا کریں؟
اس کے بعد حضرت اُویسؒ نے پُوچھا کیا تم نے عمر الفاروقؓ سے ملاقات کی؟
اُس نے کہا جی ہاں! اور کہا کہ انھوں نے آپ کو سلام بھی کہا ہے۔
اس گفتگو کے بعد حضرت اویسؒ نے دونوں کیلئے مغفرت کی دُعا کی۔
(مسلم جزء ۲ باب فضائل اُویس القرنیؒ)

چند اور حضرات سے ملاقات :-

حضرت اُویسؒ اپنے آپ کو اہلِ دُنیا سے دُور رکھنے کے لئے نہایت خستہ حال رہا کرتے اکثر حصّہ بدن ڈھانکنے کے لئے کپڑا تک نہ ہوتا تھا۔ بعض لوگ انھیں فقیر سمجھکر کپڑا دیدیتے اور دیگر بعض منچلے اِن کا مذاق اُڑاتے اور اُنھیں پریشان کرتے ہر زمانے میں غافلوں، جاہلوں کا یہی حال رہا ہے، اولیاء اللہ ہی کیا انبیاء علیہم السّلام بھی ان جاہلوں سے دوچار ہوئے ہیں۔ اِنھیں پاگل، مجنون، دیوانہ، ساحر، وغیرہ جیسے خبیث عنوانات سے یاد کیا ہے۔ خود بھی محروم رہے دوسروں کو بھی محروم رکھا۔ (اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم)

حضرت اُویسؒ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا رہا (ضَلَّ مَنْ ضَلَّ) جس کو گمراہ ہونا تھا وہ گمراہ ہوا۔ لیکن اہلِ نظر کی نگاہوں سے وہ چھُپ نہ سکے اِن کی شمیم رُوحانیت اہلِ دل لوگوں کو دُور دُور سے کھینچ رہی تھی اور اہلِ دل دُنیا میں کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ۔ الآیۃ

ایسے ہی ایک اہلِ دل تابعی شیخ ہرم[1] بن حیّان نے اپنے چشم دید واقعات

---

[1] شیخ ہرم بن حیّان بصریؒ کے بارے میں امام حسن بصریؒ لکھتے ہیں جس دن اِنکا انتقال ہوا وہ سخت گرم دن تھا، حاضرین تدفین کے وقت گرمی سے پریشان تھے، قبر جونہی مٹی سے پُر کردی گئی ایک گہرے بادل نے انکی قبر کو گھیر لیا جو قبر سے نہ لمبا تھا نہ چوڑا، ٹھنڈا پانی برسا کر رُخصت ہوگیا۔

امام قتادہؒ کہتے ہیں کہ جس دن اُن کی قبر پر بادل نے پانی برسایا شام تک قبر پر سبزہ اُبھر آیا۔ اللہ اکبر۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۳۲۸۔) امام ذہبیؒ

حضرت معلّٰی بن زیادؒ کہتے ہیں شیخ ہرم بن حیّان کبھی کبھی راتوں کو باہر نکلا کرتے اور بلند آواز سے اِس طرح کہا کرتے۔

"مجھے ایسے شخص پر تعجب ہے جو جنّت کا طالب ہو لیکن ساری رات سوتا رہتا ہو، مجھے ایسے شخص پر تعجب ہے جو جہنم سے ڈرتا ہو اور رات بھر سوتا پڑا رہتا ہو۔ (حوالہ ایضًا)

بیان کئے ہیں. جو حضرت اُویسؒ کے ساتھ پیش آئے لکھتے ہیں۔

حضرت اُویسؒ کی زیارت و ملاقات کے لئے شہر کوفہ کا سفر کیا شہر میں ہر جگہ دریافت کیا کچھ پتہ نہ چلا، معلوم ہوا کہ وہ شہر میں شاذ و نادر ہی آیا کرتے ہیں پھر گمنام بھی ایسے کہ بہت کم لوگ اُنھیں جانتے ہیں۔

شیخ ہرم بن حیّان کہتے ہیں کہ میں اِن کی تلاش میں کئی دن رہا آخر ایک دن نہر فرات کے کنارے پہنچا وہاں ایک شخص کو دیکھا کہ نہر کے کنارے وضو کر رہا ہے اور اپنے کپڑے دُھو رہا ہے چونکہ میں ان کے اوصاف سُن چکا تھا اس لئے بغیر کسی تردّد کے پہچان لیا، وہ کچھ بھاری بدن، گندمی رنگ، بدن پر بال زیادہ، سَر مونڈھا ہوا، گھنی ڈاڑھی، جسم پر صُوف کے کپڑے، چہرہ پُروقار قسم کا، میں آگے بڑھا اور سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، میں نے کہا اُویسؒ تم پر اللہ کی رحمت ہو کیا حال ہے؟

فرمایا اللہ کا شکر و احسان ہے اچّھا ہوں، زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں، لقاءِ رب کا انتظار ہے. بس اس دنیا سے کچھ اور مطلب نہیں۔

اس گفتگو کے درمیان اُن کی خستہ پستہ حالت پر میں رو پڑا، مجھے روتا دیکھکر حضرت اُویسؒ نے فرمایا، ہرم بن حیّان اللہ تمہاری مغفرت فرمائے میرے بھائی تم ایسا کیوں رو رہے ہو؟ تمکو میرا پتہ کس نے دیا؟

میں نے کہا اللہ نے مجھے توفیق دی بس اُسی کی ہدایت پر میں یہاں آگیا۔

شیخ ہرم بن حیّان کہتے ہیں کہ حضرت اُویسؒ نے میرا نام لیکر خطاب کیا مجھے تعجب و حیرت ہوئی کہ انھوں نے میرا نام اور میرے والد کا نام کیوں کر جانا جبکہ میں نے اس سے پہلے نہ آپ کو دیکھا ہے اور نہ آپ نے مجھکو دیکھا ہے۔ میرے سوال پر فرمایا۔

ہرم بن حیّان، اللہ علیم و خبیر نے مجھے اطلاع دی ہے جب تمہارے نفس نے

میرے نفس سے بات کی اُس وقت میری رُوح نے تمہاری رُوح کو پہچان لیا، اہلِ ایمان ایک دوسرے سے دُور نہیں رہتے، ایمانی رشتہ ایک دوسرے کو پہچان لیتا ہے۔

(غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ عالمِ ارواح میں سب کی رُوحیں یکجا تھیں وہاں کا تعلق و رشتہ دُنیا میں بھی برقرار رہا)

شیخ ہرم بن حیّان کہتے ہیں۔ میں نے حضرت اُویسؒ سے درخواست کی کہ آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی ایک حدیث سُنا دیں تاکہ میں یاد رکھوں؟

فرمایا، میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی زیارت نہ کر سکا البتہ آپؐ کے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے اور اُن کی صحبت پائی ہے۔ میں نے بھی آپ حضرات کیطرح حدیثیں سُنی ہیں لیکن میں اپنے لئے یہ دروازہ کھولنا نہیں چاہتا کہ میں محدّث، مفتی، یا قاضی بنوں، مجھے خود اپنے نفس کے بہت سے کام کرنے ہیں اُن سے اگر عہدہ برآ ہو جاؤں تو غنیمت ہے۔

حضرت اُویس قرنیؒ کا یہ جواب سُنکر میں نے پھر گذارش کی کہ قرآن حکیم کی ہی کوئی آیت سُنا دیں۔

میری اس درخواست پر حضرت اُویسؒ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھا اور اچانک چیخ مار کر رو پڑے۔ پھر فرمایا میرے رب کا ذکر بلند ہے، سب سے سچا کلام ہے سب سے اچھی بات اسی کی ہے۔ اس کے بعد سورۂ صٓ کی آیت ۲۷ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا۔ الآیۃ تلاوت کی اور خاموش ہو گئے۔

کچھ دیر بعد فرمایا، ہرم بن حیّان تمہارے باپ مر چکے، عنقریب تمکو بھی مرنا ہے۔ سیّدنا آدمؑ اور اُن کی بیوی وفات پا گئے، سیّدنا نوحؑ سیّدنا ابراہیم خلیل الرّحمٰن نے وفات پائی۔ سیّدنا موسیٰ کلیمُ اللہ، سیّدنا داوٗد خلیفۃُ اللہ، سیّدنا

عیسیٰ رُوح اللہ (علیہم السّلام) سب نے وفات پائی آخر میں سیّدنا محمد رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم بھی رخصت ہو گئے۔

پھر خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے وفات پائی، میرے بھائی عمر الفاروقؓ گزر گئے یہ کہکر چیخ ماری اور اُن کے لئے دُعا کی اور فرمایا کیا حضرت عمرؓ زندہ ہیں؟

میں نے کہا ہاں عمر الفاروقؓ زندہ ہیں،

حضرت اویسؒ نے انھیں پھر دُعا دی، اور فرمایا ٹھیک ہے میں نے جو کہا ہے وہ ویسا ہی ہے تم بات سمجھو تو معلوم ہوگا کہ ہم سب مُردہ ہیں، مرنے والوں کو زندہ کہنا کہاں تک درست ہے۔

اس کے بعد حضرت اویسؒ نے رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم پر درود پڑھا اور چند دُعائیں پڑھکر فرمایا، ہرم بن حیّان، کتاب اللہ کی تلاوت اور صالحین کی مُلاقات وزیارت اور رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم پر درُود وسلام کی کثرت میری وصیّت ہے۔

میں نے اپنی اور تمہاری اور سب کی موت کی خبر دی ہے اس کو ہمیشہ یاد رکھنا، موت سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہونا، واپس جاکر اپنی جماعت کو خبردار کرنا، دُنیا کی نعمتوں پر مغرور نہ ہونا، یہ سب آنی جانی والی ہیں جو ختم ہونے والی ہیں ان سے کیا محبّت؟ کیا رشتہ؟ تھوڑی سی دنیا پر راضی ہوکر آخرت کی تیاری کرنا بہت بڑے عالم کی تیاری ہے۔

ہرم بن حیّان اب میں تمکو رخصت کرتا ہوں اب کے بعد نہ میں تمکو دیکھ سکوں گا اور نہ تم مجھکو دیکھ سکو گے، بس میرے لئے دُعا کرتے رہنا، میں بھی تمکو یاد رکھوں گا۔

یہ کہکر ایک سمت چلنے لگے میں بھی ساتھ ہولیا لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے آخر میں کھڑے کھڑے حدِ نظر تک انھیں دیکھا پھر وہ آنکھوں سے اوجھل

ہو گئے۔

شیخ ہرم بن حیّان کہتے ہیں بس یہ ہی میری پہلی اور آخری ملاقات تھی اس کے بعد تا حیات تلاش و فکر میں رہا لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔

علمِ ظاہر و علمِ باطن :۔

علم ظاہر و علم باطن کا عنوان معلوم نہیں کس دور میں اجنبیّت و توحّش کا شکار ہوا اور عوام نے اس کو رُموز و اشارات جیسے مُبہم غیر واضح مفہومات کا ہم پلّہ خیال کیا، حالانکہ حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ بات نہایت واضح اور صاف ہے، مختصر عنوان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسانی اعضاء کی تعلیم و تربیت کو علم ظاہر کہتے ہیں اور قلب و رُوح کی تربیت و اصلاح کو علم باطن کہا جاتا ہے. ظاہر و باطن کی اس اصلاح و تربیت پر اسلام و ایمان کامل ہوجاتے ہیں۔

علم ظاہر کے ماہرین کو علماء و فقہاء اور علم باطن کے ماہرین کو شیوخ و مشائخ کہا جاتا ہے۔ حضرات تابعین کرام میں ہر دو علوم کے جاننے والے بکثرت رہے ہیں۔

حضرت اُویس قرنیؒ ان علماء میں شامل ہیں جو علم باطن کے جامع تھے، لیکن وہ دوسرے علم "علم ظاہر" کے لئے اتنی فرصت ہی نہ پاتے تھے کہ مسندِ ارشاد و تعلیم کو زینت بخشیں۔ انھوں نے خود فرمایا تھا کہ مجھکو بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی احادیث اسی طرح پہنچی ہیں جس طرح آپ حضرات کو ملی ہیں لیکن میں مسند درس و افتاء پر اس لئے بیٹھنا پسند نہیں کرتا کہ مجھکو تزکیہ نفس و رُوح کے لئے بہت کچھ کرنا ہے۔

عبادت و ریاضت :۔

حضرت اُویس قرنیؒ نے راہِ سُلوک میں بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں ساری

ساری رات ذکر و شغل و عبادات میں گزار دیتے، معمول یہ تھا کہ ایک شب قیام میں گزاریں، دوسری شب رکوع میں اور تیسری شب سجدہ میں، اسی طرح ایک شب دُعا و مناجات میں (یعنی رات کی نمازوں میں ایک رات قرأت قرآن کی کثرت میں دوسری و تیسری طویل طویل رکوع و سجود میں صرف ہوتیں۔)

شیخ ربیع بن خُثیمؒ المتوفی ۶۵ھ کا بیان ہے ایک دن میں اُن سے ملنے کے گیا دیکھا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد ذکر و تلاوت میں مشغول ہیں میں اس خیال سے کہ ان کی تسبیح و تہلیل میں حارج نہ بنوں انتظار کرنے لگا۔

ظہر کا وقت آگیا وہ برابر اسی میں مشغول رہے، میں واپس ہوگیا۔

دوسرے دن بھی یہی حال پایا میں نے اُن کی دُعاؤں میں یہ کلمات بھی سُنے ہیں۔

"الٰہی میں سونے والی آنکھ اور نہ بھرنے والے پیٹ سے پناہ مانگتا ہوں"۔

یہ حال دیکھکر میں نے کہا جو کچھ میں نے دیکھا ہے اسقدر کافی ہے۔

حضرت اُویس قرنیؒ بکثرت روزہ رکھتے، افطار کے وقت چند کھجوروں پر اکتفار کرتے، کھانے پینے کا کوئی مستقل نظام نہیں ملتا، کب کھاتے، کیا کھاتے ایسی کوئی تفصیلات نہیں ملتیں۔

زُہد و قناعت:۔

زُہد کا یہ عالم تھا کہ گھر بار، ساز و سامان، لباس، کھانے پینے کے برتنوں سے ہمیشہ آزاد رہا، ایک خستہ پستہ مکان تھا جس میں ضروریاتِ زندگی اور امورِ خانہ داری کی کوئی چیز مہیّا نہ تھیں گھر کیا تھا صرف ایک سہارا و آسرا تھا۔

سیّدنا عمر بن الخطاب رضؓ نے ان کے ساتھ سلوک کرنا چاہا لیکن انھوں نے ہر بار قبول نہ کیا، لباس میں صرف دو چادریں تھیں انہی کو دھو لیتے اور استعمال

کرتے، بعض اوقات لوگوں نے انھیں نیم برہنہ حالت میں دیکھا ہے. ناواقفوں نے توانکا مزاق اُڑایا، جاننے والے ان کے جسم پر کپڑا ڈالدیتے۔

ان کی دُعاؤں میں بعض حضرات نے یہ کلمات سُنے ہیں۔

"الٰہی میں آپ سے بھُوکے جگر اور برہنہ بدن کی معذرت چاہتا ہوں لباس جو میرے جسم پر اور غذا جو میرے پیٹ میں ہے اس کے سوا میرے ہاں کچھ بھی نہیں"۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

آپ کی اس مجذوبانہ حالت پر ظاہر بین لوگ آپ کو راہ چلتے پریشان کرتے اور جُملہ کستے. ایک مرتبہ کپڑا میسّر نہ ہونے پر حلقۂ ذکر سے غیر حاضر ہو گئے. آپ کے شریکِ حلقہ اُسیر بن جابرؒ یہ سمجھکر کہ آپ بیمار ہو گئے ہوں گھر پہنچے اور کہا اُویسؒ اللہ تم پر رحم کرے تم نے ہمیں کیوں چھوڑ دیا؟

فرمایا، ایسا نہیں میرے پاس چادر نہیں تھی اس لئے آنہ سکا، یہ سُنکر میں نے اپنی چادر پیش کی لیکن انھوں نے اس کو بھی قبول نہ کیا، میں واپس آگیا۔

شہرت سے اجتناب:۔

حضرت اُویس قرنیؒ تواضع وانکساری کی اس آخری حد تک پہنچ چکے تھے جس کے بعد اور کوئی حد نہیں، اہلِ دنیا سے میل جول کی قطعًا گنجائش نہ تھی اس لئے وہ ہر اس موقعہ سے دُور رہتے جس میں شہرت وناموری کی بُو محسوس کرتے سیّدنا عمرؓ نے بارہا حاکم کوفہ کے نام خط لکھا کہ وہ آپ کے ساتھ حسن سلوک کریں لیکن حضرت اُویسؒ نے کسی دن بھی ایسا موقعہ نہ دیا کہ وہ کچھ سلوک کر سکے. اصرار کرنے پر فرمایا کرتے میں عام مسلمانوں کی طرح رہنا چاہتا ہوں مجھکو میرے حال پر چھوڑ دو۔

آپ کی فطرت لوگوں کے ساتھ خلط ملط کو قطعاً پسند نہ کرتی تھی، ضرورت کے وقت عوام میں شامل ہو جاتے پھر ایسے گم ہو جاتے کہ اجنبی آدمی کو تلاش کرنی پڑتی، لوگوں کے ہجوم سے گھبرا کر کئی کئی دن غائب رہے ہیں۔ لیکن آپ کی یہ گوشہ نشینی و عزلت پسندی زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی آپ کی شمیم روحانیت نے خلقِ خدا کو خود اپنی طرف متوجہ کر لیا، زندگی تو بہر صورت اسی زمین پر گزارنی تھی، ہجوم مشتاقان سے کبھی کبھی دوچار ہو جاتے۔

شیخ اُسیر بن جابرؒ کا بیان ہے کہ میرے ایک دوست مجھکو اُویس قرنیؒ کے پاس لے گئے۔ اس وقت وہ نماز پڑھ رہے تھے فراغت کے بعد ہماری جانب متوجہ ہوئے۔ فرمایا:

"آپ لوگوں کا عجیب معاملہ ہے میرے پیچھے کیوں لگے ہو؟ میں ایک ضعیف اور ناتواں انسان ہوں، میری بہت سی ضروریات ہیں جنھیں میں آپ حضرات کی وجہ سے پوری نہیں کر سکتا، خدا کے لئے ایسا نہ کیجئے، مجھکو اکیلا چھوڑ دیجئے، اللہ آپ حضرات کو ہدایت دے۔"

امر بالمعروفؒ:۔

حضرت اُویس قرنیؒ اپنی عزلت پسندی و گوشہ نشینی کے باوجود امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ سے کبھی غافل نہ رہے اس کی ادائیگی میں عام لوگ اِن کے دشمن ہو گئے تھے۔

شیخ ابوالاحوصؒ کہتے ہیں کہ قبیلہ مُراد کے (یہی قبیلہ حضرت اُویس قرنیؒ کا بھی ہے) ایک شخص نے حضرت اُویس قرنیؒ سے پوچھا، آپکا کیا حال ہے؟

فرمایا، اچھا ہوں!

پھر اس نے پوچھا لوگوں کا آپکے ساتھ کیا طرزِ عمل ہے؟

فرمایا، یہ سوال تم اس شخص سے کرتے ہو جس کو شام کے بعد صبح کا اور صبح کے بعد شام کے ملنے کی اُمّید نہیں۔

میرے بھائی موت نے کسی شخص کے لئے بھی خوشی و مسرّت کا موقع باقی نہیں رکھا ہے۔

میرے بھائی معرفتِ الٰہی کے بعد سونے چاندی کی کوئی قیمت نہ رہی۔

میرے بھائی نیکی کی تلقین اور بُرائی کی توہین نے کوئی دوست باقی نہ رکھا۔

میرے بھائی دعوت و تبلیغ پر لوگوں نے ہمکو اپنا دشمن سمجھ لیا ہے۔

میرے بھائی اللہ کی قسم ان کا یہ رویّہ مجھکو حق بات کہنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔

جہاد فی سبیل اللہ:۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں آپ نے پڑھا ہے حضرت اُویس قرنیؒ کے طبعی مزاج کے لحاظ سے جہاد فی سبیل اللہ اور امر بالمعروف کا کام بالکل مختلف تھا لیکن اسلامی عُزلت نشینی و گوشہ نشینی کا یہ مفہوم قطعاً نہیں ہے کہ فرائض و واجبات سے غافل ہو جائیں اور رہبانیت جیسی زندگی بسر کریں۔

حضرت اُویس قرنیؒ کی جہاد میں شرکت کا ثبوت اس روایت میں ملتا ہے جو حضرت عمرؓ کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے وصیّت فرمائی تھی کہ یمن کی امداد میں اُویسؒ نامی ایک شخص ہو گا جس سے دُعا کروا لینا۔

یہ یمنی امداد یقیناً جہادی مہم کا حصہ تھی، اس کے علاوہ معرکہ آذر بائیجان میں بھی انکی شرکت کا ثبوت ملتا ہے۔ (اصابہ ج ۱ صـ۱۲۰)

ماں کی خدمت:۔

دُنیاوی رشتے ناطوں میں حضرت اُویس قرنیؒ کی ایک تنہا والدہ تھیں، یہ

ضعیف و ناتواں خاتون تھیں اِن کی خدمت کو وہ بہت بڑی عبادت و سعادت خیال کرتے تھے۔ چنانچہ جب تک وہ زندہ رہیں اُنھیں تنہا نہ چھوڑا اور حج بھی نہ کر سکے اور غالباً انہی کی وجہ سے وہ جمالِ نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے دیدارِ اقدس سے مشرّف بھی نہ ہوئے۔

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ حَسَنَاتَہٗ وَاٰمِنْ رَوْعَاتَہٗ۔

اِزالۂ غلط فہمی:-

حضرت اُویس قرنیؒ اگرچہ خود طبقہ صحابہ میں شامل نہ تھے لیکن صحابۂ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد اُن سے ملاقات و زیارت کا اشتیاق رکھتی تھی خود نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے اُویس قرنیؒ کو "خیر التابعین" کا لقب عطا کیا۔ اور حضرت عمرؓ سے اپنے لئے دُعا کروانے کی نصیحت بھی فرمائی۔

(مُسلم ج ۲، باب الفضائل)

اصابہ ج ۱ ص ۱۱۹ پر ایک روایت حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم ارشاد فرماتے ہیں میری اُمّت کے ایک شخص کی شفاعت سے قبیلہ بنو تمیم کی ایک بڑی تعداد جنّت میں جائے گی۔

حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ اِس شخص سے مُراد "حضرت اُویس قرنیؒ ہیں"۔ (حضرت اُویسؒ کا قبیلہ یہی تھا)۔

یہ عجیب و غریب بات ہے کہ اویس بن عامرؒ خیرُالتّابعین کے فضائل و مناقب کے باوجود بعض ایسی روایتیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُویس قرنیؒ نامی کوئی شخص نہیں جس سے اِنکا وجود مُشتبہ ہوجاتا ہے۔

مثلاً مورخ ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ امام مالکؒ اِن کے وجود کے مُنکر تھے فرماتے تھے کہ اُویس نامیؒ کوئی تابعی نہیں گزرا، اسی طرح محدّث ابن حبّان کا یہ کہنا

کہ امام بخاری کے ہاں اُویسؒ کی اِسناد محلِ نظر ہے وغیرہ وغیرہ لیکن دیگر محدّثین اور بعض کتب احادیث میں وضاحت کے ساتھ ان کا تذکرہ ملتا ہے جیسا کہ آپ نے گزشتہ صفحات میں پڑھا بھی ہے۔ ان وضاحتوں کے بعد شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اگرچہ حافظ ابن حجرؒ اور ابن حبّان جیسے اور بعض اہلِ علم نے یہ روایتیں نقل کیں ہیں لیکن ان روایات کی کوئی سند نہیں لکھی بلکہ بعض ائمہ حدیث کی طرف روایات منسوب کر دی ہیں اور وہ نقل در نقل ہوتے چلی آ رہی ہیں۔ ایسی روایات خود محدّثین کے اصول و نظریات کے تحت قابلِ التفات نہیں ہوتیں ایسی بے سند روایات ساقط الاعتبار ہوں گی۔

علاوہ ازیں ہر زمانے میں صرف انہی حضرات کا عام لوگوں کو علم ہوتا ہے جو قوم میں مِلے جُلے رہتے ہوں اور وہ کسی علمی و دینی حیثیت میں نمایاں ہوتے ہوں، عُزلت نشین قسم کے لوگوں کی شہرت محدود اور مخفی رہا کرتی ہے عوام تو کیا خواص کو بھی اس جانب توجّہ نہیں ہوتی۔

اور گزشتہ صفحات میں آپ نے پڑھا ہے سیّدنا اُویس قرنیؒ کا طبعی و فطری مزاج گوشہ نشینی اور عُزلت پسندی تھا وہ عام لوگوں سے ملتے تو کیا کسی کو ملاقات کا بھی موقع نہ دیتے تھے۔ عوام میں تو وہ دیوانہ، پاگل جیسے مکروہ عنوانات سے پکارے جاتے تھے۔

اگر امام مالکؒ یا ان جیسے اہلِ علم نے ان کے وجود کا انکار کیا ہو تو وہ اپنی جگہ درست ہے، ایسے حضرات کو معذور سمجھا جائے گا۔ اہلِ علم کا ایک مسلّمہ اصول یہ بھی ہے "عدمِ علم، عدمِ وجود کو مستلزم نہیں"۔ (کسی واقعہ کا علم نہ ہو تو اس واقعہ کی نفی نہیں کی جائے گی۔)

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ امام مالکؒ کے انکار کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں اُویس قرنیؒ کی شہرت اور اُن کے حالات اسقدر کثیر ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے

انکے وجود میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ (اصابہ ج ۱ ص۱۱۸)

وفات :-

حضرت اویس قرنیؒ کو جبتک اہلِ دنیا نے نہ جانا نہ پہچانا وہ اہلِ دنیا میں نظر آئے، جب اُن کی حقیقت آشکارا ہوگئی وہ ایسے رُوپوش ہوئے کہ پھر کسی نے انھیں نہ پایا۔ ایک عرصہ بعد جنگ صفین ۳۷ھ میں اُن کی شہادت کا پتہ چلتا ہے اِنھیں رَاہِ خدا میں شہادت کی بڑی تمنّا تھی اور وہ اسکے لئے دُعا بھی کرتے تھے۔

یہ عجیب بات ہے کہ جو گوشہ نشین، عزلت پسند، تارکُ الدُّنیا ہو اس کو جہاد فی سبیل اللہ کا ذوق وشوق تضاد پسندی کا شبہ پیدا کرتا ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ سیّدنا اویس قرنیؒ کو ہر دو ذوق میسّر تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو متبع سُنّت ہوا کرتا ہے اس کو اسلام کا ہر تقاضہ محبوب و پسندیدہ ہوا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جنگ صفین ۳۷ھ میں اُن کی یہ آرزو پوری کر دی انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں جامِ شہادت نوش کیا۔

فَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا۔ والسّلام

مراجع وماخذ

۱:- مُسلم شریف کتابُ الفضائل۔
۲:- طبقات ابن سعدؒ۔
۳:- مُستدرک حاکم ج ۳۔
۴:- اصابہ ج ۱۔
۵:- ابن عساکر ج ۳۔
۶:- تذکرۃ الاولیا ج ۱، شیخ فریدالدین عطارؒ

سلسلہ سیرت التابعین
شمارہ ۳

سیرت شیخ ابو مسلم الخولانیؒ

المتوفی ۶۲ھ
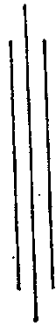
لَوْ رَأَیْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ عِیَانًا مَا کَانَ عِنْدِیْ مُسْتَزَادًا

(ابو مسلم الخولانیؒ)

اگر جنّت اور جہنّم کو اپنی ظاہری آنکھوں سے بھی دیکھ لوں تو میرے ایمان میں مزید اضافہ نہ ہوگا۔

امام ابو مسلم الخولانی

تعارف:۔ حضرت ابو مسلم کا پورا نام عبد اللہ بن ثوب ہے۔ "الخولانی" "الدارانی" نسبت رکھتے ہیں۔ ابو مسلم کنیت تھی۔ اپنے زمانے میں سید التابعین زاہد العصر کے لقب سے معروف تھے۔

ملک یمن کے رہنے والے، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں پیدا ہوئے جب یمن میں اسلام شائع ہوا اسی وقت ایمان لے آئے، لیکن زیارت نبوی م کا شرف نہ پایا۔ وفات نبوی کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے جبکہ سیدنا ابو بکر صدیق رض کی خلافت کا دور تھا۔ مدینہ طیبہ میں سینکڑوں صحابہ کرام رض کو دیکھا اور ان سے استفادہ کیا۔

فتنۂ ارتداد:۔

دورِ نبوت کا آخری غزوہ، غزوۂ تبوک تھا جو سنہ ۹ھ میں پیش آیا یہ غزوہ نہایت پُر آشوب حالات میں پیش آیا۔ (تفصیل کے لئے ہماری کتاب "ہدایت کے چراغ" (سیرت انبیاء کرام) جلد ۲ صـ ۶۲۶ دیکھ لی جائے جو اس حادثہ کی مستند تاریخ ہے)

یہ غزوہ وفات نبوی سے چند ماہ قبل پیش آیا، غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحت مبارکہ متاثر ہونے لگی تھی اور آپ کی عام صحت میں غیر معمولی انحطاط پیدا ہو رہا تھا یہ خبر جیسے مدینہ طیبہ میں عام تھی بیرونِ ملک بھی اس کا چرچا تھا۔

ملک یمن میں جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان میں بعض منافق صفات بھی تھے جن کا سرخیل اَسوَد عَنسی سمجھا جاتا تھا یہ ایک خبیث صفت انسان تھا ملک میں اسکی عام شہرت تھی۔ یہ قوّت و طاقت کے علاوہ دولت و ثروت میں بھی ممتاز تھا۔ دل کا سخت، شعبدہ باز، چرب زبان، سحر بیان، فتنہ پرور انسان بھی۔

مدینہ طیّبہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کی علالت کی عام اطلاع پر اس کے خبیث نفس نے اس کو آمادہ کیا کہ وہ جلد اپنی نبوّت کا اعلان کر دے۔ تاکہ قبل اس کے کہ کوئی اور اپنی سرداری کا اعلان کر دے اور قوم میں اپنا مقام حاصل کر لے، اس نے اپنی قوم میں اعلان کر دیا کہ مکّۃُ المکرمہ کا جانشین نبی میں ہوں۔ اللہ نے مجھکو نبوّت سے سرفراز کیا ہے جو مجھ پر ایمان لائے گا وہ نجات پائے گا اور جو انکار کرے گا وہ ہلاک ہوگا۔

مردود کذّاب کا یہ اعلان اس کے چیلے چپاٹوں نے قبول کر لیا اور اس کی اشاعت میں سرگرم عمل ہو گئے۔ یہ عام لوگوں میں اعلان کرواتا کہ صبح و شام اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے۔ مجھکو مغیبات (پوشیدہ اُمور) کا علم دیا گیا ہے۔

عام لوگوں کی مشکلات کا علم اپنے کارندوں کے ذریعہ حاصل کرتا اور اپنے علمِ غیب کا دعویٰ کرتا پھر انکی ضروریات و مشکلات میں مدد کرتا، اپنی قوت و طاقت سے مخالفت کرنے والوں کو سخت سے سخت سزائیں دیتا، اس طرح مکر و فریب سے اپنی دعوت مضبوط کر رہا تھا۔

اس کا یہ فتنہ شہر صنعاء (یمن) سے نکل کر شہر حضرموت، عون، طائف، بحرین تک پھیل گیا، اس تحریک کی مخالفت کرنے والوں میں حضرت ابومسلم خولانی سرِفہرست تھے جن کی جدّوجہد سے سینکڑوں مُرتد اسلام میں واپس آ رہے تھے۔

حضرت ابومسلم خولانی اپنے ایمان و عمل میں نہایت مضبوط، حق کی تائید میں بے خوف خطرات سے بے نیاز، دنیا اور اس کی زیب و زینت سے مُنہ موڑ لیا تھا اپنی زندگی

کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کے دین کی تائید و نصرت میں وقف کر دیا تھا دنیا فانی کو آخرت کے لئے چھوڑ رکھا تھا۔ عام مسلمانوں کے قلوب اُن کی اس ہمّت و استقامت سے متاثر تھے، طہارتِ نفس و تزکیہ نفس کے علاوہ وہ مستجابُ الدعوات بھی مشہور تھے۔

اسود عنسی کذّاب کو حضرت ابُومسلم خولانیؒ کی مخالفت سے سخت اندیشہ ہو گیا کہ اس کی یہ تحریک ناکام ہو جائے گی، اپنے مددگاروں سے مشورہ کیا کہ ابُومسلم کا خاتمہ کس طرح کیا جائے، بعضوں نے مشورہ دیا کہ انھیں قتل کر دیا جائے دیگر بعض نے کہا کہ شہر بدر کر دیا جائے اور بعضوں کا یہ مشورہ ہوا کہ اُنھیں سب کے سامنے ایسی عبرتناک سزا دی جائے کہ دوسروں کے حوصلے پست ہو جائیں اس کے لئے اُنھیں دہکتی آگ میں جھونک دیا جائے۔

کذّاب کو یہی مشورہ پسند آیا کہ ابُومسلم کو آگ میں جھونک دیا جائے۔ چنانچہ شہر سے باہر ایک میدان میں آگ دہکائی گئی اور اعلان کیا گیا کہ سب لوگ ابو مسلم کا انجام دیکھیں، یقیناً وہ میری نبوّت کا اعتراف کر لیں گے۔

جب آگ تیّار ہو گئی اور اپنے شعلے شراروں سے بھڑک پڑی، کذّاب اسود عنسی اپنے چیلے چپاٹوں، حشم و خدم، لاؤ لشکر کے ساتھ میدان میں آیا اور اُس خیمے میں اپنے تخت پر بیٹھ گیا جو اس کی جھوٹی شان و آن کے لئے تیّار کیا گیا تھا۔ پھر حضرت ابُومسلم خولانی کو طلب کیا جو زنجیروں میں پابقید تھے۔ جب وہ تشریف لائے تو کذّاب نے متکبّرانہ شان سے اُن پر ایک نظر ڈالی پھر اس آگ کی طرف نظر کی جس کے شعلے آسمانوں سے بات کر رہے تھے۔

حضرت ابُومُسلم خولانیؒ کی طرف متوجہ ہوا اور اس طرح گفتگو کا آغاز کیا۔

بحث و مناظرہ:۔

کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمّد صلّے اللہ علیہ وسلّم اللہ کے رسول ہیں؟

حضرت ابو مسلم نے فرمایا ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے سچے اور آخری نبی و رسول ہیں۔

پھر سوال کیا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

شیخ ابو مُسلم نے فرمایا، میرے کانوں میں کچھ میل کچیل ہے۔ تیری بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

کذّاب نے جھلّا کر کہا میں تجھکو اس دہکتی آگ میں جھونک دونگا۔

شیخ ابو مُسلم خولانی نے کہا اگر تو نے ایسا کیا تو میں آخرت کی اس آگ سے محفوظ ہو جاؤں گا جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جس پر طاقتور سخت دل فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم کی ذرا سی بھی سرتابی نہیں کرتے اور وہ سب کچھ کرگذرتے ہیں جو اُنھیں حکم دیا جاتا ہے۔ (سورۂ تحریم آیت ۶)

کذّاب نے کچھ سنبھل کر کہا۔

میں تجھکو کچھ مہلت دیتا ہوں تاکہ تو جلدبازی میں اپنی ہلاکت کا فیصلہ نہ کرلے، یکبار غور و فکر سے کام لے، کیا میں اللہ کا رسول نہیں ہوں؟

شیخ ابو مُسلم خولانیؒ نے فرمایا، میں نے تجھکو کہدیا ہے کہ میرے کانوں میں کچھ میل کچیل سا ہے میں تیری بات سمجھ نہیں پارہا ہوں۔

حضرت ابو مُسلم کے اس پُرسکون و پُروقار جواب سے کذّاب پاگل سا ہو گیا اور حضرت ابو مسلم کو آگ میں جھونکنے کا حکم دینے ہی والا تھا کہ اچانک اُس کا ایک بزرگ دوست مجمع کو چیرتے پھاڑتے کذّاب کے قریب آیا اور اُس کے کان میں اس طرح گویا ہوا۔

اسود عنسی تم خوب جانتے ہو کہ ملک یمن میں ابو مسلم خولانی ایک پاکیزہ خصلت مستجاب الدعوات انسان مشہور ہیں اگر انھوں نے آگ میں اپنے رب کو پکارا اور یقیناً اللہ اس کی دعا قبول کرلے گا تو وہ آگ سے صحیح سالم باہر نکل آئیں گے اُسوقت

تمہارا سارا کھیل ایک سکنڈ میں فنا ہو جائے گا، اور لوگ یہ کرامت دیکھکر اُسی وقت تمہاری نبوّت کا انکار کر دیں گے۔

اور اگر وہ آگ میں مر گئے تو لوگ اُن کی جرأت و اعتماد پر اُنھیں شہید کا خطاب دیں گے۔ ہر دو صورت میں وہ کامیاب رہیں گے، اب فکر تمکو کرنی ہے جلدبازی سے کام نہ لو۔ بہتر ہے ابو مسلم کو آگ میں جھونکنے کے بجائے شہر بدر کر دیا جائے تاکہ لوگ اُن کا ساتھ نہ دیں اور تم راحت پاؤ۔

لیکن شیطان نے کذّاب کو غور و فکر کرنے کا موقعہ نہ دیا اور وہ اپنی ضد و عناد میں ابو مُسلم خولانیؒ کو بھڑکتی آگ میں جھونک دیا۔

زندہ کرامت :۔

یہ کارروائی چند لمحات میں پوری ہو گئی ابھی مجلس برخاست بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ابو مسلم خولانیؒ آگ سے ایسے صحیح و سالم باہر آتے نظر آئے گویا وہ کسی باغ و بہار سے نکل رہے ہیں۔

دل و دماغ پھاڑ دینے والا یہ منظر تمام حاضرین کو دہشت زدہ کر دیا اہلِ ایمان تو اُسی وقت سجدہ میں گر گئے، طاغوتی لشکر دہشت و وحشت میں تختہ بن گیا۔

زیارتِ نبویؐ :۔

حضرت ابو مُسلم خولانی آگ سے باہر ہو کر سیدھے مدینہ طیّبہ کی راہ پکڑ لی تاکہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کی زیارتِ پاک سے مشرف ہوں، سفر طویل و عریض تھا منزل تک پہونچنے میں کئی دن صرف ہو گئے۔

مدینہ طیّبہ ابھی دو ایک منزل باقی تھا کہ راہ میں اہلِ قبائل نے اطلاع دی رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم وفات پا گئے ہیں اور ابو بکر صدیقؓ آپؐ کے خلیفہ

مقرر ہو چکے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا، دل پژمردہ ہو گیا، چلنے پھرنے حتیٰ کہ بولنے کی طاقت کھو بیٹھے، حواس معطل ہو گئے، کئی دن راہ میں ایسے ہی پڑے رہے جب طبیعت سنبھلی تو آگے کا قصد کیا۔

مدینہ طیبہ ایسے وقت پہونچے جبکہ صدیق اکبرؓ کی خلافت پوری ہو چکی تھی اور نظامِ خلافت جاری و ساری تھا۔ شیخ ابو مسلم خولانیؒ نے حرم نبوی کے باہر اپنی اونٹنی کھڑی کی، مسجدِ نبوی شریف میں داخل ہوئے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کی پھر روضۂ اقدس کے پاس آئے نہایت ادب و احترام سے

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ کہا۔

پھر دیر تک روتے رہے، فرض نماز کا وقت آگیا نماز ادا کی اور مسجد شریف کے ایک گوشے میں دیر تک نوافل پڑھتے رہے۔

نووارد مسافر پر سیدنا عمر بن الخطابؓ کی نظر جم چکی تھی، فراغت کے بعد قریب آئے، پوچھا تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو، کس سے ملنا ہے؟

نووارد مسافر نے کہا یمن کا باشندہ ہوں، زیارتِ نبوی شریف کے لئے چلا تھا، درمیانِ راہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم وفات پا چکے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں سلام عرض کر کے واپس ہو جاؤں گا۔

سیدنا عمر فاروقؓ کی "فاروقی نگاہ" نے کچھ بھانپ لیا۔

پوچھا، یہ تو بتاؤ اُس جھوٹے نبی نے جس مسلمان کو آگ میں جھونک دیا تھا اُس کا کیا انجام ہوا؟ (اُس وقت تک مدینہ طیبہ میں جھوٹے نبی اسود عنسی کا وہ واقعہ عام ہو چکا تھا)۔

نووارد مسافر نے کہا اُس مسلمان کا نام عبداللہ بن ثُوب ہے۔ آگ نے اُس پر

کچھ بھی اثر نہ کیا، وہ کچھ ہی دیر بعد دہکتی آگ سے صحیح وسالم نکل آیا، یہ منظر دیکھکر سینکڑوں مرتد لوگوں نے توبہ کی اور بے شمار انسان اسلام میں داخل ہو گئے۔

فراستِ فاروقی رضی اللہ عنہ

سیّدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے نووارد مسافر کو اللہ کا واسطہ دیکر کہا سچ بتادو کیا وہ شخص تم نہیں ہو؟

مُسافر نے کہا الحمد للہ وہ میں ہی ہوں میرا نام ابُو مسلم عبداللہ بن ثُوب خولانی ہے۔

سیّدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے نہایت عجلت میں انھیں گلے لگا لیا اور خوشی میں زارو قطار رو پڑے۔ پھر اُنھیں سیّدنا صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے آئے، تعارُف کروایا اور اُن کی زبانی آگ والا واقعہ سُنایا، سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ بھی رو پڑے اور اتنے متاثر ہوئے کہ ابُو مسلم سے خواہش کی کہ وہ یکبار پھر سُنائیں۔

اختتام پر سیّدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ سے کہا کیا آپ کو علم ہے کہ کذّاب کا کیا انجام ہوا؟

ابو مُسلم نے فرمایا، یمن سے نکلنے کے بعد مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی۔

سیّدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ عزوجل نے اس کذّاب کو خود اس کی قوم کے ہاتھوں قتل کروایا اور اس کی قوّت وطاقت کو پامال کیا، اُس کی پیروی کرنے والوں کو ہدایت دی وہ سب ایمان واسلام کی طرف لوٹ آئے ہیں۔

حضرت ابُو مسلم خولانی نے یہ انجام سُنکر اللہ عظیم کا اس طرح شکر ادا کیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یُخْرِجْنِیْ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی قَرَّتْ عَیْنِیْ بِمَصْرَعِهٖ وَعَوْدَةِ الْمَخْدُوْعِیْنَ مِنْ اَهْلِ الْیَمَنِ

اِلیٰ اَکْنَافِ الْاِسْلَامِ۔

ترجمہ:۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں جس نے زندگی ہی میں میری آنکھیں اس دجّال کذّاب کی ہلاکت سے ٹھنڈی کیں اور یمن کے مسلمانوں کو اس کے مکروفریب سے نجات دی اور انھیں دوبارہ اسلام قبول کرنے کی توفیق دی۔

سیّدنا عمر فاروقؓ نے بھی اس طرح اللہ کا شکر ادا کیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرَانِیْ فِیْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ فُعِلَ بِہٖ کَمَا فُعِلَ بِخَلِیْلِ الرَّحْمٰنِ اَبِیْنَا اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

ترجمہ:۔ اس ذات پاک کی حمد وثنا ہے جس نے مجھکو اس شخص کی زیارت سے مشرف کیا جس کے ساتھ سیّدنا ابراہیم خلیل الرحمنؑ جیسا معاملہ کیا گیا تھا۔

قیام مدینہ طیّبہ:۔

شیخ ابو مسلم خولانی کو مدینہ طیّبہ میں غیر معمولی عزّت ملی، بڑے بڑے صحابہ کرامؓ ان کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے، یہ اکثر اوقات لوگوں کے ہجوم میں گھرے رہتے تھے، خود حضرت ابو مسلم خولانی بھی اکابر صحابہؓ سے استفادہ کرنے اُن حضرات کے گھر جایا کرتے تھے۔

اِن حضرات میں سیّدنا ابوعبیدہ بن الجرّاحؓ، ابوذر غفّاریؓ، عبادۃ بن الصامتؓ، معاذ بن جبلؓ، عوف بن مالکؓ، شامل ہیں۔ ابو مسلم خولانی نے اِن حضرات سے نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلّم کی عادات واطوار واحادیث شریفہ کا ذخیرہ محفوظ کر لیا اور مسجد نبوی شریف کو اپنی مستقل درسگاہ بنا لی، ہر فرض نمازوں کے بعد روضۂ اقدس پر حاضری دیتے اور دیر تک صلوٰۃ وسلام میں مشغول رہتے روضۂ اقدس

پھر ان کی یہ حاضری ان سے ملاقات کی ایک علامت بن گئی تھی۔

جہاد فی سبیل اللہ:۔

کچھ عرصہ بعد حضرت ابو مسلم خولانیؒ میں جہاد فی سبیل اللہ کا وہ جذبہ جو قلب میں عرصۂ دراز سے دبا ہوا تھا اُبھرنا شروع ہوا، اِن دِنوں اسلامی فتوحات کا دَور دَورہ تھا، ایک معرکہ کے بعد دوسرا معرکہ پیش آتا اور اسلامی فوجیں فتحیاب ہو کر واپس آجاتیں۔ ملک میں چھوٹا بڑا، بُوڑھا جوان جوق در جوق جہاد میں شرکت کر رہا تھا، آخر شیخ ابو مسلمؒ نے فیصلہ کر لیا کہ ان مقدّس معرکوں میں شرکت کرنی چاہیئے، معلوم نہیں آئندہ زندگی میں یہ مواقع ملیں یا نہ ملیں۔ اس لئے انھوں نے ملک شام کا سفر کرنا طے کر لیا، جہاں اسلامی فوجیں جہاد کے لئے نکل رہی تھیں۔

اس وقت ملک شام میں حضرت امیر معاویہؓ کی حکمرانی تھی، شیخ ابو مسلم خولانی امیر معاویہؓ سے بہت قریب ہو گئے۔ ان کے ہاں آمدورفت کا سلسلہ شروع کیا ان کی ذاتی و خانگی مجلس کے علاوہ مجالس عام میں بھی شرکت کرتے اور موقعہ بموقعہ حضرت امیر معاویہؓ کو ہدایات و مشورے بھی دیا کرتے۔

اس طرح دونوں بزرگوں میں اتحاد و اُلفت مستحکم ہونے لگی، پھر جہاد فی سبیل اللہ کے معرکوں میں بے دریغ شریک ہوا کرتے اور جہاد کے اہم فرائض کی نمائندگی کرتے ان اہم ذمّہ داریوں کی تعمیل میں حضرت امیر معاویہؓ سے اسقدر قریب ہو گئے کہ امارت کے مسائل میں بھی بے تکلف مشورہ دینے لگے۔

ہدایت و نصائح:۔

شیخ ابو مسلم خولانی ایک دن حسب معمول حضرت امیر معاویہؓ کی مجلس میں تشریف لائے دیکھا کہ امیر معاویہ بھری مجلس میں اس امتیازی شان سے تشریف فرما

ہیں کہ آگے پیچھے، دائیں بائیں اُمرائِ سلطنت، مسلح افواج کے ذمہ دار اور قومی سردار ہجوم کئے ہوئے ہیں اور بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ امیر معاویہؓ کی شان وعظمت میں مبالغہ کر رہے ہیں۔

شیخ ابُومُسلم کو یہ منظر پسند نہ آیا، ناگواری کی حالت میں قلبِ مجلس تک پہونچ گئے اور بغیر کسی القاب وآدابِ شاہی کے امیر معاویہؓ کو اس طرح سلام کیا،

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَجِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

(اے مسلمانوں کے مزدور السّلام علیک)

حاشیہ برداروں نے فوری مداخلت کی اور کہا اے ابُومسلم! امیر معاویہؓ کو امیرالمؤمنین کہو لیکن شیخ ابُومسلم نے اس پر توجہ نہ کی اور پھر وہی جملہ کہا۔

لوگوں نے پھر ٹوکا امیرالمؤمنین کہو،

شیخ ابُومسلم نے اس پر بھی توجہ نہ کی اور نہ لوگوں کی طرف نظر اُٹھائی تیسری بار پھر وہی جملہ کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَجِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

اس وقت عام لوگوں میں کچھ انتشار پیدا ہونے لگا، اچانک امیر معاویہؓ نے بلند آواز سے اس طرح خطاب کیا:

لوگو! ابُومسلم خولانیؒ کو ان کے حال پر چھوڑ دو وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اس سے خوب واقف ہیں۔

اس کے بعد حضرت ابُومسلم حضرت امیر معاویہؓ کے قریب آئے اور اس طرح کہنا شروع کیا۔

خلافت وحکومت کی ذمہ داری کے بعد آپ کی مثال اس مزدُور جیسی ہوگئی ہے جس کو کسی نے اپنے جانور ومویشی چَرانے اور پرورش کرنے کے لئے مقرر کرلیا ہو، تاکہ جانوروں کا دانہ پانی، صحت ونگرانی

اور اُن کے منافع کا انتظام درست رکھے۔

اب اگر وہ مزدور ان ذمّہ داریوں کا حق ادا کرتا ہے تو اس کو طے شدہ مزدوری دی جاتی ہے بلکہ حُسنِ خدمت پر کچھ زائد اُجرت بھی، ورنہ اُس کی مزدوری سوخت کر دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ سزا کا بھی مستحق ہو جاتا ہے۔

اے معاویہؓ! اب تم خود فیصلہ کر لو کہ تمہیں کیا لینا ہے اور کیا دینا ہے؟

امیر معاویہؓ سر جھکائے بیٹھے تھے اپنا سر اُٹھایا اور فرمایا:

جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا خَيْرًا وَعَنِ الرَّعِيَّةِ خَيْرًا يَا أَبَا مُسْلِمٍ فَمَا عَلِمْنَاكَ إِلَّا نَاصِحًا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ۔

ترجمہ: ابو مسلمؒ اللہ آپ کو ہماری اور رعایا کی جانب سے بہترین جزا عنایت کرے بیشک آپ کی نصیحت مخلصانہ ہے۔

ایسے ہی ایک موقع پر حضرت امیر معاویہؓ جمعہ کا خطبہ دینے منبر پر چڑھے ہی تھے (ان دنوں اہلِ حقوق کے ماہانہ وظائف دو ماہ سے بند تھے) حضرت ابو مسلم خولانی آگے بڑھے اور امیر معاویہؓ سے برجستہ اس طرح خطاب کیا:

"اے معاویہؓ! یہ مال جو عامّۃ المسلمین کا ہے وہ نہ آپ کا حق ہے نہ آپ کے آباء و اجداد کا، پھر کس وجہ سے آپ نے لوگوں کے وظائف روک رکھے ہیں؟"

اچانک اور غیر متوقع طور پر رعایا کی موجودگی میں یہ تلخ کلامی امیر معاویہؓ پر گراں گزری، غیظ و غضب کے آثار چہرے پر نمایاں ہوئے، لوگوں نے محسوس کیا کہ امیر معاویہؓ کچھ کر گذریں گے، لیکن فوری سنبھل کر لوگوں کو اشارہ دیا کہ سب اپنی اپنی جگہ خاموش رہیں، اس کے بعد منبر سے اترے اور جدید وضو کیا اور چند پانی کے

قطرات اپنے جسم پر ڈالے اور منبر پر تشریف لائے۔

اللہ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا لوگو! ابومسلم نے یہ جو کہا کہ دار خلافت کا مال نہ معاویہؓ کا ہے نہ معاویہؓ کے باپ دادا کا، بیشک انھوں نے سچ کہا ہے۔

میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے سنا ہے۔

اَلْغَضَبُ مِنَ الشَّیْطَانِ وَالشَّیْطَانُ مِنَ النَّارِ وَالْمَآءُ یُطْفِئُ النَّارَ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَغْتَسِلْ۔ (الحدیث)

ترجمہ:۔ غصّہ شیطان کے اثر سے پیدا ہوتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور پانی آگ کو بجھاتا ہے لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصّہ آجائے تو دھولے (یعنی وضو کرلے)

اس کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے اعلان کیا آج ہی سب حضرات بیت المال سے اپنے اپنے وظائف حاصل کرلیں۔

عادات و اطوار:۔

حضرت عثمان بن عاتکہؒ کہتے ہیں میں نے حضرت ابومسلم خولانیؒ کی مسجد میں ایک سوط (کوڑا) لٹکا دیکھا، میں نے پوچھا اس کا کیا سبب ہے؟ فرمایا یہ کوڑا میرے اپنے لئے ہے، میں اس کا جانوروں سے زیادہ مستحق ہوں، نمازمیں جب قیام وقرآت سے تھک جاتا ہوں تو اپنے پیروں پر اس سے ضرب لگاتا ہوں تاکہ سستی وغفلت دور ہوجائے۔

حضرت شراحبیل بن عمروؒ کہتے ہیں باہر سے دو آدمی حضرت ابومسلم کی ملاقات کے لئے آئے اس وقت حضرت ابومسلم نماز میں مشغول تھے۔ دونوں مسافر انتظار میں بیٹھ گئے ایک اُن کی نمازوں کو شمار کرتا رہا، تین سو رکعت ادا کرکے ان دونوں کی طرف متوجّہ ہوئے اور خیر خیریت معلوم کی اور ضروری باتیں کہکر

انھیں رخصت کیا۔

حضرت ابو مسلم خولانیؒ یہ بھی کہا کرتے تھے، اگر جنّت و جہنّم کو اپنی ظاہری آنکھوں سے بھی دیکھ لوں تو میرے علم و یقین میں اس سے اضافہ نہ ہوگا، میں نے اللہ اور اس کے رسول پر اس طرح ایمان لایا ہے گویا انھیں دیکھ رہا ہوں۔

جہاد فی سبیل اللہ:۔

کثرتِ عبادت و ریاضت کے باوجود قتال فی سبیل اللہ کا ذوق و شوق بھی انھیں بیقرار کئے رہتا تھا۔ سخت گرمیوں میں بھی وہ اس فریضہ سے غافل نہ رہتے جب کبھی معلوم ہوتا کہ قافلہ نکل رہا ہے حضرت ابو مسلم خولانیؒ اس میں ضرور شریک ہوجاتے۔ عام طور پر سفر جہاد میں روزے رکھا کرتے۔

کسی شخص نے ان سے پوچھا آپ سفر میں روزے کیوں رکھتے ہیں جبکہ سفر میں افطار کرنے کی اجازت آئی ہے؟

فرمایا، جب قتال کا وقت آتا ہے تو میں میدان ہی میں افطار کرلیتا ہوں اس کے بعد معرکہ میں شریک ہوتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ یہ ایک حقیقت ہے قتال کے گھوڑے جب موٹے بھاری بدن ہوا کرتے ہیں تو ان میں تیزی پھرتی نہیں رہتی، اور جب ہلکے بدن ہوں تو ان میں چستی و پھرتی تیز ہوجاتی ہے میں چاہتا ہوں کہ سفر جہاد میں ہلکا پھلکا رہوں اس لئے روزے رکھتا ہوں۔

کرامات و دعائیں:۔

حضرت ابو مسلم خولانیؒ کے بارے میں مؤرخین خاص طور پر لکھتے ہیں کہ وہ "مستجاب الدعوات" انسان تھے۔ اہل اللہ میں ایسے حضرات بکثرت ظاہر

ہوئے ہیں جن کی دُعائیں بارگاہِ الٰہی میں ردّ نہیں ہوئیں لیکن ایسے اہل اللہ بہت کم ہیں جن کی دُعائیں ہاتھ در ہاتھ پوری ہو جاتی ہوں ان میں حضرت ابو مسلم خولانیؒ شامل ہیں۔ حضرت ابو مسلم خولانی سے مقبول دُعاؤں کے علاوہ کرامات کا بھی صدور ہوا ہے۔

اہلِ علم لکھتے ہیں کہ کرامات کی کثرت اہل اللہ میں اُن نیک بندوں سے زیادہ متعلق رہی ہے جو زُہد و قناعت کے مینار ہوا کرتے ہیں۔ ان حضرات کا اسباب دُنیا سے برائے نام تعلق رہا کرتا ہے وہ اپنی حاجات کو ربُّ العالمین سے براہِ راست مانگ لیتے ہیں اور جو بھی انھیں مل جاتا ہے اس پر قناعت کر جاتے ہیں۔

کرامت، اللہ کے اُس فعل کو کہا جاتا ہے جو ظاہری و پوشیدہ اسباب کے بغیر اپنے کسی پسندیدہ بندے کے ہاتھوں ظاہر کر دیا جاتا ہو۔ یہ عمل حقیقتاً ربُّ العالمین کا ہوتا ہے جس میں اس بندے کا کچھ بھی عمل دخل نہیں۔ چونکہ وہ عمل اُس بندے سے ظاہر ہوا ہے اس لئے اُس کو "کراماتِ اولیاء" کا عنوان دیا گیا۔

قرآن حکیم کی آیات میں کرامات کا تذکرہ بکثرت آیا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں ایسے اعمال کو "آیات اللہ" کہا جاتا ہے۔

قرآن حکیم کی آیت سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ الآیۃ (سورہ حٰم السجدہ آیت ۵۳) کرامات کے وجود و ثبوت کی کھلی دلیل ہے۔

ابو مسلم کی کرامات:۔

محمد بن زیاد اُلہانیؒ کہتے ہیں کہ ملک رُوم کے ایک شہر کی فتح یابی میں حضرت ابو مسلم خولانیؒ بھی شریک تھے، درمیانِ راہ ایک بڑا دریا حائل ہو گیا۔ فوج کے ہاں

اسباب مُسر و رو عُبور نہ تھے، مجاہدین فکر مند تھے کہ دریا کو کس طرح پار کیا جائے حضرت ابو مُسلم خولانی آگے بڑھے اور فوج سے کہا اللہ کا نام لو اور اپنے گھوڑے دریا میں داخل کردو۔ پھر خود اپنا گھوڑا دریا میں داخل کیا، گھوڑا سطح آب پر چلنے لگا۔ یہ منظر دیکھکر ساری فوج نے بھی اپنے گھوڑے دریا میں داخل کردیئے، گہرے دریا میں گھوڑے ایسے چل رہے تھے گویا وہ، ہموار زمین پر دوڑ رہے ہوں۔ آناً فاناً دریا کے دوسرے کنارے پہنچ گئے۔

جب سب پار ہوگئے تو حضرت ابُو مسلم نے پُوچھا کسی کا کوئی سامان تو دریا میں چھوٹ نہ گیا؟

ایک شخص نے کہا ابُو مسلم میرا تیر کش رہ گیا ہے۔ فرمایا میرے ساتھ چلو۔ وہ شخص دریا میں آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ ایک جگہ ٹھہر کر کہا کہ غالباً اس جگہ وہ تیر کش گرا ہے۔

حضرت ابُو مسلم خولانیؒ نے دریا میں ہاتھ ڈالکر وہ تیر کش اس کے حوالہ کردیا۔ لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ۔

بلال بن کعبؒ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ چند بچے جنگل کے شکار میں ایک ہرن کا تعاقب کر رہے تھے لیکن وہ ہرن اِن کے قبضہ میں نہیں آرہا تھا۔ اتفاقاً حضرت ابُو مسلم خولانی اُدھر سے گزرتے نظر آئے۔ بچوں نے اُن سے درخواست کی کہ آپ دُعا فرمادیں یہ ہرن ہمیں مل جائے۔

حضرت ابُو مُسلمؒ نے اُسی وقت ہاتھ اُٹھائے اور دُعا کی، کچھ ہی دیر نہ ہوئی تھی کہ وہ ہرن بچوں کی گرفت میں آگیا۔

محمد بن زیادؒ یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت نے اپنی پڑوسن کو سخت پریشان کر رکھا تھا اور اس کو کسی طرح چین لینے نہیں دیتی تھی۔ اس مظلوم عورت نے حضرت ابُو مسلم خولانیؒ سے اس کی شکایت کی اور دُعا کی درخواست کی۔ آپ نے

دُعا کی۔ "اے اللہ اُس پڑوسی کے شر سے اس عورت کو محفوظ کر دے۔"

دوسرے دن جب ظالم عورت نیند سے بیدار ہوئی تو اندھی ہو چکی تھی۔ لوگوں نے کہا ابُو مسلم کی دُعا نے اُسے اندھا کر دیا۔

اندھی عورت حضرت ابو مسلمؒ کے پاس روتے ہوئے آئی اور اپنے قصور کا اعتراف کیا اور عہد کیا کہ وہ آیندہ کبھی اپنے پڑوسی کو پریشان نہ کرے گی۔ براہ کرم میری بینائی کے لئے دُعا فرما دیں۔

حضرت ابُو مسلم خولانیؒ نے حضورِ رب میں اس طرح درخواست کی۔

"ربّ العالمین اگر یہ عورت اپنی توبہ میں سچّی ہے اور آپ اسکو خوب جانتے ہیں، اے اللہ اپنے فضل وکرم سے اسکو بینائی عطا فرما یہ آپ کی جناب میں توبہ کر رہی ہے۔"

حضرت ابُو مسلم خولانیؒ کی دُعا ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ عورت کی بینائی لوٹ آئی اور وہ سجدۂ شکر میں زمین پر گر پڑی۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

قبولیتِ دُعا کے ایسے واقعات اگرچہ بکثرت پیش آئے ہیں لیکن ہاتھ در ہاتھ اللہ کے یہ فیصلے چند ہی خاصانِ خاص کے نصیب میں رہے ہیں۔

حضرت ابُو مُسلم خولانیؒ کے زمانۂ حیات میں یہ بات عام ہو چکی تھی کہ وہ "مستجابُ الدعوات" انسان ہیں جن کی دُعائیں ربّ العالمین کے ہاں رَدّ نہیں ہوتیں۔

اللہ کی یاد وفکر اُنھیں ہر وقت لگی رہتی تھی دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی گمشدہ حقیقت کی تلاش میں ہیں۔ کبھی کبھی درمیانِ راہ اور بازاروں میں بلند آواز سے تکبیر پڑھ دیا کرتے تھے، اجنبی آدمی اِنھیں اس حالت میں مجنون و دیوانہ خیال کرتا، لیکن اُن کی یہ دیوانگی غیر اللہ سے بیگانی کی حالت ہوا کرتی تھی۔

ایک مرتبہ ان کی بیوی نے شکایت کی کہ آج ہمارے گھر میں آٹا وغیرہ کچھ بھی نہیں۔

پوچھا کیا تمہارے ہاں دام درہم ہیں؟

کہا ہاں صرف ایک درہم ہے جو سُوت کاتنے سے حاصل ہوا تھا۔

فرمایا، لاؤ بازار سے آٹا خرید لیں۔ تھیلی لی اور بازار گئے، ابھی خریدنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک فقیر آہ وزاری سے بھیک مانگ رہا تھا اس کی حالت پر ترس آیا اور وہ درہم اس کو دیدیا، پھر اپنی تھیلی میں باریک مٹی بھر لی اور گھر لے آئے دل خوف زدہ تھا کہ بیوی کیا کہے گی؟ تھیلی بیوی کے حوالہ کر کے گھر سے فوری نکل گئے۔

رات کو بیوی نے خوشی خوشی تھیلی کھولی تو دیکھا کہ گیہوں کا نفیس آٹا ہے، روٹیاں تیار کیں اور حضرت ابومسلم کا انتظار کرتے رہی۔ حضرت ابومسلم آدھی رات کے قریب ڈرتے ڈرتے گھر میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ دسترخوان تیار رکھا ہے۔

پوچھا یہ نفیس روٹیاں کہاں سے آئی ہیں؟

بیوی نے کہا وہی جو آپ نے آٹا دیا تھا۔

اللہ کا نام لیا اور کھانا شروع کیا، فضل الٰہی پر رونے لگے لیکن حقیقت ظاہر نہ کی، بیوی نے اس راز کو نہ سمجھا اور رونے کا سبب بھی نہ پوچھا کیونکہ وہ حسب معمول اُنکی گریہ وزاری کو دیکھا وسُنا کرتی تھی۔ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ۔

سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک اور واقعہ نقل کیا ہے لکھتے ہیں:

حضرت ابومسلم خولانیؒ اس لشکرِ اسلام کے بارے میں فکر مند تھے جو ملک رُوم کے ایک معرکہ کے لئے روانہ کیا گیا تھا کہ آخر اس کا کیا انجام ہوا؟ لشکر کی

خیر خیریت بھی معلوم نہ ہو رہی تھی۔ جب ان کی بیقراری زیادہ ہو گئی اور وہ اس فکر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک پرندہ اُن کے آگے گر پڑا اور اس طرح گویا ہوا:

میں اُتبا بیل ہوں جو اہلِ ایمان کی تسلّی کے لئے آیا کرتا ہوں رُوم کا لشکرِ اسلام بخیر ہے اور بہت جلد فتح یاب ہو کر آ رہا ہے۔

حضرت ابُومسلم خولانیؒ نے اس پرندے سے خطاب کیا، "ارے تو نے اطلاع دینے میں تاخیر کیوں کی؟" اس سوال پر پرندہ غائب ہو گیا۔

حضرت ابو مسلم خولانیؒ کی وفات ۶۲ھ میں ہوئی۔

اَعْلَی اللّٰہُ دَرَجَاتَہٗ فِیْ جَنَّۃِ النَّعِیْم۔

مآخذ و مراجع

۱: طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۴۴۸۔
۲: تاریخ البخاری ج ۵ ص ۵۸۔
۳: اُسد الغابہ ج ۳ ص ۱۲۹۔
۴: تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۹۔
۵: البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۴۶۔
۶: تاریخ ابن عساکر ج ۹ ص ۱۲۔

سلسلہ سیرت التابعین شمارہ ۳
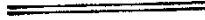
سیرت امام ربیع بن خثیمؒ

المتوفی سنہ ۶۵ھ

یَا اَبَا یَزِیْدِ لَوْ رَاٰکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَحَبَّکَ

(عبداللہ بن مسعودؓ)

تم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔

تعارف:۔ ربیع نام تھا، ابو یزید کُنیت، رسالت کا مقدّس دَور پایا لیکن زیارتِ رسولؐ سے مشرف نہ ہو سکے۔ وفات نبویؐ کے بعد مدینہ منوّرہ آئے۔ اکابرِ صحابہؓ سے ملاقات کا شرف پایا، اہلِ علم تابعین میں شمار کئے گئے، زُہد و تقویٰ میں مشہور و معروف تھے۔

حضرت عبدُاللہ بن مسعُود رضی اللہ عنہ، سے خصوصیت کے ساتھ تعلق تھا ان کی بارگاہ میں ربیع بن خثیمؒ کو اتنا قرب تھا کہ جب وہ حضرت عبداللہ بن مسعُودؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو مجلس کو خالی کروالیا جاتا، اور جب تک وہ بیٹھے رہتے کوئی دوسرا حاضر ہونے کی ہمّت نہ کرتا۔

حضرت عبدُ اللہ بن مسعودؓ ان کے فضائل و کمالات سے بیحد متاثر تھے فرمایا کرتے:

"اے ربیعؒ اگر تمکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم دیکھتے تو بہت محبّت فرماتے۔"

حالات وعادات:۔

ہلال بن یسافؒ اکابر تابعین میں شمار ہوتے ہیں وہ اپنے ایک دوست مُنذر ثوریؒ سے کہتے ہیں۔ اے مُنذرؒ کیا تمکو میں ایک ایسے شخص سے ملاقات نہ کرواؤں جس کے ہاں جانے سے ایمان تازہ ہوتا ہے؟

مُنذر ثوریؒ نے کہا ضرور میں تو شہر کوفہ اسی لئے آیا کہ آپ کے شیخ

ربیع بن خثیمؒ سے ملاقات کروں، لیکن کیا آپ نے اُن سے مُلاقات کی اجازت لے لی؟

مجھکو بتایا گیا تھا کہ جب سے انھیں فالج کا اثر ہوا ہے وہ اپنے گھر بیٹھ گئے ہیں، ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، ملاقات کا سلسلہ بند کر رکھا ہے۔

ہلال بن یسافؒ کہتے ہیں آپ درست کہتے ہیں اِنکا یہی حال ہے۔ البتہ بزرگوں کے احوال یکساں نہیں رہتے ہم سوال کرنے میں پہل کریں گے یا پھر خاموشی اختیار کرلیں گے اور شیخؒ کی باتیں سُنیں گے۔

مُنذر ثوریؒ نے کہا اگر آپ پورا ایک سال بھی حضرت ربیع بن خثیمؒ کے پاس بیٹھے رہیں تو وہ تم سے ایک کلمہ بھی نہ کہیں گے جب تک کہ آپ اُن سے بات نہ کریں وہ بات چیت میں پہل نہیں کرتے۔ انھوں نے اپنی بات چیت کو ذکر الٰہی اور خاموشی کو فکر الٰہی قرار دے لیا ہے۔

آخر دونوں نے طے کرلیا کہ ملاقات کرنا ہی چاہیئے۔ جب شیخ ربیعؒ کے یہاں پہنچے سلام کیا اور خیریت دریافت کی۔

فرمایا، بوڑھا ہوگیا ہوں، گنہگار ہوں، اللہ کا رزق کھا رہا ہوں اور موت کا انتظار ہے۔

ہلال بن یسافؒ نے کہا یہاں شہر کوفہ میں ایک ماہر طبیب آئے ہوئے ہیں اگر اجازت دیں تو انھیں لے آؤں؟

شیخ ربیعؒ نے فرمایا، ہاں میں خوب جانتا ہوں کہ علاج معالجہ کرنا درست ہے، لیکن میں نے قومِ عاد و ثمود اور اصحاب الرّس اور ان جیسی کئی ایک قوموں کے حالات میں غور کیا ہے۔ انھیں دُنیا کی عیش و عشرت، حرص و طلب، جاہ و منزلت، قوّت و طاقت سب کچھ مہیّا تھی، ان میں ماہر طبیب تھے اور مریض بھی، لیکن نہ طبیب باقی رہا نہ مریض، سب گزر گئے۔

اس کے بعد شیخ ربیعؒ کچھ دیر گہری سوچ میں پڑ گئے۔ فرمایا، اگر یہ بیماری ہوتی تو ہم علاج معالجہ کر لیتے؟

شیخ منذرؒ نے عرض کیا، شیخ پھر آپ کا کیا مرض ہے؟

فرمایا، گناہوں کی کثرت۔

شیخ منذرؒ نے عرض کیا پھر اس کی دوا کیا ہے؟

فرمایا، توبہ و استغفار۔

شیخ منذرؒ نے سوال کیا شفا کیسے ہوگی؟

فرمایا، کہ ایسی توبہ کرو کہ پھر گناہ نہ ہو۔

اس کے بعد شیخ ربیع رو پڑے، شیخ منذرؒ نے کہا اے ربیعؒ آپ اپنے گناہوں کا ایسا کیوں اندیشہ کر رہے ہو جبکہ آپ ایسے اور ایسے فضائل کے حامل ہیں؟

شیخ ربیعؒ نے فرمایا، نہیں نہیں! میں نے ایسے ایسے حضرات کو پایا ہے جن کے مقابلہ میں ہم لوگ چور ڈاکو سے کمتر نہیں۔ (شیخ ربیعؒ کا مقصد یہ تھا کہ میں نے اصحاب رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اُن کی زندگی آفتاب و مہتاب سے زیادہ روشن و منور اور پاکیزہ تھیں اور ایک ہم ہیں کہ گناہوں کی تاریکیوں میں ڈوب گئے ہیں۔)

اس گفتگو کے درمیان شیخ ربیع کا چھوٹا بیٹا آیا سلام کیا اور کہنے لگا، امّی نے آپ کے لئے عمدہ حلوہ تیار کیا ہے اُن کی خواہش ہے کہ آپ کچھ تناول فرمالیں؟

شیخ ربیعؒ نے فرمایا اچھا لے آؤ، صاحبزادہ لینے گیا، اِدھر ایک فقیر نے دروازے پر دستک دی۔ شیخ نے فرمایا اس کو اندر لے آؤ، جب وہ آیا میں نے دیکھا کہ بوسیدہ حال، پراگندہ، نیم پاگل جیسا انسان ہے جس کے

منھ سے اور ناک سے آلائش بہہ رہی ہے۔

شیخ ربیعؒ نے اُسے اپنے آگے بٹھا لیا۔ اتنے میں صاحبزادہ حلوہ لے آیا شیخ ربیعؒ نے برتن اُس کے آگے رکھدیا، اس حلوے پر بُوڑھا ایسا ٹوٹ پڑا گویا وہ فاقہ زدہ انسان ہے، آناً فاناً برتن صاف کر دیا۔

صاحبزادے سے یہ منظر دیکھا نہ گیا، کہا ابّا جان، امّی نے تو بڑے اہتمام سے آپ کے لئے تیار کیا تھا، اور ہم سب کی خواہش تھی کہ آپ کچھ تناول فرما لیتے۔ لیکن آپ نے سارا حلوہ ایک ایسے شخص کو کھلا دیا جس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کیا چیز کھا رہا ہے؟

شیخ ربیعؒ نے فرمایا، بیٹا اگر وہ نہ جانتا ہو تو کیا ہوا؟ اللہ تبارک و تعالیٰ تو خوب جانتے ہیں۔

پھر شیخ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ الآیۃ

(سورۃ آل عمران آیت ۹۲)

ترجمہ:۔ تم خیر کامل کبھی حاصل نہ کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی محبوب چیز کو خرچ نہ کردو اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں۔

یہ باتیں ہورہی تھیں کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا، اے شیخ سیّدنا حسینؓ آج قتل کردیئے گئے۔ یہ سُنتے ہی شیخ نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا، پھر یہ آیت تلاوت کی۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ الخ

(سورہ زمر آیت ۴۶)

ترجمہ:۔ اے نبیؐ آپ کہدیں، اے اللہ! آسمانوں وزمین کے پیدا کرنے

والے، باطن وظاہر کے جاننے والے، آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان اُن اُمور میں فیصلہ کردیں گے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے۔[1]

قتل کی اس خبر دینے والے نے معًا پوچھا، اے شیخ اس قتل کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

شیخ ربیعؒ نے غمزدہ آواز میں فرمایا:

اِلَى اللّٰهِ اِيَابُهُمْ وَعَلَى اللّٰهِ حِسَابُهُمْ۔

ترجمہ:۔ ان لوگوں کو اللہ کے ہاں پہنچنا ہے اور اُنکا حساب اللہ ہی لیں گے۔

ہلال بن یسافؒ کہتے ہیں ظہر کا وقت قریب تھا میں نے عجلت میں شیخ ربیعؒ سے گزارش کی کہ آپ مجھکو کچھ نصیحت فرمادیں؟

شیخ ربیعؒ نے فرمایا! اے ہلال اگر لوگ تمہاری تعریف کثرت سے کرتے ہوں تو اس سے دھوکہ نہ کھانا کیونکہ عام لوگ تمہارے ظاہری حال ہی سے اندازہ لگاتے ہیں اور تمہارا باطن پوشیدہ ہے وہ صرف اللہ ربّ العزت پر عیاں ہے اور تمکو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ اخلاصِ عمل ہی تمکو نفع دے سکتا ہے۔

اس کے بعد منذر ثوریؒ نے گزارش کی براہِ کرم مجھکو بھی کچھ نصیحت فرمادیں۔

شیخ ربیعؒ نے فرمایا، اے منذر جن باتوں کا تمکو علم ہے اُن میں اللہ سے ڈرتے رہو اور جن اُمور کا تمہیں علم نہیں اُنکو جاننے والوں کے حوالہ کردو۔

اے منذر تم یہ کوئی ایسا نہ کہے کہ اے اللہ میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں حالانکہ اُس نے اس سے پہلے توبہ نہیں کی، یہ بات اللہ پر جھوٹ کے مماثل ہے، بلکہ اس طرح کہے اے اللہ میری توبہ قبول فرما۔ یہ عنوان توبہ کا ہے دُعا کا بھی ہے۔

[1] معرکۂ کربلا میں بنو اُمیہ کی فوجوں نے سیدنا حسینؓ اور اُن کے رفقاء کو شہید کر دیا تھا۔ یہ حادثہ محرم ۶۱ھ میں پیش آیا۔

اے منذر کلمۂ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے سوا کسی اور کلمہ میں زیادہ خیر نہیں اِس کا وِرد رکھو۔

پھر منذر ثوریؒ نے کہا اے شیخ آپ کی مجلس میں ہم دیر تک رہے لیکن آپ کے کلام میں شعروشاعری کا کوئی کلمہ نہیں سُنا جبکہ آپ کے دوست احباب شعروشاعری سے بھی نصیحت کرتے ہیں؟

شیخ ربیعؒ نے فرمایا اے منذر جو کلام اس دُنیا میں کیا جاتا ہے وہ آخرت میں پڑھا جائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے نامۂ اعمال میں ایسا کوئی کلام ہو جو اشعار کی شکل میں پڑھا جائے[1]

اس کے بعد شیخ ربیعؒ نے ہم دونوں کو مخاطب کیا اور فرمایا موت کو کثرت سے یاد کرو کیونکہ وہ ایک پوشیدہ "حقیقتِ منتظر" ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ موت کی پوشیدگی جسقدر دراز ہوتی ہے اس کا پیش آنا قریب تر ہوجاتا ہے پھر شیخ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا، کل کیا ہوگا؟

كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِآيْءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ الآیۃ (سورۃ الفجر آیت ۲۱ تا ۲۳)

ترجمہ:۔ جس وقت زمین کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کردیا جائے گا اور آپ کا پروردگار اور فرشتے صف درصف (میدانِ حشر) میں آئیں گے اس روز جہنّم کو سامنے لایا جائے گا اس دن انسان کو سمجھ آئے گی (لیکن) اب سمجھ آنے کا موقع کہاں رہا۔

شیخ ربیعؒ کا یہ کلام ختم ہورہا تھا ظہر کی اذان شروع ہوئی، شیخ نے صاحبزادے

---

[1] چونکہ عام طور پر شعروشاعری میں مبالغہ آرائی، ثناخوانی، نام ونمود جیسے مکروہ جذبات ہوتے ہیں اس لئے اہلِ تقویٰ حضرات اس کو پسند نہیں کرتے۔ شعروشاعری کو قرآن حکیم نے شانِ نبوّت کے خلاف بھی کہا ہے۔ سورۂ یٰسٓ آیت ۶۹، سورۃ الشعراء آیت ۲۲۵۔

سے کہا بیٹا آؤ اللہ کے اس داعی کو جواب دیں، صاحبزادے نے ہم سے کہا براہِ کرم آپ حضرات میری مدد کریں تاکہ شیخ کو مسجد لے جائیں، پھر شیخ نے اپنا دایاں ہاتھ بیٹے کے کاندھے پر رکھا اور بایاں ہاتھ میرے کندھے پر، شیخ ہم دونوں کے سہارے چلنے لگے۔ لیکن شیخ کے دونوں پیر زمین پر رگڑ کھا رہے تھے۔ لَآ اِ ِ اِلَّا اللّٰہ

مُنذر ثوریؒ نے کہا اے ربیعؒ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ مریضوں کو گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت آئی ہے آپ یہ زحمت کیوں فرماتے ہیں؟

شیخ ربیعؒ نے جواب دیا آپ درست کہتے ہیں۔ لیکن جب اللہ کا مُنادی حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کا اعلان کر رہا ہو تو جہاں تک ہو سکے جواب دینا چاہیئے خواہ گھٹنے کے بل چلنا پڑے۔

وعظ و نصیحت :۔

شیخ ربیعؒ کو وعظ و نصیحت کا بڑا عُمدہ سلیقہ نصیب تھا وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اہم و گہری حقیقتیں سمجھا دیا کرتے تھے اور قرآنِ کریم کی آیات سے اسکو عام فہم بناتے۔

ان کی نصائح میں عام طور پر اس قسم کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔

اے خدا کے بندے، ہمیشہ بھلی بات کر اور بھلائی پر عمل کر، بھلی عادتوں پر قائم رہ، اپنی مدّتِ حیات کو دراز نہ خیال کر، اپنے قلب کو سخت نہ بنا، ان لوگوں جیسا نہ ہو جو کہتے ہیں کہ ہم نے سُنا حالانکہ وہ سُنتے نہیں۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۔(سورۃ الانفال آیت ۲۱)

ترجمہ :۔ ان لوگوں جیسا نہ ہو جاؤ جو کہتے ہیں ہم نے سُنا حالانکہ وہ نہیں سُنتے۔

اے خدا کے بندے، اگر تو اچھے کام کرتا ہو تو ایک کے بعد دوسرا عمل

کئے جا، کیونکہ عنقریب تجھکو وہ دن پیش آنے والا ہے جس میں تجھکو یہ حسرت رہ جائے گی کہ کاش میں نے زیادہ عمل کئے ہوتے، اگر تجھ سے کچھ برائیاں سرزد ہو چکی ہیں تو اس کے پیچھے اچھے کام کر۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ، ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ۔ الآیۃ

(سورۃ ہود آیت ۱۱۴)

ترجمہ :۔ بھلائیاں، برائیوں کو دور کر دیتی ہیں اور یہ بات نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔

اے خدا کے بندے اللہ نے جو علم تجھے عطا کیا ہے اس پر شکر ادا کر اور جو علم تجھکو نہیں دیا بلکہ اس نے اپنے لئے مخصوص رکھا ہے اس کو جاننے والوں کے حوالہ کر اپنی جھوٹی شان نہ بنا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ۔ الآیۃ

(سورۃ ص آیت ۸۶ تا ۸۸۔)

ترجمہ :۔ اے نبی آپ کہدیں کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت نہیں طلب کرتا اور نہ میں تکلف (شان) کرنے والوں میں ہوں، قرآن تو تمام جہان والوں کے لئے نصیحت ہے اور ایک وقت آئے گا جب تمکو اسکی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

خشیتِ الٰہی :۔

سارے اعمال کا سرچشمہ خشیتِ الٰہی ہے نیک اعمال کا اختیار کرنا اور برے

اعمال سے بچنا اسی جذبے کے تحت ممکن ہوا کرتا ہے ورنہ جس شخص کو شوق وخوف نہ ہو اس کو اچھے اور بُرے اعمال میں کیونکر تمیز ہوسکتی ہے۔

شیخ ربیعؒ پر خشیّتِ الٰہی کی کیفیت دوچند تھی، شب بیداری انکا خاص مشغلہ تھا رات کی تاریکی میں مصلّٰی پر کھڑے ہوجاتے پھر انھیں یہ خبر نہ رہتی کہ کسقدر رات گزر چکی ہے، فجر کی اذان ہی انھیں مصلّٰی سے اُٹھاتی تھی۔ تلاوتِ قرآن کا خاص ذوق تھا اس کی کثرت نمازوں میں دیکھی جاتی، بعض اوقات ایک ایک آیت کو ساری ساری رات دُھرایا کرتے۔

ملحوظ:۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی یہ سُنّت آجکل اہلِ علم طبقہ میں بھی شاذ ونادر ہوچکی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

جہادِ لوجہِ اللہ:۔

شیخ ربیعؒ اگرچہ ایک زاہد مزاج، گوشہ نشین، متقی وپارسا انسان تھے لیکن خلافتِ راشدہ کی جہادی مہموں میں حصّہ لینا بھی انھیں پسند تھا، جہاد فی سبیل اللہ کا یہ ذوق وشوق اُن کی گوشہ نشینی، عُزلت پسندی کا بالکل متضاد جذبہ تھا لیکن جب بھی ایسا کوئی موقعہ ملتا اُسے فوت ہونے نہیں دیتے۔

شیخ عبدخیرؒ کہتے ہیں میں ایک مُہم میں شیخ ربیعؒ کا رفیقِ جہاد تھا، بعد فتحیابی اُنھیں بہت سارا مالِ غنیمت ملا جس میں غلام اور مویشی تھے، چند دنوں کے بعد مجھے اُن کے یہاں جانے کا اتفاق ہوا، ان کے گھر میں مالِ غنیمت کی کوئی چیز نظر نہ آئی۔

میں نے پُوچھا شیخ وہ غُلام ومویشی کیا ہوئے؟

اس وقت انھوں نے کوئی جواب نہ دیا، پھر جب میں نے دوبارہ پُوچھا تو فرمایا: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (سورۂ آل عمران آیت ۹۲)

ترجمہ:- کامل نیکی کے درجے کو ہرگز نہ پہنچ سکو گے جب تک کہ اپنے پسندیدہ اموال خرچ نہ کرو۔

شیخ ربیعؒ کا ہر عمل زادِ آخرت ہی کے لئے ہوا کرتا، جہاد کی شرکت بھی اسی غرض کے لئے ہوا کرتی، انھیں نہ مال و دولت کی آرزو تھی نہ فتح و کامیابی کی، ہر عمل میں اللہ کی رضا و خوشنودی مقصود ہوا کرتی تھی۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔

زعم و پندار:-

متقی و پرہیزگار انسان کے لئے سب سے بڑا خطرہ "زعم و پندار" کا وسوسہ ہوا کرتا ہے۔ یہ مہلک مرض اچھے خاصے زہد و تقویٰ انسانوں کو عجب و کبر کی گھاٹیوں میں پھینک دیتا ہے، بہت ہی کم لوگ ہیں جو اس حادثے سے محفوظ رہے ہوں۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبِّیْ۔

شیخ ربیعؒ اپنی بلند و بالا شخصیت کے باوجود تواضع و انکساری کا مجسّمہ تھے وہ اپنے قول و عمل سے ایسا کوئی عنوان ظاہر ہونے نہ دیتے جس میں زعم و پندار کا شائبہ ملتا ہو۔

وہ گنہگاروں کو بھی بُرا نہ کہتے نہ اُن کے عیوب سننے کے لئے تیار ہوتے، کسی کے جواب میں انھوں نے ایک ایسا کلمہ کہا تھا جو تاریخ وعظ و نصیحت میں نادر عنوان رکھتا ہے۔

فرمایا، اللہ کی قسم مجھے خود اپنے نفس پر اطمینان نہیں کہ دوسروں کو بُرا کہوں۔ لوگوں کا عجیب حال ہے کہ وہ دوسروں کے گناہوں پر تو اللہ سے ڈرتے ہیں لیکن خود اپنے گناہوں کی جانب سے بے خوف ہیں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

تواضع و انکساری:-

صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ اخلاقِ انسانی میں سب سے افضل و اشرف خصلت

تواضع وانکساری ہے اور کمترین وبدترین خصلت عُجب وکبر ہے۔

شیخ ربیعؒ اپنے اخلاق وعادات میں تواضع وانکساری کا ایک عظیم نمونہ تھے گھریلو کام میں خود شریک ہوجاتے۔ گھر کے اُن کاموں میں زیادہ حصہ لیتے جو عام طور پر بھاری اور طہارت ونظافت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسجد کی صفائی پر خاص توجہ دیتے۔ ایک شخص نے کہا اے شیخ اس کام کے لئے دوسرے لوگ موجود ہیں؟

فرمایا، جب میں اپنے گھر کی صفائی پسند کرتا ہوں تو بیت اللہ کی صفائی ستھرائی سے کیونکر غافل رہوں؟

سیّدنا عبداللہ بن مسعودؓ جب انھیں دیکھتے تو فرماتے۔

"اے ربیعؒ تمکو دیکھکر متواضعین کی یاد تازہ ہوجاتی ہے"

ایک دفعہ یہ بھی فرمایا تھا، "اے ربیعؒ اگر تمکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم دیکھتے تو بہت خوش ہوتے"۔

ایک مرتبہ مسجد میں نماز پڑھنے والوں کا ہجوم تھا جب جماعت کھڑی ہونے لگی اور لوگ آگے بڑھے ایک شخص نے جو شیخ ربیعؒ کے پیچھے تھا ان سے کہا آگے بڑھو؟

لیکن ہجوم کی وجہ سے موقعہ نہ تھا اس لئے شیخ ربیعؒ آگے نہ بڑھ سکے اس شخص نے غصّہ میں ان کی گردن کو کونچہ دیا، شیخ ربیعؒ نے صرف اسقدر کہا۔ اللہ تم پر رحم کرے، اللہ تم پر رحم کرے۔

اُس شخص نے جب آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو شیخ ربیعؒ تھے، فرطِ ندامت سے رو پڑا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

سکُوت وخاموشی:۔

شیخ ربیعؒ اگرچہ گوشہ نشین، تنہائی پسند، طویل السکوت، دائم الفکرة انسان

تھے حتیٰ کہ اپنے مکان میں بھی یہی کیفیت غالب رہا کرتی تھی، لیکن جیسا کہ کہا جاتا ہے پھُول کی خوشبو، آفتاب کی روشنی قید نہیں کی جا سکتی، شیخ ربیعؒ کی شہرت و عزّت بھی محدود و مخفی نہ رہی چارجانب پھیل گئی وقت کے ائمہ اور محدّثین اُن کی عظمت و احترام کا برملا اظہار کر دیا کرتے تھے۔

امام شعبیؒ کا بیان ہے کہ شیخ ربیعؒ اپنی جماعت میں سب سے بڑھکر متورّع تھے، وہ صدق و امانت کا معدن تھے۔

امام یحییٰ بن قعین کا قول تھا کہ شیخ ربیعؒ جیسے شخص کے متعلق کچھ پُوچھنے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔

امام ابوعبیدہؒ کا بیان ہے کہ میں نے شیخ ربیعؒ جیسا عبادت گزار کہیں نہیں دیکھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ ربیع کا زُہد اور اُن کی عبادت اسقدر مشہور ہے کہ اس کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

وفات:

آخری عمر میں شیخ ربیعؒ مرض فالج میں مُبتلا ہو گئے تھے لیکن اپنی زندگی کے معمولات میں فرق آنے نہ دیا، وہ سب اعمالِ خیر کر لیتے جو صحت کی حالت میں کیا کرتے تھے۔

عِلاج و معالجہ کی جانب خصوصی توجہ نہ تھی، ترکِ اسباب سے بچنے کے لئے غذا، دوا کا سہارا لے لیا کرتے۔ وسائل و ذرائع پر کچھ زیادہ اعتماد نہ تھا، اپنے اس مرض کو بھی اللہ کے حوالہ کر دیا تھا۔

جب لوگ اصرار کرتے تو فرمایا کرتے:

"عاد و ثمود اور اصحابُ الرّس اور ان کی درمیانی قوموں میں

علاج معالجہ کرنے والے موجود تھے، نہ علاج کروانے والے رہے اور نہ علاج کرنے والے، سب کے سب چل بسے۔

آخر اسی مرض (شہر کوفہ) ٦٥ھ میں انتقال فرمایا۔ یہ خلفاء بنو اُمیہ کے عُبیداللہ بن زیاد کی ولایت کا زمانہ تھا۔

فَرَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔

مآخذ و مراجع

١:۔ تذکرۃ الحفاظ ج ١۔

٢:۔ تہذیب التہذیب ج ٣۔ ابن حجر عسقلانیؒ

٣:۔ طبقات ابن سعد ج ٦۔

٤:۔ حلیۃ الاولیاء ج ٢۔ ابن نعیم اصبہانیؒ

٥:۔ کتاب الزھد۔ امام احمد بن حنبلؒ

سلسلہ سیرت التابعین شمارہ ۴

سیرت

امام علقمہ بن قیس رحمہ اللہ

المتوفی ۶۲ھ

امام اسود بن یزید رحمہ اللہ

المتوفی ۷۵ھ

عَلْقَمَةُ لَيْسَ بِدُوْنِ اِبْنِ عُمَرَ، اَسْوَدُ لَهُ فَضْلٌ كَثِيْرٌ۔

(ابو حنيفة النعمان رحمہ اللہ)

علقمہ رحمہ اللہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کم نہیں، اسود رحمہ اللہ کثیر الفضائل ہیں۔

تعارف: حضرت عَلقمہ بن قیسؒ مشہور محدّث ابراہیم نخعیؒ کے ماموں اور امام اَسود بن یزیدؒ کے چچا تھے، نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ مبارک میں پیدا ہوئے، جب ہوش آیا تو رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم وفات پا چکے تھے شرفِ زیارت سے مشرّف نہ ہو سکے۔

اکابرِ صحابہؓ کو پایا اور اُن سے بھرپور استفادہ کیا۔ ان میں سیّدنا عمر الفاروقؓ سیّدنا علی المرتضیٰؓ، سیّدنا عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفۃ الیمانؓ، حضرت سلمان الفارسیؓ، حضرت ابُو مسعود بدریؓ، حضرت ابُو ایّوب انصاریؓ میزبانِ رسولؐ شامل ہیں۔ ان سب حضرات سے حضرت علقمہ بن قیسؒ نے احادیث نقل کیں ہیں۔

لیکن سیّدنا ابن مسعودؓ کے "چشمۂ فیض" سے خصوصیت کے ساتھ سیراب ہوئے ہیں۔ سیّدنا ابن مسعودؓ نے انھیں ابتداء سے انتہا تک تعلیم دی ہے۔ گویا حضرت علقمہؒ نے ابن مسعودؓ کی گود میں پرورش پائی۔

امام اَسود بن یزیدؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعُودؓ نے حضرت علقمہ بن قیسؒ کو جس طرح قرآن حکیم کی تعلیم دی، ایسے ہی علمِ فقہ کا بھی درس دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعُود اس اُمّتِ مسلمہ کے فقیہہ الاُمّت کہلاتے ہیں۔ اس خصوصی توجہ اور فیض بخشی نے حضرت علقمہؒ کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا "مثنیٰ" بنا دیا تھا۔ خود حضرت عبداللہ بن مسعُودؓ فرماتے ہیں، میں نے جو کچھ پڑھا اور جانا ہے وہ سب علقمہؒ بھی جانتے اور پڑھتے ہیں۔

حضرت علقمہ بن قیسؒ کے علمی کمالات پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔
حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ اور امامت کے درجہ پر فائز تھے۔ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ علقمہؒ بلند مرتبہ، جلیل القدر اور صاحب کمال فقیہ ہیں۔

علمِ قرآن :۔

حضرت علقمہ بن قیسؒ کو قرآن و حدیث و فقہ اور جملہ علوم میں یکساں کمال حاصل تھا، قرآن حکیم کے معنیٰ و مفہوم اور اس کی قرأت میں سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے بھرپور حصہ ملا تھا۔
خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنی آخری زندگی میں کبھی کبھی قرأت کی صحت و حفاظت کے لئے حضرت علقمہؒ کو قرآن سُناتے، ایک دن حضرت علقمہ سے ارشاد فرمایا، علقمہ تم سورۂ بقرہ کی تلاوت میں میری گرفت کرو، چنانچہ پوری سورۂ بقرہ کی تلاوت کی اور دریافت کیا کچھ چھوٹ تو نہیں گیا؟
میں نے کہا ایک حرف چھوٹ گیا ہے، پھر خود ہی کہا کیا فلاں حرف ہے؟
میں نے کہا جی ہاں!
حضرت علقمہؒ نہایت خوش آواز و شیریں گفتار شخص تھے جب قرآن کی تلاوت کرتے تو عام لوگ بے خود ہو جاتے تھے۔
حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے علقمہ، قرآن حکیم کو ہمیشہ ترتیل و خوش الحانی سے پڑھا کرو۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے حُسنِ صوت (خوش آوازی) قرآن کی زینت ہے۔ (الحدیث)

علمِ حدیث :۔

علم حدیث میں حضرت علقمہؒ کو امتیاز حاصل تھا ان کے حافظ کے بارے میں

کہا جاتا تھا کہ جو بات پہلی بار سُنی گویا کتاب کے اوراق میں محفوظ ہو گئی۔ وہ خود فرماتے تھے:

"جو احادیث میں نے جوانی میں سُنی تھیں وہ اپنے اس بڑھاپے میں اس طرح پڑھتا ہوں گویا اوراق پر لکھی تحریر ہے"

اس نادر حافظہ کے ساتھ انھیں اکابرِ صحابہؓ کی تعلیم و تربیت نے نہایت مُجلّٰی و مُصفّٰی کر دیا تھا۔

مؤرخ ابن سعدؒ اِن کو کثیر الحدیث اور حافظ ذہبیؒ امام بارع (بے مثال امام) سے یاد کرتے ہیں۔

حضرت عبدُاللہ ابن مسعودؓ کی احادیث کا بیشتر حصّہ بلکہ کل احادیث حضرت علقمہؒ کے سینے میں محفوظ تھیں۔ اس وُسعتِ علم و کثرتِ روایات کے باوجود وہ محدّث بننا، عظمت و وجاہ حاصل کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبدُاللہ ابن مسعودؓ کی وفات کے بعد اہلِ علم نے انھیں مسندِ درس پر بٹھانا چاہا لیکن حضرت علقمہؒ نے ان حضرات کی تجویز قبول نہ کی۔ فرمایا آپ حضرات چاہتے ہیں کہ میں "شانِ اقتدار" حاصل کروں؟

علمِ فقہ:

علمِ فقہ میں حضرت عبدُاللہ ابن مسعودؓ کے جانشین شمار کئے جاتے تھے۔ علمِ فقہ میں اجتہاد اور امامت کا درجہ پایا تھا۔ امام نوویؒ انھیں صاحبِ کمال فقیہہ تسلیم کرتے تھے۔

اس وسعتِ علمی کی وجہ سے علّامہ ابن مدائنی کا بیان ہے حضرت عبدُاللہ ابن مسعودؓ کی علمی وراثت میں اُن کے چار بڑے شاگرد شامل ہے۔

علقمہؒ، اسوَدؒ، عُبیدہؒ، حارثؒ۔ اِن چاروں میں حضرت علقمہؒ سب پر

فائق تھے۔

خود حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی یہ سند کہ جو کچھ میں پڑھتا اور جانتا ہوں وہ سب علقمہؒ پڑھتے و جانتے ہیں، انکے وسعتِ علم کی مضبوط سند ہے۔

علمی پرواز :۔

حضرت علقمہؒ کا علمی کمال اتنا گہرا اور مُسلّم تھا کہ اصحاب رسول صلے اللہ علیہ وسلّم تک اِن سے استفادہ کرنے آیا کرتے جو ایک تابعی کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔

ابُوظبیان کا بیان ہے میں نے خود متعدد اصحاب رسولؐ کو دیکھا ہے جو حضرت علقمہؒ سے مسائل دریافت کر رہے تھے۔

ملحُوظہ :۔ فقہ حنفی کا اکثر دار و مدار اِنہی کے علم و فکر سے وابستہ ہے۔

عادات واخلاق :۔

عادات و خصائل میں حضرت علقمہؒ، حضرت عبدُاللہ ابن مسعُود رضی اللہ عنہٗ کے مُشابہ تھے۔

محدّث ابراہیم نخعیؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعُودؓ اپنی نشست و برخاست میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے مُشابہ تھے جیساکہ صحابۂ کرامؓ کا بیان بھی ہے۔

جن لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو نہیں دیکھا ہے وہ حضرات، حضرت علقمہ بن قیسؒ کو دیکھ لیں۔

یعنی شکل وصُورت میں بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے بہت مُشابہ تھے۔

زُہد و عبادت:۔

حضرت علقمہ بن قیسؒ کی یہ مشابہت محض ظاہری شکل وصورت میں نہ تھی بلکہ عمل وتقویٰ میں بھی قرآن حکیم کی تلاوت سے اُنھیں غیر معمولی شغف وانہماک تھا۔

عام طور پر ہر چھٹے دن میں ایک ختم قرآن کرنے کا معمول تھا کبھی کبھی ایک رات میں پورا قرآن پڑھ لیا کرتے۔

محدّث ابراہیم نخعیؒ کا بیان ہے کہ حضرت علقمہؒ ایک مرتبہ مکّۃ المکرّمہ گئے عشاء کی نماز کے بعد انھوں نے بیتُ اللہ کا طواف کرنا شروع کیا، یہ سلسلہ صبح تک رہا، اثنائے طواف تلاوتِ قرآن جاری تھی۔ فجر سے پہلے پہلے قرآن حکیم کا ایک ختم بھی پورا ہوا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

قرآن حکیم کے ساتھ عشق ومحبّت کا یہ نتیجہ تھا کہ بات چیت، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے آیاتِ قرآنی زبان پر جاری رہا کرتیں۔

جہاد فی سبیل اللہ:۔

علمی ذوق وشوق کے علاوہ جہاد فی سبیل اللہ کا ولولہ بھی رکھتے تھے اور مسلمانوں کو ترغیب بھی دیا کرتے اور اپنی خود خواہش وتمنّا کا اظہار کرتے۔ سنہ ۳۲ ہجری میں امیر معاویہؓ کے ساتھ شہر قسطنطنیہ کی مہم میں شریک ہوئے اس معرکہ میں بہت سے اصحابِ رسولؐ اور دیگر اہلِ علم حضرات بھی شریک تھے۔

اس معرکہ کی خصوصیت یہ تھی کہ نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلّم نے اپنی حیاتِ طیّبہ میں یکبار ارشاد فرمایا تھا:

"میری اُمّت کے اُن سب افراد کی مغفرت ہوجائے گی جنھوں نے

اسلام میں پہلی مرتبہ سمندری سفر کے ذریعہ معرکہ قسطنطنیہ میں شرکت کی ہو گی۔"

آپ کی یہ پیشن گوئی اُس وقت صادق آئی جبکہ امیر معاویہؓ نے شہر قسطنطنیہ فتح کرنے سمندری راہ سے کوچ کا اعلان کیا، اس اعلان پر سینکڑوں لوگوں نے اس مہم میں حصّہ لیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس مہم میں عورتوں نے بھی حصّہ لیا ہے۔

تواضع وگمنامی :۔

حضرت علقمہؒ کو فطرۃً نام ونمود، عزّت وشہرت سے بیزارگی تھی، شہرت وامتیاز کے ہر موقعہ سے دُور رہا کرتے تھے، اسی شہرت سے بچنے کے لئے تعلیم وتعلّم کی مسند پر بیٹھنے سے انکار کر دیا تھا۔

محدّث عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں نے ملکر حضرت علقمہؒ سے درخواست کی کہ آپ مستقل نہ سہی مسجد میں نماز کے بعد چند لمحات بیٹھ جایئے تاکہ آپ سے استفادہ کیا جا سکے؟

فرمایا، یہ ممکن نہیں، میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ لوگ میری طرف متوجّہ ہوں اور اشارہ کریں کہ یہ علقمہ ہے۔

امراء وارباب سلطنت سے نہ صرف بے نیازی تھی بلکہ ایسے لوگوں سے میل ملاقات اوراُن کے پاس آمدورفت رکھنا اخلاقی بگاڑ کا ذریعہ سمجھتے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے کہا آپ کبھی کبھی اُمراء ودولت مند لوگوں کے پاس جایا کیجئے تاکہ وہ لوگ آپ کی حقیقت سے واقف ہوں اور اُنھیں آپ سے استفادہ کرنے کا موقعہ ملے؟

فرمایا، میں اُن سے جتنی باتیں دُور کرونگا یا جتنی چیزیں کم کرونگا، اس سے

کہیں زیادہ وہ لوگ میری چیزیں گھٹا دیں گے۔

(مطلب یہ تھا کہ انھیں مجھ سے کیا فائدہ ہوگا (البتہ میرا دین متاثر ہوگا اہلِ دُنیا سے میل ملاپ کا عام طور پر یہی انجام ظاہر ہوا ہے۔ اہل علم میں بہت کم ایسے حضرات ہیں جنھوں نے اہلِ دُنیا پر مُثبت اثر چھوڑا ہے)

اللّٰھُمَّ سَدِّدْنَا وَسَدِّدْ خُطَانَا۔

ابووائلؒ کا بیان ہے جب کوفہ و بصرہ دونوں کی ولایت امیر ابن زیاد کے حصّہ میں آئی تو میں نے حضرت علقمہؒ سے کہا لوگ مبارکباد دینے کے لئے ابن زیاد کے پاس جا رہے ہیں آپ بھی چلیں؟

فرمایا، ان اُمراء سے تمکو جو کچھ حاصل ہوگا اس سے کہیں زیادہ بہتر چیز وہ تم سے لے لیں گے۔ (یعنی زُہد و قناعت و استقامت وغیرہ)

وفات :۔

۶۲ھ کوفہ میں وفات پائی۔

مرض الموت میں وصیّت کی تھی کہ میری آخری سانس تک کلمہ طیّبہ کی تلقین جاری رکھی جائے تاکہ میری زبان کا آخری کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ نکلے، دیکھو اس کا خاص خیال رکھنا۔

اس کے بعد فرمایا، میری موت کی خبر عام نہ کرنا ورنہ وہ زمانہ جاہلیت کا اشتہار بن جائیگا جو مکروہ عمل تھا، دفن میں عجلت کرنا، میرے جلوس جنازے میں عورتیں ساتھ نہ ہوں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

اَللّٰھُمَّ اَنْشُرْ عَلَیْہِ مِنْ رَّحْمَتِكَ وَفَضْلِكَ الْعَظِیْمِ۔

امام اسود بن یزیدؒ

تعارف:۔ علم و فضل، زہد و قناعت میں امام اسودؒ شہر کوفہ کے ممتاز علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے انھیں امامؒ، فقیہہؒ، زاہدؒ، عابدؒ، عالمِ کوفہ جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی جلالتِ علمی کا سب اہلِ علم اعتراف کرتے ہیں۔

علمِ حدیث میں درجۂ امامت پر فائز تھے بکثرت اصحابِ رسول کی صحبت پائی ہے اور ان سے احادیث نقل کیں ہیں، ان میں سیّدنا ابوبکر صدّیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سیّدہ عائشہ صدّیقہ، حضرت حذیفہ الیمانؓ، حضرت ابُومحذورہؓ، حضرت ابُوموسیٰ اشعریؓ جیسے اکابر شامل ہیں۔ ان سب حضرات سے انھیں علم حدیث کا وافر حصّہ ملا۔

خاص طور پر سیّدہ عائشہ صدیقہؓ اور سیدنا عمر بن الخطابؓ سے استفادہ کرنیکا زیادہ موقع ملا۔ حضرت اسود بن یزیدؒ کی ذات سے انکا خود اپنا گھرانہ دولت علم وعمل سے مالا مال ہو گیا تھا۔

ان کے افرادِ خاندان میں اِن کے بھانجے محدّث ابراہیم نخعیؒ اور بھائی امام عبدالرحمٰن بن یزیدؒ اور چچازاد بھائی حضرت علقمہ بن قیسؒ آسمان علم کے روشن چراغ ثابت ہوئے ہیں۔ یہ سب حضرات انہی کے فیض یافتہ تھے۔ حنفی فقہ کا مدار بھی انہی حضرات پر رہا ہے۔ یہ سب ائمہ کرام امام ابُوحنیفہؒ کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ امام اسود بن یزیدؒ کے بارے میں محدّث ابن حبّان کا بیان ہے کہ وہ

فقیہ اُمت ہیں۔
حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور دیگر ناقدین حدیث آپ کے تفقہ فی العلم کے معترف ہیں۔

عبادت و ریاضت:۔

امام اسود بن یزیدؒ کے بارے میں خصوصیت سے یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ کا عمل آپ کے علم سے کہیں زیادہ تھا۔ زُہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت میں امتیازی مقام نصیب تھا۔

طبقۂ تابعین میں جن آٹھؒ بزرگوں میں عبادت و ریاضت، زُہد و تقویٰ مشہور تھا ان میں ایک حضرت اسود بن یزیدؒ بھی تھے۔ حافظ ذہبیؒ ان کو اس طبقے میں سرفہرست شمار کرتے ہیں۔

نمازیں:۔

نماز کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ ان کی زندگی کا محبوب ترین مشغلہ تھا رات دن میں سات سو رکعت نفل نماز ادا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں فرض نمازوں کو ہمیشہ اوّل وقت ادا کرنے کے عادی تھے اس کا اسقدر اہتمام تھا کہ کسی بھی ضروری و اہم کام کو مؤخر کر دیتے اور نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے، سفر، حضر، سردی، گرمی، صحت و علالت میں فرق نہ آنے دیا۔ اِن کے دوستوں کا کہنا ہے کہ سفر کی حالت میں خواہ کیسے ہی دُشوار گزار راستے سے گزر رہے ہوں نماز کا وقت آتے ہی سواری سے اُتر جاتے، بعض اوقات ایسے پرُخطر و گھنے جنگلات میں نماز ادا کرنے سواری سے اُتر جاتے جہاں درندوں اور موذی جانوروں کا بھٹ ہوا کرتا تھا، فرماتے تھے کہ میں اپنا کام

کر رہا ہوں، درندے اپنا کام کریں گے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

روزے:۔

روزوں کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا، کثرت سے روزے رکھتے، سخت موسم میں بھی روزہ نہیں چھوٹتا تھا، سُرخ اُونٹ جیسا قوی اور گرمی برداشت کرنے والا جانور بھی گرمی کی شدّت سے بے حال ہو جاتا ایسے دنوں میں وہ برابر روزے رکھا کرتے تھے، بعض اوقات سفر کی شدّت و تکلیف کی وجہ سے رنگ بدل جاتا اور زبان سُوکھ کر کانٹا ہو جاتی تھی۔ اس غیر معمولی عبادت و ریاضت کی وجہ سے اُنکی ایک آنکھ ضائع بھی ہو گئی۔

لوگ کہا کرتے۔ اے شیخ اپنے جسم کو اسقدر مشقت میں نہ ڈالئے۔

اُنہیں جواب دیتے، تکلیف نہیں راحت دینا چاہتا ہوں۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ۔

حج بیتُ اللّٰہ:۔

حج و زیارت بیتُ اللّٰہ کا ذوق بھی غالب تھا ان کے حج اور عمروں کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا شاید ہی کوئی سال ایسا گزرا ہو جس میں حج یا عمرہ نہ کیا ہو گا۔ مجموعی طور پر حج اور عمروں کی تعداد ستّر تا اسّی بیان کی جاتی ہے۔

طواف بیتُ اللّٰہ کا غیر معمولی شغف تھا، قیام مکّۃ المکرّمہ کے زمانے میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر وقت طواف ہی کر رہے ہیں۔

جو لوگ استطاعت کے باوجود حج یا عمرہ نہیں کرتے تھے ان کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کرتے۔ دراصل یہ اُسی ناراضی و بیزارگی کا عنوان ہے جس کا رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم نے اظہار فرمایا ہے۔

"جس شخص کو کسی ضروری حاجت یا ظالم بادشاہ یا شدید مرض نے حج سے نہیں روکا اور اس نے حج نہیں کیا اور اسی حالت پر فوت ہو گیا تو وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔" (رواہ الدارمی)

تلاوتِ قرآن:۔

قرآن حکیم کی تلاوت کا معمول عام ذکر اللہ کیطرح تھا گویا ہر وقت تلاوت کر رہے ہوں۔ رمضان المبارک میں یہ کیفیت دو چند ہو جاتی تھی، مغرب تا عشاء کے درمیان تو استراحت کرتے پھر اس کے بعد ساری رات تلاوت کا سلسلہ رہتا، ہر شب دو رکعت میں ایک ختم قرآن کا معمول رہا کرتا،

تلاوتِ قرآن کا یہ معمول آخری وقت مرض الموت میں بھی جاری رہا، چنانچہ سکرات کی تکلیف میں اپنے بھانجے امام ابراہیم نخعیؒ کا سہارا لیکر قرآن کی تلاوت کی، زندگی کا یہی آخری عمل تھا۔

۷۵ھ میں انتقال کیا اور جوارِ رحمت الٰہی میں اپنا ابدی ٹھکانہ بنا لیا۔

تَغَمَّدَ اللّٰہُ بِغُفْرَانِہٖ وَاَسْکَنَہٗ فَسِیْحَ جِنَانِہٖ۔

مراجع وماخذ

۱:۔ طبقات ابن سعد ج ۶ ۔ ۲:۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ۔
۳:۔ تہذیب التہذیب ج ۷ ۔ ۴:۔ تہذیب الاسماء ج ۱ ۔

سلسلہ سیرت التابعین شمارہ ۵

سیرت

قاضی شریح بن الحارثؒ

المتوفی ۷۸ھ

وَھَلِ الْقَضَاءُ اِلَّا ھٰکَذَا۔

فیصلے تو اس طرح ہوا کرتے ہیں۔

"عمر بن الخطابؓ"

قاضی شریح بن الحارثؒ

تعارف :-

قاضی شریحؒ کا نام شریح بن الحارث ہے تاریخ اسلام میں قاضی شریحؒ کے نام سے مشہور ہیں، یہ یمنی النسل قبیلہ کندہ کے معزز فرد سمجھے جاتے تھے، بعثت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے زمانۂ جاہلیت کا دور بھی پایا ہے (ایسے حضرات کو مخضرمین کہا جاتا ہے جنھوں نے دورِ جاہلیّت اور دورِ اسلام دونوں کو پایا ہے) قاضی شریح ان میں شامل ہیں۔

جزیرۃ العرب میں جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اور اس کی شعائیں ملک یمن پر پڑیں تو قاضی شریح ان اوّلین انسانوں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے اللہ ورسولؐ کی ندا پر لبیک کہی اور اسلام قبول کیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اگر یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات طیّبہ سے کچھ پہلے مدینہ منوّرہ آجاتے تو آپکی صحبت با برکت سے اکابرِ صحابہؓ میں شامل ہوتے، لیکن تقدیرِ الٰہی کا یہی فیصلہ تھا کہ آفتابِ نبوّت کے غروب ہونے کے بعد اسلام کے چشمۂ صافی سے مستفید ہوں، وفاتِ نبویؐ کے بعد مدینہ منوّرہ آئے۔

عہدِ فاروقیؓ کا دور تھا، اکابرِ صحابہؓ موجود تھے سیّدنا عمر بن الخطابؓ کی فاروقی نظر نے پہلی ہی نظر میں شریح بن الحارث کو بھانپ لیا اور عدالت العالیہ کا قاضی مقرر کردیا، مستقبل نے سیّدنا عمر بن الخطابؓ کے اس انتخاب کو خلافتِ فاروقی کے سنہری کارناموں میں شمار کیا ہے۔

قضارت :۔

قاضی شریح نے عدالت کی ذمّہ داریوں کو جس امانت و دیانت، تقویٰ و طہارت، عدل وانصاف سے پورا کیا ہے تاریخِ عدالت میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ طویل عمر پائی اس میں عمر کے ساٹھ[۶۰] سال بغیر وقفہ اسی خدمت میں صرف کی ہیں، خلافت فاروقی کے علاوہ خلافتِ عثمانیؓ، خلافتِ علیؓ اورخلافتِ معاویہؓ کے علاوہ خلفاء بنو اُمّیہ کے دورِ حکومت میں بھی عدالت العالیہ کے منصبِ قضارت پر فائز رہے ہیں۔ عدالتِ اسلامی کا یہ ایسا عظیم منصب تھا جو چند ہی خوش نصیب انسانوں کو ملا ہے۔

بدنام زمانہ امیر حجاج بن یُوسف کے دَور حکومت میں اس منصبِ عالی سے از خود مستعفی ہو گئے۔ اسلامی عدالت کی تاریخ میں ملک وقوم نے جو عدل وانصاف پایا خاص طور پر شریعت اسلامی کا کامل ومکمّل نفاذ تاریخ کی کتابیں ان کے تذکروں سے معمور ہیں۔

چند فیصلے :۔

خود سیّدنا عمر بن الخطابؓ اپنے ایک ذاتی مقدمہ کا تاریخی فیصلہ بڑے فخر وشان سے بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں :۔

میں نے ایک دیہاتی سے گھوڑا خریدا اوراس کی قیمت بھی نقد ادا کر دی جب سوار ہو کر اپنے مقصد کے لئے روانہ ہوا تو کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد گھوڑا آگے چلنے سے معذور ہو گیا اوراس کا وہ عیب ظاہر ہو گیا جو عام طور پر ناقص گھوڑوں میں پایا جاتا ہے، درمیان راہ سے واپس آ کر اس دیہاتی کو طلب کیا اور گھوڑا حوالہ کر کے اپنی رقم طلب کی اُس دیہاتی نے رقم دینے اور گھوڑا

واپس لینے سے انکار کر دیا کہنے لگا امیر المومنین میں نے تو اپنا گھوڑا آپ کو صحیح اور تندرست فروخت کیا تھا فروخت کرنے کے بعد میں کسی عیب یا نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

بات بڑھ گئی آخر ہم دونوں نے کسی تیسرے آدمی کو حکم مقرر کرنے سے اتفاق کر لیا، دیہاتی نے قاضی شریح ؒ کا نام لیا میں نے اس پر اتفاق کیا، پھر ہم دونوں عدالت میں عام انسانوں کی طرح حاضر ہوگئے۔ قاضی شریح ؒ نے دونوں کی بات سنکر کہا امیر المؤمنین! کیا آپ نے اس دیہاتی سے صحیح و تندرست گھوڑا خریدا تھا؟ میں نے کہا جی ہاں!

قاضی شریح ؒ نے کہا تو پھر آپ اپنی خرید شدہ چیز رکھ لیں یا اس دیہاتی کو وہی چیز واپس کر دیں جس حالت پر آپ نے خریدی ہے؟ یعنی صحیح و تندرست حالت میں۔

سیدنا عمر الفاروق ؓ نے قاضی شریح ؒ پر ایک حیرت زدہ نظر ڈالی اور فرمایا:

وَهَلِ الْقَضَاءُ إِلَّا هٰكَذَا، قَوْلٌ، فَصْلٌ وَحُكْمٌ عَدْلٌ۔

"فیصلے تو ایسے ہی ہوا کرتے ہیں، پکی بات، سچا حکم۔"

پھر میں نے گھوڑا واپس لے لیا اور دیہاتی کو عزت سے رخصت کیا۔

اس واقعہ کے بعد سیدنا عمر الفاروق ؓ نے قاضی شریح ؒ کی معاملہ فہمی و دانشمندی پر کوفہ (عراق) کا قاضی مقرر کیا اور خلافت راشدہ سے قضارت کی سند دیکر رخصت کیا۔

قاضی شریح ؒ کا یہ پہلا دن تھا جنھیں بہت جلد اکابر صحابہ ؓ کی صف میں لا کھڑا کیا، صحابہ کرام ؓ کے علاوہ تابعین عظام ان کی جلالت علمی، بلند ہمتی، فہم نادری اعلیٰ کرداری سے متاثر تھے اور ان کو عجائب روزگار میں شمار کرتے تھے۔

دوسرا واقعہ :۔

ایسے ہی ایک اور واقعہ خلافتِ سیّدنا علیؓ میں پیش آیا، سیّدنا علیؓ کی ایک زِرع (جنگی ڈھال) گم ہوگئی جو قیمتی ہونے کے علاوہ انھیں بہت پسند تھی، کچھ دنوں بعد کوفہ کے بازار میں ایک یہودی اس کو فروخت کر رہا تھا، سیّدنا علیؓ نے جب یہ دیکھا تو پہچان گئے اور اس یہودی سے کہا یہ زِرع تو میری ہے فلاں دن فلاں مقام پر میری اُونٹنی سے گر گئی تھی پھر نہیں ملی؟

یہودی نے کہا امیرالمومنین زِرع تو میری ہے اور عرصے سے میرے قبضہ میں ہے۔

سیّدنا علیؓ نے فرمایا، میں نے یہ زِرع نہ کسی کو فروخت کی ہے نہ تحفہ دیا ہے پھر تیرے قبضہ میں کیونکر آئی؟

یہودی مطمئن نہیں ہوا اور اپنی ملکیت ہی کا دعویٰ کرتا رہا آخر اُس نے کہا امیرالمومنین اگر آپ دعویٰ میں سچے ہوں تو عدالت سے رجوع ہوں؟ یہودی کا یہ خیال تھا کہ قاضی شریحؒ غیر مسلموں کی رُو رعایت کر کے میری تائید کر دیں گے، سیّدنا علیؓ راضی ہوگئے۔ دونوں قاضی شریحؒ کی عدالت میں پہونچے۔ قاضی شریحؒ نے کہا امیرالمومنین آپ کا کیا دعویٰ ہے؟

سیّدنا علی نے فرمایا، میری یہ قیمتی زِرع فلاں رات فلاں مقام پر گم ہوگئی تھی کچھ دنوں بعد میں نے دیکھا کہ بازار میں یہ شخص اسکو فروخت کر رہا ہے میں نے اُس سے کہا کہ یہ زِرع تو میری ہے لیکن یہ مسلسل انکار کر رہا ہے جب میں نے اپنی زِرع نہ کسی کو فروخت کی نہ کسی کو تحفہ دیا ہے تو پھر یہ زِرع اس کی ملکیت میں کیونکر آئی؟

قاضی شریحؒ نے یہودی سے بھی دریافت کیا اُس نے یہی کہا کہ عالی جناب

امیرالمومنین کو جھوٹا قرار نہیں دیتا البتہ درع میری ہے اور عرصہ دراز سے میرے قبضہ میں ہے۔

قاضی شریحؒ امیرالمومنین کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا یقیناً آپ سچے ہیں اور یہ درع آپ کی ہے ہم آپ کو متہم نہیں کرتے لیکن امیرالمومنین آپ اپنے دعویٰ پر دو گواہ پیش کریں؟ جو آپ کے دعویٰ کی تصدیق کرتے ہوں؟

سیّدنا علیؓ نے اپنے ایک غلام جس کا نام قنبر تھا اور اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ کا نام پیش کیا یہ دونوں گواہی دیں گے۔

قاضی شریحؒ نے کہا امیرالمومنین قنبر کی شہادت تو قبول کر لی جائے گی لیکن صاحبزادے حسنؓ کی گواہی مقبول نہیں کیونکہ ہمارے قانون عدالت میں بیٹے کی گواہی باپ کے بارے میں قبول نہیں کی جاتی کوئی اور گواہ پیش کیجئے؟

سبحان اللہ! ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں کی جاتی جو جنتی ہے؟ کیا آپ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ (الحدیث)

"حسنؓ اور حسینؓ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں"

قاضی شریحؒ نے کہا کیوں نہیں بیشک میں نے یہ ارشاد سنا ہے، لیکن امیرالمومنین میں بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں جائز نہیں سمجھتا، لہٰذا دوسرا گواہ پیش کیجئے؟

اس موقعہ پر سیّدنا علیؓ اپنے مقابل یہودی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے یہودی میری یہ درع لے لے، میرے ہاں دوسرا اور کوئی گواہ نہیں ہے۔

یہودی نے قاضی شریحؒ کا یہ اسلامی کردار اور امیرالمومنین کا یہ عظیم ایثار دیکھ کر جھک گیا اور باآواز بلند کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ جس دین کا یہ تقاضہ ہے وہ دین حق اور سچا ہے۔

پھر یہودی نے کلمہ شہادت پڑھا۔
اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

اور عدالت کے کمرے میں اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا۔

اس کے بعد قاضی شریحؒ سے کہنے لگا عالی قدر! یہ دِرع حقیقتاً امیرالمومنین ہی کی ہے جب یہ جنگ صفین کا معرکہ سر کرنے جارہے تھے اس لشکر میں میں بھی تھا، درمیان راہ امیرالمومنین کی یہ دِرع گر پڑی رات اندھیری تھی میں نے اٹھالی، میری نیت خود خراب تھی اب امیرالمومنین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

سیدنا علیؓ نے جب یہ دیکھا کہ حق واضح ہوگیا ہے تو یہودی سے فرمایا تو بھی سچا تیری بات بھی سچی، میں نے یہ دِرع تجھکو معاف کردی ہے اور مزید یہ گھوڑا بھی تحفۃً پیش ہے۔

انصاف اور ایثار کے اس عظیم واقعہ کو کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ فرقہ خوارج کے خلاف جس کی سرکوبی کے لئے امیرالمومنین سیدنا علیؓ یوم النہروان میں مصروف قتال تھے یہی نومسلم نوجوان (یہودی) امیرالمومنین سیدنا علیؓ کے ساتھ معرکہ میں پیش پیش تھا اور پھر قتال میں شہید ہوگیا۔
فَرَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

قاضی شریحؒ کی حق پرستی:۔

اس سے بھی کہیں عجیب وہ واقعہ ہے جو خود قاضی شریحؒ کے عدل وانصاف کا امتحان بنا۔

ایک دن قاضی شریحؒ کے بیٹے نے کہا ابا جان میرا ایک قوم کیساتھ قدیم جھگڑا ہے وہ اپنے حقوق کا دعویٰ کرتے ہیں اور میں اپنے حقوق کا مدّعی ہوں

فیصلہ ہو نہیں پاتا، آپ سے خانگی مشورہ کرنا چاہتا ہوں پہلے آپ اس کی تفصیل سُن لیں اگر میرا مطالبہ سچا ہے تو میں اس جھگڑے کو آپکی عدالت میں پیش کردوں تاکہ سرکاری فیصلہ ہوجائے اور اگر اُن لوگوں کا مطالبہ سچّا ہو تو میں اُن سے "کچھ دو کچھ لو" کے تحت مصالحت کرلوں۔

صاحبزادے نے جھگڑے کی تفصیل سُنائی، قاضی شریحؒ نے نہایت تحمّل سے پورا واقعہ سُنا اور بیٹے کو مشورہ دیا کہ عدالت میں مقدمہ پیش کردو، صاحبزادہ خوشی خوشی اپنے فریق کے پاس گئے اور اپنا حق طلب کیا لیکن اُن لوگوں نے پہلے کی طرح انکار کیا، اس پر صاحبزادے نے عدالت میں رجوع ہونیکی دھمکی دی فریق مخالف نے اتفاق کرلیا۔

دوسرے دن قاضی شریحؒ کی عدالت میں دونوں کا مقدمہ پیش ہوا۔ قاضی شریحؒ نے دونوں کی تفصیل سُنکر بیٹے کے خلاف فیصلہ دیا، صاحبزادے عدالت کے کمرے ہی میں رو پڑے۔

گھر آکر کہا ابّا جان! آپ نے آج مجھکو بُری طرح رُسوا کردیا قوم میں سر اُٹھانے کے قابل نہ رہا آپ سے مشورہ تو اس لئے کیا تھا کہ عدالت سے رجوع ہوں یا ویسے ہی مصالحت کرلوں؟ آپ نے خود عدالت میں رجوع ہونے کا مشورہ دیا اور پھر میرے خلاف فیصلہ دیا۔ اچھا ہوتا آپ مجھے مشورہ ہی نہ دیتے؟

قاضی شریحؒ نے کہا بیٹا! یہ تو حقیقت ہے کہ تم میرے ہاں ان جیسے دُنیا بھر کے لوگوں سے زیادہ عزیز ہو لیکن اللہ عزّوجلّ تم سے بھی زیادہ عزیز تر ہیں، سُنو جب تم نے اپنے گھر میں جھگڑے کی تفصیل سُنائی اُسی وقت مجھکو احساس ہوگیا تھا کہ تمہارا فریق حق پر ہے اور تم اُن سے ناجائز حق طلب کررہے ہو جو تمہارے لئے حلال نہیں اس لئے میں نے عدالت سے رجوع ہونے کا مشورہ دیا تاکہ اہلِ حق کو اُن کا پورا حق مل جائے اور تم مالِ حرام سے محفوظ ہوجاؤ۔ اُن سے

مصالحت میں جو بھی مال تم کو ملتا وہ بہرحال ناجائز ہی ہوتا۔ اب بتاؤ کیا میں نے تم پر ظلم کیا یا رحم کیا ہے؟

صاحبزادہ شرمندہ ہو گئے اور باپ کا ایک اور احسان تسلیم کیا۔

ایک اور واقعہ:۔

انہی صاحبزادہ کا ایک اور واقعہ ہے کہ کسی موقعہ میں صاحبزادہ نے ایک مُجرم کی کفالت قبول کر لی تھی باپ قاضی شریح ؒ نے منظوری دے دی اور مجرم کو آزاد کر دیا گیا، کچھ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ آزاد کردہ مُجرم فرار ہو گیا۔ قاضی شریح ؒ نے صاحبزادے کی گرفتاری کا حکم دیا اور مجرم کے ملنے تک جیل میں نظر بند کر دیا ہر روز صبح و شام اپنے گھر سے صاحبزادے کے لئے کھانا لیجاتے اور کھلا کر واپس ہو جاتے چند دن اسی حالت میں گزر گئے آخر مجرم مل گیا تو صاحبزادے کی جیل سے رہائی نصیب ہوئی۔

قاضی شریح ؒ کسی بھی مقدمہ کے گواہوں کو گواہی دینے سے پہلے یہ انتباہ ضرور دیا کرتے۔

ایک زرّین انتباہ:۔

سُنو! اللہ تمہیں ہدایت دے فیصلہ دراصل تم لوگ کرتے ہو میں تمکو نارِ جہنم سے بچانا چاہتا ہوں حالانکہ تمکو خود کچھ زیادہ بچنا چاہیئے۔

گواہی دینے سے پہلے تمکو یہ گنجائش ہے کہ اپنی گواہی سے دست بردار ہو جاؤ۔ لیکن تم گواہی دینا ضروری سمجھتے ہو تو جس شخص کے بارے میں گواہی دے رہے ہو اُس شخص سے کہتا ہوں کہ وہ اچھی

طرح سمجھ لے کہ میں نے گواہوں کی شہادت پر فیصلہ دیا ہے، حق وناحق کو وہ خود بہتر سمجھتا ہے۔

اور اس کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ میرا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کرتا۔

قاضی شریح رحمہ اللہ کے عدالتی عادات واطوار میں یہ بات عام تھی کہ وہ اکثر کہا کرتے،

کل (آخرت میں) ظالم دیکھ لیگا کہ کس نے خسارہ پایا؟
ظالم اللہ کی پکڑ کا منتظر ہے۔
مظلوم عدل وانصاف کا منتظر ہے۔

خیر خواہانہ نصائح وہدایات:۔

میں حلفاً کہتا ہوں کہ جس شخص نے اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنا حق چھوڑ دیا وہ کبھی مایوس نہیں ہوا۔

قاضی شریح رحمہ اللہ اللہ اور اس کے رسُول اور اس کی کتاب کی اشاعت وترویج کے علاوہ عامۃ المسلمین کی خیرخواہی اور رہنمائی کی بھی فکر کیا کرتے تھے، وعظ ونصیحت، دعوت وتبلیغ، درس وتدریس کی خدمات بھی جاری تھیں۔ ایک شخص نے اپنے دوست سے کسی کی سخت شکایت کی قاضی شریح رحمہ اللہ کو اس کی اطلاع ملی، شکایت کرنے والے کے پاس گئے اور تنہائی میں اُس سے کہا، برادر زادے! اللہ کے سوا کسی سے شکایت کرنا اچھا نہیں، کیونکہ جس سے تم شکایت کر رہے ہو وہ یا تو اُس شخص کا دوست ہوگا یا اس کا دشمن؟ اگر وہ دشمن ہے تو تمکو مزید طعنہ دے گا اور اگر وہ اس کا دوست ہے تو اپنے دوست کی شکایت پر اس کو رنج ہوگا اور تم رنج دینے کے سبب بنوگے، ہر دو صورت میں تمکو شکایت کرنے سے کچھ نہ ملا۔

پھر قاضی شریحؒ نے اپنی ایک آنکھ کی طرف اشارہ کر کے کہا اس کو دیکھو اللہ کی قسم اس آنکھ کی بینائی گزشتہ پندرہ سال سے معدوم ہے لیکن میں نے اس کی شکایت آج تک کسی سے بھی نہیں کی۔

یہ بات میں نے پہلی مرتبہ صرف تم سے کہی ہے۔ کیا تم نے سیدنا یعقوب علیہ السلام کا یہ قول قرآن حکیم میں نہیں پڑھا جو انھوں نے اپنے صاحبزادے سیدنا یوسف علیہ السلام کی گمشدگی پر کہا تھا۔

إِنَّمَآ أَشْكُوا۟ بَثِّى وَحُزْنِىٓ إِلَى ٱللَّهِ۔ (سورۃ یوسف آیت ۸۶)

"میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔"

لہٰذا تم اپنی شکایت کو اللہ کی جناب میں پیش کیا کرو وہی مشکل کشا و فریاد رس ہے۔

اسی طرح قاضی شریحؒ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ سوال کر رہا ہے، فرمایا عزیز من جس نے کسی انسان سے سوال کیا اس نے اپنے آپ کو غلامی کے لئے پیش کر دیا اگر اس نے حاجت پوری کر دی تو تمکو اپنا غلام بنا لیا اور اگر انکار کر دیا تو تم ذلیل ہو گئے۔

پس جب سوال کرو تو اللہ سے مانگو اور جب مدد چاہو تو اللہ سے لو، اور یہ اچھی طرح جان لو کہ کوئی قوت نہ کوئی طاقت اور نہ کوئی مدد سوائے اللہ کے کسی کے پاس نہیں، اللہ سے مانگ کر کوئی ذلیل نہیں ہوا۔

ایک مرتبہ شہر کوفہ میں طاعون پھیلا، قاضی شریحؒ کے ایک دوست مارے خوف کے پڑوس کے شہر نجف منتقل ہو گئے، قاضی شریحؒ نے انھیں خط لکھا۔

معلوم ہوا کہ آپ شہر نجف منتقل ہو گئے ہیں جس مقام (کوفہ) کو آپ نے چھوڑا ہے وہ نہ آپ کو موت کے قریب کر رہا تھا نہ ہی آپ کی عمر گھٹا رہا تھا، اور جس شہر (نجف) میں آپ نے پناہ لی ہے وہ بھی تو اسی ذات عالی کے قبضے میں ہے

جس کو نہ کوئی طاقت بے بس کر سکتی ہے نہ فرار بچا سکتی ہے میں اور آپ ایک ہی خدا کے احاطے میں ہیں اور شہر نجف قدرت والے رب سے دُور نہیں،

والسّلام علیکم"

دوست کو اپنی خطا کا احساس ہوا اور وہ ایمان و یقین کے ساتھ اپنے شہر کوفہ واپس آگئے۔

ملحوظہ:۔

طاعون یا کسی وبائی حادثہ میں نقل مکانی ایک عام اور قدیم طریقہ رہا ہے اکثر لوگ طاعون زدہ علاقے سے دُور ہو جاتے ہیں اور اپنے اس عمل کو احتیاط اور حفاظت کا مؤثر ذریعہ سمجھتے ہیں۔ لوگوں کا یہ تاثر اگر دُنیاوی عام اسباب کی طرح ہوتا کہ ضرر و نقصان سے بچنے کیلئے تدابیر اختیار کی جانی چاہیئے تو چنداں مضائقہ نہ تھا لیکن طاعون یا ان جیسے دوسرے وَبائی اَمراض میں تدابیر اختیار کرنے کا یہ جذبہ نہیں ہوتا بلکہ ان امراض کو متعدّی اور موثر سمجھا جاتا ہے اور اس سے بچنے کے لئے غیر متاثر مقامات پر چلے جاتے ہیں، یہاں مسئلہ کی نوعیت اور ہو جاتی ہے جو عام اسباب اختیار کرنے سے مختلف ہے۔

کیونکہ اس کمزور اور مریض ذہن و فکر سے اسلامی عقیدہ پر ضرب پڑتی ہے جبکہ اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ کائنات کی کسی بھی چیز میں نہ ذاتی نفع ہے نہ نقصان، خیر اور شر صرف اور صرف اللہ سُبحانہٗ کے دست قدرت میں ہیں۔

مرض ہو یا دوا، موت ہو یا حیات، نعمت ہو یا زحمت اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ جب چاہتے ہیں تو چیزوں میں نفع و نقصان پیدا کر دیتے ہیں۔ مرض طاعون یا اور کوئی وَبائی مرض اپنی ذات میں نہ شر ہے نہ اس میں از خود منتشر ہونے کی طاقت ہے لہٰذا طاعون زدہ مقام سے اس نظریہ کے تحت فرار ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ عقیدہ کا تحفظ، جان و مال، کائنات کی ہر چیز سے اہم اور قیمتی ہے اس لئے

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو طاعون زدہ علاقے سے فرار ہونے کی اجازت نہیں دی، البتہ احتیاط اور بیداری اور چیز ہے جو ہر معاملہ میں اختیار کی جانی چاہیئے۔

فیصلوں کی مقبولیت اور برتری:۔

رشوت سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا، زمانۂ قدیم میں یہ حرام نفع اسی نام سے لیا جاتا تھا اور آج کے مہذب و متمدن دور میں ہدیہ، تحفہ، خدمت، عقیدت کے خوشنما الفاظ میں کھایا جاتا ہے۔

قاضی شریحؒ ہدایا و تحائف کو بھی رشوت سمجھا کرتے تھے جبکہ وہ برسرِ خدمت ہوں۔ ساٹھ[۶۰] سالہ دورِ قضارت میں کبھی بھی تحفہ قبول نہ کیا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔

قاضی شریح بھوک یا کسی طبعی غضب و غصّہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرتے عدالت سے اُٹھ جاتے تھے۔

عام طور پر عدالت کے احکام ہر ایک کو خوش یا مطمئن نہیں کر پاتے۔ کسی نہ کسی فرد یا جماعت کو شکایت ضرور ہوا کرتی ہے لیکن قاضی شریحؒ کے فیصلوں سے فریق مخالف بھی مطمئن ہو جایا کرتا تھا۔

ان کے فیصلے اس قدر پُراز معلومات اور فاضلانہ ہوتے کہ ان کی عدالت علم فقہ کی درس گاہ بن گئی تھی۔ بڑے بڑے علماء فقہی واقفیت حاصل کرنے کے لئے ان کے فیصلے سننے آیا کرتے۔

امام مکحولؒ جو ملک شام کے فقیہہ اور امام تسلیم کئے جاتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں چھ[۶] ماہ تک قاضی شریحؒ کی عدالت میں معلومات حاصل کرنے جاتا رہا میں اُن سے کچھ پوچھتا نہ تھا، ان کے فیصلے میری معلومات کیلئے کافی ہوا کرتے تھے۔

قاضی شریحؒ چونکہ نہایت ذہین و قیافہ شناس تھے اہلِ مقدمہ کی ظاہری

حالت سے متاثر نہ ہوا کرتے۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے ایک مرد پر اپنا مقدمہ دائر کیا اور عدالت میں زاروقطار رو پڑی اسوقت عدالت میں مشہور امام شعبیؒ بھی موجود تھے۔ انھوں نے قاضی شریحؒ سے کہا عورت نہایت مظلوم معلوم ہوتی ہے۔ قاضی شریحؒ نے کہا رونا مظلومیّت کا ثبوت نہیں ہے۔ برادرانِ یوسفؑ بھی اپنے باپ سیّدنا یعقوب علیہ السّلام کے پاس روتے ہوئے ہی آئے تھے اور قسم کھاکر کہا یُوسفؑ کو بھیڑیئے نے کھالیا ہے یہ سُنکر امام شعبیؒ خاموش ہو گئے۔

عبادت:۔

کہا جاتا ہے کہ مشغول آدمی کو عبادات کی فرصت نہیں ملتی خاص طور پر شب بیداری تو ممکن نہیں لیکن یہ قول قاضی شریحؒ پر صادق نہیں آتا وہ دن رات کی مشغولیت کے باوجود رات کا قیام ترک نہیں کرتے۔ بڑے دیندار عبادت گذار تھے ان کے ایک غلام ابُوطلحہ کا بیان ہے کہ قاضی شریحؒ جب فجر کی نماز پڑھکر گھر آتے تو اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیتے قریب قریب نصفُ النہار تک ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے۔

اتنے منکسر المزاج تھے کہ سلام میں ہمیشہ خود سبقت کرتے۔ عیسٰی بن حارثؒ کا بیان ہے کہ میں سلام میں ہمیشہ سبقت کرنے کا ارادہ کرتا مگر کبھی کامیاب نہ ہوا وہ ہمیشہ پہل کرتے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔

وفات:۔

آخر عمر میں عدالت کے کاموں سے مستعفی ہو گئے۔ بڑھاپا نے کمزور کر دیا تھا پھر عمر بھی ایک سَودس ۱۱۰ سال سے متجاوز ہو گئی۔ زیست کی اُمّید باقی نہ تھی۔ نصائح

وہدایات بکثرت کیا کرتے تھے خود اپنے لئے بھی وصیّت کرتے، دیکھو میری موت کی تمام تشہیر نہ کرنا یہ زمانہ جاہلیت کا رواج ہے جس کو اسلام نے پسند نہیں کیا، میری قبر بغلی کھودی جائے۔ نماز جنازہ میں بھی ہجوم کا انتظار نہ کیا جائے، جنازے کے ساتھ عورتیں نہ ہوں۔ میری قبر پر چادر نہ ڈالی جائے۔ ۷۶ھ کے اواخر میں دُنیا سے رُخصت ہوئے اسوقت عمر شریف ایک سو دس (۱۱۰) سال تھی۔

قاضی شریحؒ اطلس تھے یعنی پیدائشی طور پر ڈاڑھی مونچھ نہ تھی، عمر عزیز کے پورے ساٹھ (۶۰) سال قضاءت وعدالت میں صرف کئے نہ کسی پر ظلم کیا نہ حق سے اعراض کیا اپنے فیصلوں میں نہ امیر کی رعایت کی نہ فقیر سے صرفِ نظر کی۔

فَجَزَاهُ اللهُ عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔

مراجع ومآخذ

۱:۔ الطَّبقاتُ الکُبریٰ ج ۶۔۸ — ابن سعدؒ۔

۲:۔ صِفَۃُ الصَّفوۃ ج ۳ — ابن الجوزیؒ۔

۳:۔ تاریخ الطبری ج ۴۔۵۔۶ — ابن جریر الطبریؒ۔

۴:۔ حِلیۃُ الاولیاء ج ۴۔ — مؤرخ اصفہانیؒ

۵:۔ تاریخ خلیفہ بن خیّاط ج ۱ — خلیفہ بن خیّاطؒ

وزارۃ المعارف المملکۃ العربیۃ السعودیہ
(مطبوعہ ۱۴۱۵ھ م ۱۹۹۴ء)

لمحاتِ فکر

مَا اَحْسَنَ الْاِسْلَامَ یَزِیْنُہُ الْاِیْمَانُ
وہ اسلام کتنا اچھا ہے جس کو ایمان نے زینت دی

وَمَا اَحْسَنَ الْاِیْمَانَ یَزِیْنُہُ التُّقیٰ
اور وہ ایمان کتنا اچھا ہے جس کو تقویٰ نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ التُّقیٰ یَزِیْنُہُ الْعِلْمُ
اور وہ تقویٰ کتنا اچھا ہے جس کو علم نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ الْعِلْمَ یَزِیْنُہُ الْعَمَلُ
اور وہ علم کتنا اچھا ہے جس کو عمل نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ الْعَمَلَ یَزِیْنُہُ الرِّفْقُ
اور وہ عمل کتنا اچھا ہے جسکو تواضع نے زینت دی

(محدث رجاء بن حیوہ رحمۃ اللہ علیہ، ۱۱۲ھ)

سلسلہ سیرت التابعین شمارہ ۶

سیرت

حضرت عروۃ بن الزبیرؒ

المتوفی ۹۱ھ

اَمَّا اَنَا فَاَتَمَنّٰی اَنْ اَکُوْنَ عَالِمًا عَامِلًا۔

میری تو تمنّا ہے کہ میں باعمل عالم ہو جاؤں۔

"عروۃ بن الزبیرؒ"

تعارف :-

خلافتِ فاروقی کے آخری سال ۲۳ھ میں حضرت عروۃ بن الزبیرؒ کی ولادت ہوئی اس وقت اِنکا خاندان عرب میں اعلیٰ واشرف سمجھا جاتا تھا۔ ان کے دو بھائی زیارتِ رسولؐ سے مشرّف ہیں۔ (حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت مصعب بن زبیرؓ)

والد کا اسم گرامی زُبیر بن العوامؓ ہیں جو نقیب رسول اللہؐ کے لقب سے ممتاز تھے اور جنھوں نے سب سے پہلے اسلام کی سربلندی کے لئے تلوار اُٹھائی ہے، اور اُن دسؔ صحابیوں میں شامل ہیں جنھیں دنیا ہی میں جنّت کی بشارت دی گئی ہے۔

والدہ محترمہ کا اسم گرامی سیّدہ اسماء بنت ابی بکرؓ، (سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی) جنکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے "ذات النّطاقینؐ" کا لقب عنایت فرمایا ہے۔

نانا صاحب سیّدنا ابوبکر صدّیقؓ خلیفۃُ الرّسُول اللہ، رفیق غار، نبیوں کے بعد

ے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی ہجرت مدینہ کے وقت جو کھانے پینے کا توشہ تیار کیا گیا تھا اسکو باندھنے کے لئے کوئی رسی یا ڈوری نہ تھی اور وقت بہت تنگ تھا سیدہ اسماءؓ نے فوری اپنی اوڑھنی کے دو حصے کر کے کھانے پینے کے برتن کو باندھ دیا تھا ان کے اس عمل سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اُنھیں "ذات النّطاقین" "دو حصے کرنے والی" کا لقب عنایت فرمایا جو بعد میں اسی لقب سے ممتاز رہیں۔

اَللّٰھُمَّ ارْفَعْ دَرَجَتَھَا۔

اُمّت کے افضل ترین انسان۔
دادی صاحبہ کا اسم گرامی سیّدہ صَفیّہ بنت عبد المطلب، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صاحبہ۔
خالہ محترمہ کا اسم گرامی اُمّ المومنین حضرت سیّدہ عائشہ صدّیقہؓ زوجۃُ النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔
بہت ہی کم انسانوں کو ایسی خاندانی شرافت و عزت نصیب رہی ہے۔ حضرت عروۃ ابن الزبیرؓ اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

مستقبل کا انتخاب:۔

اپنی زمانۂ کم عمری میں ایک دفعہ اپنے دونوں بڑے بھائیوں حضرت عبدُ اللہ بن الزبیرؓ اور حضرت مُصعب بن الزبیرؓ کے علاوہ عبد الملک بن مروان (اُموی شاہزادہ) جو عمروں میں یکساں حال سے تھے خانہ کعبہ میں رکن یمانی کے قریب بیٹھے اللہ کا ذکر کر رہے تھے کہ اچانک ان میں ایک صاحب نے کہا آؤ آج ہم اپنی اپنی دلی تمنّاؤں کا اظہار اپنے رب کے حضور پیش کریں اور سب اس پر آمین کہیں۔
اس رائے پر ہر ایک اپنی اپنی تمنّاؤں میں غور کرنے لگا اور سب غور و خوض میں ڈوب گئے سب سے پہلے حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ نے سر اُٹھایا اور کہا میری تمنّا یہ ہے کہ میں کسی دن حجاز کا امیر ہو جاؤں اور خلافت کا تاج میرے سر پر رکھا جائے سب نے آمین کہی۔
اس کے بعد حضرت مصعبؓ بن الزبیرؓ نے کہا اور میری تمنّا ہے کہ میں کوفہ بصرہ (عراق) کا حاکم بنایا جاؤں اور اس بارے میں خاندان کا کوئی بھی شخص اختلاف نہ کرے، سب نے آمین کہی۔
پھر عبد الملک بن مروان نے کہا جب تم دونوں کی یہ دُعا ہے تو میری یہ تمنّا

ہے کہ میں روئے زمین کا بادشاہ ہو جاؤں اور امیر معاویہ بن ابی سفیان کے بعد خلافت مجھکو مل جائے۔ سب نے آمین کہی۔

ان تینوں کے اظہار تمنا کے بعد حضرت عروۃ بن الزبیرؒ خاموش بیٹھے رہے اور کچھ نہ کہا۔ ساتھیوں نے کہا اے عروہؒ تم بھی اپنی تمنا ظاہر کرو خاموش کیوں ہو؟

عروۃ بن الزبیرؒ نے کہا اللہ تمہاری تمناؤں کو قبول کرے اور اس میں برکت دے۔ میری تو یہ تمنا ہے کہ میں باعمل عالم ہو جاؤں اور لوگ مجھ سے کتاب اللہ، سُنّت رسول اللہؐ اور احکام دین کا علم حاصل کریں اور آخرت میں اللہ کی رضا و خوشنودی کے ساتھ جنّت کا انعام پاؤں۔ اس پر سب نے آمین کہی۔ چاروں کی تمناؤں پر آمین ختم ہوئی اور سلام مصافحہ کر کے سب رخصت ہو گئے۔

قبولیت دُعا:۔

دن رات گزرتے رہے ہر ایک اپنے اپنے کام میں مشغول رہا۔

کچھ عرصہ بعد امیر یزید بن معاویہؓ کی وفات ہو گئی جس کو ان کے باپ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں اپنا خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔ رجب ۶۰ھ میں یزید حکمراں بنا ۶۴ھ میں وفات پا گیا۔

یزید کی وفات کے بعد مسلمانوں نے حجاز و عراق میں حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا، اس طرح حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کی حرم شریف والی تمنّا پوری ہو گئی۔ لیکن حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کی یہ تمنّا کچھ زیادہ عرصہ باقی نہ رہی حرم شریف کے اسی مقام کے قریب جہاں دُعائیں کی گئیں تھیں حجاج بن یوسف کی فوجوں نے ۷۳ھ میں اُنھیں شہید کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کی شہادت کے بعد اہل عراق نے ان کے بھائی

مصعب بن الزبیرؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم کرلیا، اس طرح ان کی تمنّا بھی پوری ہوگئی، لیکن بہت جلد ان کی بھی شہادت پیش آئی، اس طرح دونوں بھائیوں کا معاملہ ختم ہوا۔

تیسرے نوجوان عبدالملک بن مروان نے جنھوں نے سارے جہاں پر حکومت کی تمنّا کی تھی وہ اپنے عظیم باپ مروان بن الحکم کی وفات ۶۵ھ کے بعد خلافت کے لئے نامزد ہوگئے جن کی حکومت سندھ سے اسپین تک قائم تھی، اس طرح انکا دنیا کے عظیم بادشاہوں میں شمار ہوگیا۔

حضرت عُروہ بن الزبیرؒ کا انجام :۔

بیتُ اللہ کے ان چار احباب میں تین نوجوانوں کا انجام تو یوں پورا ہوا، رہے حضرت عروہ بن الزبیرؒ جنھوں نے دین کی خدمت قرآن وحدیث کی دعوت وتبلیغ کی تمنّا ظاہر کی تھی طلب علم میں مشغول ہوگئے۔ اصحابِ رسولؐ میں جو حضرات باقی رہ گئے تھے ان کی خدمت میں رہنے لگے، ان کے مکانات پر حاضری دیتے، انکی مجالس میں شریک رہتے۔ ان حضرات میں حضرت علی بن ابی طالبؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، زید بن ثابتؓ، ابوایّوب انصاریؓ، اُسامہ بن زیدؓ، سعید بن زیدؓ، ابوُہریرہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، نعمان بن بشیرؓ شامل ہیں۔ خاص طور پر اپنی محترم خالہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ سے احادیث رسولؐ کا بڑا حصّہ پایا، حتیٰ کہ ان کو مدینہ طیبہ کے فقہاءِ سبعہ[1] میں شمار کیا جانے لگا۔

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک ۹۸ھ کی وفات کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

---

[1] اسوقت دنیاءِ اسلام میں مدینہ طیبہ کے سات علماء کو "فقہاءِ سبعہ" کہا جاتا تھا جن کا فتویٰ اسلامی دُنیا میں نافذ تھا اُن کے حسب ذیل نام ہیں۔

(۱) عُبیداللہ بن عبداللہ۔ (۲) عُروۃ بن الزبیرؒ۔ (۳) قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ۔ (۴) سعید بن المسیّبؒ۔ (۵) ابُوبکر بن عبدالرحمٰن المخزومیؒ۔ (۶) سلیمان بن یسارؒ۔ (۷) خارجہ بن زیدؒ۔ رحمۃُ اللہ علیہم و برکاتہ۔

المتوفی ۱۰۱ھ مدینہ منورہ پر حاکم مقرر ہوئے۔ اس انتخاب پر مسلمانوں میں جو خوشی ومسرّت ہوئی وہ چند ہی خلفاء کو نصیب رہی ہے۔

خلافت پر سرفراز ہونے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فقہاء مدینہ سے ملاقات کی جن میں سرفہرست حضرت عروہ بن الزبیرؒ تھے۔ ان حضرات کے سامنے خلیفہ نے اس طرح خطاب کیا۔

"آپ حضرات کو یہ زحمت دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ امورِ خلافت میں آپ بھی حصّہ لیں یہ گراں ذمّہ داری تنہا مجھ سے ادا نہ ہوگی، اگر آپ میرے مددگار ثابت ہوں تو بتوفیقِ الٰہی میں اس خدمت سے عہدہ برآ ہوں گا۔

میں نہیں چاہتا کہ صرف اپنی رائے سے کوئی فیصلہ کروں یا کسی کی رُو رعایت کروں، اگر آپ دیکھیں کہ کسی پر ظلم ہو رہا ہو یا میرا کوئی عامل (حاکم) ظلم کر رہا ہوں تو میں آپ حضرات کو اللہ کا واسطہ دے کر یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اسکی اطلاع دی جائے۔"

حضرت عروہ بن الزبیرؒ نے سب کی طرف سے خلیفہ کا شکریہ ادا کیا اور دُعا دی پھر آخری زندگی تک اُمور سلطنت میں خلیفہ کو نیک اور مفید مشورے دیتے رہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں خلافتِ فارُوقیؓ کا عدل وانصاف پھر لوٹ آیا، اور لوگوں نے خلافتِ راشدہ کو دوبارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

سیرت وعادات:۔

حضرت عروہ بن الزبیرؒ کی ذاتی سیرت نہایت پاکیزہ وباعمل تھی، کثرت سے روزے رکھا کرتے، رات کا اکثر حصّہ عبادت میں گزارتے، ہمہ وقت زبان پر

ذکر اللہ جاری رہتا، قرآن حکیم کی تلاوت کا یہ معمول تھا کہ دن میں ہر روز ¼ حصّہ قرآن کا دیکھکر تلاوت کرتے پھر اُسی حصّے کو رات کو نمازوں میں تلاوت کرتے۔ کہا جاتا ہے کہ اِن کا یہ عمل آغاز جوانی سے وفات تک سوائے ایک دن کبھی ناغہ نہ ہوا اور وہ ایک سخت حادثہ کا دن تھا جسکی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

مزاج میں بے پناہ سخاوت و خیر خواہی تھی علم کے ساتھ مال کی خیرات بھی بکثرت کیا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں ان کا ایک طویل و عریض باغ تھا جس میں ہمہ قسم کے پھل دار درخت تھے، پھلوں کے آغاز کے زمانے میں اس کا بڑا اہتمام و حفاظت کرتے، جب باغ کے پھل پک جاتے تو اس کے چاروں دروازے عام لوگوں کے لئے کھولدیا کرتے، شہر اور اطراف شہر کے غریب لوگ بے تکلف پھل توڑ توڑ کر اپنے گھر لے جاتے۔ ہر سال یہ معمول جاری رہا کرتا۔ اس طرح غریبوں کو بھی وہ سب مِل جاتا جو امیر لوگ استعمال کرتے ہیں۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک المتوفی ۹۶ھ حضرت عروہ بن الزبیرؒ کی بڑی عزت کرتا تھا ادب و احترام کا یہ حال تھا کہ اپنی خانگی زندگی کے بارے میں بھی مشورے لیا کرتا۔

ایک دفعہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کی خواہش پر دارالخلافہ دمشق (شام) پہنچے ہمراہ صاحبزادہ تھا، خلیفہ نے باپ بیٹے دونوں کا شاندار استقبال کیا اور شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا، تشریف آوری پر بے حد خوشی و مسرّت کا اظہار کیا اور شکریہ ادا کیا۔

حضرت عروہ بن الزبیرؒ کی تشریف آوری پر ملک شام کے عوام اور علماء نے بھی خیر مقدم کیا اور زیارت کا ایک طویل سلسلہ چل پڑا ہر روز قرآن و حدیث کے درس ہوا کرتے، سینکڑوں علماء استفادہ کرتے۔ حضرت عروۃ بن الزبیرؒ کو اصحاب رسولؐ سے خاص طور پر اپنی خالہ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضؓ سے جو روایات

ملیں تھیں انکو حاصل کرنے کے لئے علماء کا ہجوم رہا کرتا تھا۔

آزمائش :۔

انہی ایام میں ایک حادثہ پیش آیا، حضرت عروہ بن الزبیرؓ کے صاحبزادے ایک دن شاہی گھوڑوں کا معائنہ کر رہے تھے کہ ایک شریر گھوڑے نے انھیں لات ماردی، ضرب ایسی شدید تھی کہ صاحبزادے نے وہیں دم توڑ دیا۔ حضرت عُروۃ بن الزبیرؓ کے لئے یہ حادثہ قیامت سے کم نہ تھا لیکن تقدیر کے فیصلے بہرحال نافذ ہو کر رہتے ہیں. حضرت عُروہؓ نے صبر کا یہ امتحان بھی دے دیا۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک بھی نہایت غمزدہ تھا کہ عزیز مہمان کے ساتھ ایسا معاملہ ہوگیا، بات اسی پر ختم نہ ہوئی اس حادثے کو گزرے چند یوم ہی ہوئے تھے کہ دوسرے امتحان کا سامان پیدا ہوگیا۔ حضرت عروہ بن الزبیرؓ کے ایک پیر میں اچانک ایک مہلک مرض (آکلہ) ناسور پیدا ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مرض نے تشویش ناک صورت پیدا کردی۔

صورت حال سے خلیفہ ولید بن عبدالملک بے چین ہوگیا. عزیز مہمان کی یہ تکلیف دیکھی نہ جاسکی، ملک کے ہر جانب سے نامور حکیموں کو طلب کیا اور علاج میں خصوصی توجہ صرف کی۔ بالآخر حکیموں نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ دیا کہ جلد از جلد پیر جُدا کر دیا جائے ورنہ زہر جسم میں سرایت کر جائے گا اور پھر مرض لا علاج ہوگا۔

اس آخری تجویز پر پیر کاٹ دینے کا فیصلہ کر لیا گیا، عمل جرّاحی کیلئے حکیموں نے حضرت عروہ بن الزبیرؓ سے کہا کہ آپ کو تھوڑی سی نشہ آور شراب پلائی جائے گی تاکہ تکلیف کا احساس کم سے کم ہو؟

حضرت عروہ بن الزبیرؓ نے فرمایا، معاذ اللہ صحت کے لئے میں حرام شے استعمال کرلوں؟ یہ ہرگز ممکن نہیں۔

حکیموں نے کہا تو پھر آپ بے ہوش کرنے والی دوا لیں؟

حضرت عروہؒ نے کہا یہ بھی ممکن نہیں۔ اگر اس علاج میں میری موت واقع ہو جائے تو میں بے خبری میں اپنے رب سے ملاقات کروں گا مجھکو یہ بات ہرگز پسند نہیں۔

حکیموں نے خلیفہ ولید بن عبدالملک سے مشورہ کیا، آخر یہی طے کیا گیا کہ عام حالت ہی میں پیر جُدا کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں دو چار آدمیوں کی مدد لی جائے تاکہ شدید تکلیف کے وقت حضرت عروہ بن الزبیرؒ کو وہ سنبھالے رکھیں لیکن حضرت عُروہؒ نے اس کو بھی پسند نہیں کیا اور فرمایا میں اللہ کے نام ہی سے مدد لیتا رہونگا تم اپنا کام تو شروع کر دو۔

چنانچہ جب گوشت کاٹ دیا گیا اور ہڈی پر نشتر چلایا جا رہا تھا تو حضرت عُروہؒ کی زبان پر لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر جاری ہو گیا، اِسی حالت میں حکیموں نے اپنا کام پورا کر لیا۔

آپریشن کامیاب ثابت ہوا اور پیر اجُدا کر دیا گیا، زخم پر پلاسٹر باندھکر شاہی محل لے آئے۔ اللہ نے اِنپر نیند مسلّط کر دی (جیسا کہ اللہ کی قدیم سُنّت رہی ہے کہ ایسے نازک موقعوں پر اپنے نیک بندوں کی نیند سے مدد کرتے ہیں۔ (القرآن سورۂ آل عمران آیت ۱۵۴)

حضرت عُروہ بن الزبیرؒ گہری نیند سو گئے انکی زندگی میں یہ پہلا دن تھا کہ وہ اپنی یومیہ تلاوتِ قرآن کو ادا نہ کر سکے فَسُبْحَانَ مَنْ لَا یَفُوْتُ وَلَا یَمُوْتُ[1] ہوش میں

---

[1] ماضی قریب میں مولانا محمد حسن صاحب امرتسری بانی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور (پاکستان) کا واقعہ بھی اسی قسم کا پیش آیا تھا۔ انگریزی دور ۱۹۴۷ء سے پہلے مولانا کے ایک پیر کو جُدا کر دینے کی ضرورت پیش آئی ڈاکٹروں نے بیہوش کرنا چاہا لیکن مولانا کسی طرح راضی نہ ہوئے ہاتھ میں تسبیح تھی ذکر اللہ میں مشغول ہو گئے۔ ڈاکٹروں نے اسی حالت میں اپنا کام پورا کر لیا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

راقم الحروف ۱۹۵۸ء اپنے علمی سفر کے ضمن تین ماہ شہر لاہور میں مقیم تھا ہر جمعہ مولانا کی بعد عصر والی مجلس میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل رہی نہایت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ ارْفَعْ دَرَجَتَہٗ وَتَقَبَّلْ حَسَنَاتَہٗ

آنے کے بعد اپنے کٹے پیر کو یاد کیا۔ جب پیش کیا گیا تو پیر کو اُلٹ پلٹ کیا پھر اس طرح خطاب کیا۔

"اس ذات عظیم کی قسم جس نے رات کی تاریکیوں میں مساجد جانے کے لئے مجھکو پیر دیئے وہ خوب جانتا ہے کہ میں نے اس کو حرام راستہ میں استعمال نہیں کیا۔" اللہ اکبر

خلیفہ ولید بن عبدالملک کو اس بات کا سخت صدمہ تھا کہ اپنے عظیم المرتبت عزیز مہمان کو مدینہ منوّرہ سے دمشق آنے کی زحمت دی اور وہ یہاں چند ہی دنوں میں حادثات سے دوچار ہو گئے، صاحبزادے کا صدمہ ختم نہ ہوا تھا کہ پیر کا حادثہ پیش آگیا۔

ایک عبرت خیز واقعہ:۔

خلیفہ کو اب دائمی فکر یہ رہتی تھی کہ حضرت عروہ بن الزبیرؒ کی کامل تسلّی کا انتظام کیا جانا چاہیئے اس سلسلے میں وہ مختلف اسباب فراہم کیا کرتا تھا، انہی دنوں قبیلہ بنو عبس کا ایک وفد دارالخلافہ (دمشق) آیا، اس میں ایک صاحب نابینا تھے۔ خلیفہ نے ان کے اعزاز و اکرام کے بعد اُن نابینا صاحب سے پُوچھا آپ کی دونوں آنکھیں کیونکر ضائع ہوئیں؟

کہنے لگے امیرالمؤمنین میں اپنے قبیلہ بنو عبس کا امیر ترین فرد تھا، میرے ہاں مال و دولت کے علاوہ اولاد کی بھی کثرت تھی اور اللہ نے عزّت و شان بھی بخشی تھی میرا قیام قبیلے کی سرسبز وادی میں تھا، ہم نہایت آسائش و مسرّتوں میں اپنی زندگی گزار رہے تھے ہمیں کسی بات کا اندیشہ نہ تھا، دُکھ درد، رنج و غم کو ہم بھول گئے تھے، ایک رات ایسی طوفانی بارش ہوئی کہ وادی جل تھل ہوگئی پھر کچھ دیر بعد پانی کا سیلاب ٹوٹ پڑا، دیکھتے ہی دیکھتے ہمارا مال و متاع، عالیشان مکان، بیوی بچے

سب طوفان کی نذر ہو گئے میں کسی طرح بچ گیا۔

سیلاب ختم ہونے کے بعد مجھکو صرف اپنا ایک شیر خوار بچّہ زندہ مِلا اور ایک اُونٹ جو اُونچے مقام پر پناہ لیے ہوئے تھا، میں اپنے بچے کو درخت کے نیچے لٹا دیا اور اُونٹ پکڑنے کے لئے آگے بڑھا، اُونٹ جو خوفزدہ تھا بھاگ پڑا میں اس کے پیچھے دوڑا ہی تھا کہ بچّہ کی ایک بھیانک چیخ سُنی پلٹ کر دیکھا ایک بھیڑیا بچّے کا سر اپنے مُنہ میں لے چکا ہے اور اس کو چبا رہا تھا میں تیزی سے بچے کی طرف آیا لیکن بھیڑیا اپنا کام تمام کر چکا تھا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

پھر اُونٹ کی طرف آیا، اُونٹ خوف وہراس میں پاگل ہو چکا تھا قریب ہوتے ہی اُس نے ایک زبردست لات ماردی میری پیشانی پھٹ گئی اور آنکھیں ضائع ہو گئیں۔

امیر المؤمنین بس ایک ہی رات میں اپنے بیوی بچّوں، مال ومتاع، صحت وبصارت سب سے محروم ہو گیا۔

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام۔ (القرآن)

خلیفہ ولید بن عبدالملک کی آنکھیں اس واقعہ سے پُرنم ہو گئیں اپنے خادم سے کہا ان نابینا شیخ کو ہمارے عزیز مہمان عروہ بن الزبیرؒ کے ہاں لیجاؤ اور یہ قصّہ خود ان کی سنوادو، خلیفہ کا یہ مقصد تھا کہ حضرت عروہ بن الزبیرؒ کو ایسے واقعات سُننے سے تسلّی ہوگی اور انکا غم ہلکا ہوگا۔

نابینا صاحب نے اپنی داستان سُنائی حضرت عُروہ بن الزبیرؒ نے بوڑھے نابینا کی کہانی سُنی اور دُعا دی اور اپنے رب کا شکر ادا کیا کہ اُس نے نابینا جیسی حالت سے دوچار نہ کیا۔ فَلَکَ الْحَمْدُ یَا رَبَّنَا۔

شکر گزاری:۔

صحت کے بعد حضرت عُروۃ بن الزبیرؒ کو شاہی اعزاز واکرام کے ساتھ مدینہ منوّرہ

روانہ کردیا گیا۔

جب یہ مدینہ طیبہ پہونچے جہاں ان کی زیارت کا بے چینی سے انتظار کیا جارہا تھا سارا شہر استقبال کے لئے جمع ہوگیا۔ حضرت عروہ بن الزبیرؓ نے سب کی تسلی کے لئے ایک عام خطاب فرمایا۔

”بعد حمد وثنا! لوگو! میری موجودہ حالت پر غمزدہ نہ ہوں اللہ نے مجھے چار بچے دیئے ہیں جن میں ایک واپس لے لیا ہے تین باقی ہیں فَلَہُ الْحَمْدُ، اسی طرح مجھکو دُو ہاتھ دُو پیر دیئے ہیں ان میں سے ایک پیر لے لیا گیا تین باقی ہیں۔ فَلَہُ الْحَمْدُ۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اُس نے قلیل لیا کثیر باقی رکھا، ایک دفعہ مصیبت دی لیکن بارہا عافیت عطا کی ہے۔ فَلَہُ الْحَمْدُ“

وقت کے ایک بڑے عالم نے ان دونوں حادثات پر حضرت عروۃ بن الزبیرؓ کی اس طرح تعزیت کی۔

”اللہ کا شکر ہے کہ آپ کو اُس خدمت کے لئے باقی رکھا گیا جس کی تمنّا آپ نے بیتُ اللہ کے زیر سایہ کی تھی اور جس کے ہم محتاج تھے آپکا علم و فہم آپ کی رائے واجتہاد، آپ کی فقہ مسلمانوں کیلئے نورِ ہدایت اور دلیلِ راہ ثابت ہوچکی ہے، اللہ آپ کو تاحیات اس خدمت کے لئے باقی رکھے۔ آمین“

ہدایاتؒ ونصائح:۔

حضرت عروہ بن الزبیرؓ اپنی اولاد خاص طور پر نوخیز بچّوں کی تعلیم وتربیت مستقبل کی صلاح وفلاح کے لئے نہایت اہم ضرورت سمجھا کرتے تھے انکا شدّت سے یہ احساس تھا کہ مستقبل کی زندگی کا انحصار ابتدائی تعلیم وتربیت کا موقوف ہوا

کرتا ہے جن بچوں نے مستقبل میں بڑے بڑے مناصب پائے ہیں وہ وہی ہیں جن کی ابتدائی تعلیم و تربیت ٹھیک طریقوں پر ہوئی ہے۔

وہ اکثر فرمایا کرتے تھے:۔

بچو! علم حاصل کرتے رہو اور اس کی تحصیل کا حق ادا کرو، آج تم چھوٹے ہو کل اسی علم کے ذریعہ بڑوں میں شمار ہوں گے۔

دُنیا میں جہالت (بے علمی) سے بدتر اور کوئی چیز نہیں۔

اگر تم کسی شخص میں خیر دیکھو تو اُس سے خیر و بھلائی کی توقع رکھو اگرچہ وہ عام نظروں میں بُرا سمجھا جاتا ہو، کیونکہ ایک بھلائی دیگر بھلائیوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ اسی طرح کسی میں بُرائی دیکھو تو اُس سے دُور ہو جاؤ اگرچہ وہ عام لوگوں میں اچھا سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اس کی بُرائی دیگر بُرائیوں کی علامت ہے۔

اس طرح نیکی نیک اخلاق کی علامت ہے تو بُرائی بُرے اخلاق کی نشاندہی کرتی ہے۔

بچو! خوش خلقی، حُسن کلامی، خوش روئی، انسان ہونے کی علامت ہے۔

علوم حکمت میں لکھا ہے کہ تمہارا کلام نرم ہو تمہارا چہرہ ہنس مُکھ ہو تو مخلوق تم سے محبت کرے گی اور اپنی عنایات سے تمکو خوش رکھے گی۔

اسی طرح جب عام لوگوں کو دیکھتے کہ وہ عیش پسندی، لذّت پروری، دُنیا سازی میں مشغول ہیں تو انھیں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی یاد دلاتے فرماتے کہ ایک دن میں نے اپنی خالہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرماتے سُنا ہے، فرماتی تھیں:۔

کبھی کبھی نبی کے گھروں میں چالیس چالیس دن تک چُولہے بُجھے رہا کرتے تھے

کھانے پکانے کے اسباب مہیّا نہ ہوتے۔

میں نے کہا پھر آپ حضرات کی غذا کیا ہوا کرتی تھی؟

خالہ جان صاحبہؓ نے فرمایا، پانی اور کھجور۔

پھر فرمایا، اے لوگو! تم اپنی عیش و عشرت پر غور کرو تمکو کیا کرنا ہے اور کیا کر رہے ہو؟ دُنیا کی اس فکر میں اپنی آخرت تاریک نہ کرلو۔

آخر کار اسی فکر آخرت میں حضرت عروہ بن الزبیرؒ نے اپنی زندگی کے اِکہتّر سال پورے کر لئے، لقاء ربّ کا جب وقت آیا روزے کی حالت میں تھے۔ حالت سکرات میں اہلِ خانہ نے لاکھ کوشش کی کہ پانی کے چند قطروں سے افطار کرلیں لیکن وہ آخری وقت تک انکار کرتے رہے اور فرمایا کہ میں اپنے رب سے روزے کی حالت میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں چند لمحات گزرنے نہ پائے تھے کہ اپنے رب سے ملاقات کر ہی لی سن ہجری ۹۱ھ تھا۔ فَرَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَاَسْکَنَہٗ فَسِیْحَ جِنَانِہٖ۔

مراجع و مآخذ

۱:۔ الطبقاتُ الکُبریٰ — ابن سعدؒ

۲:۔ حلیۃُ الاولیآء ج ۲ — ابو نعیمؒ

۳:۔ صفۃ الصّفوۃ ج ۲ — ابن الجوزیؒ

۴:۔ وفیات الاعیان ج ۳ — ابن خلکانؒ

سیرت
امام سعید بن المسیبؒ
(المتوفی ۹۴ھ)

کَانَ سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیِّبؒ یُفْتِیْ وَالصَّحَابَۃُ اَحْیَاءٌ
(قدامہ بن موسیٰؒ)

صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں سعید بن المسیبؒ فتویٰ دیا کرتے تھے۔

امام سعید بن المسیبؒ

تعارف:۔

حضرت سعید بن مسیبؒ جلیل القدر تابعی اُن نفوسِ قُدسیہ میں شامل ہیں جو اپنے علم و عمل، تقویٰ طہارت، زُہد و قناعت کے لحاظ سے دُنیائے اسلام کے امام و مقتدیٰ تسلیم کئے گئے ہیں۔

ان کے والد مُسیّبؓ اور دادا حزنؓ دونوں صحابی رسُولﷺ ہیں۔ فتح مکّہ کے دن اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔

سعید بن المسیّبؒ خلافتِ فاروقی ۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اکابر صحابہؓ کو پایا اور اُن سے بھرپور علمی و عملی استفادہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی دورِ حکومت ۶۳ھ میں مسندِ علم و افتاء کی زینت بن چکے تھے۔

حق گوئی و حق پرستی:۔

حق گوئی ان کا خاص مزاج تھا عوام تو عوام ہی ہیں امراء و سلاطین بھی خوف زدہ تھے۔ کسی بھی موقعہ پر حق ظاہر کرنے سے چوکتے نہ تھے۔

اِن کی زندگی کا آغاز ہی بنو اُمیّہ کی بے اعتدالیوں اور بے انصافیوں کی نشاندہی پر ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جب مکّۃ المکرّمہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا اور وہاں اپنی بیعت کا آغاز کیا تو مدینہ منوّرہ میں مسلمانوں سے بیعت لینے کے لئے اپنے سپہ سالار جابر بن اسود کو روانہ کیا۔ مدینہ منوّرہ میں حضرت سعید بن مسیّب وہ

واحد شخص تھے جنھوں نے اس سے اختلاف کیا اور فرمایا جب تک تمام مسلمانوں کا کسی ایک شخص پر اتفاق نہ ہو اُسوقت کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنی جائز نہیں۔

حضرت سعید بن مُسیّبؒ اہلِ مدینہ کی ممتاز ترین شخصیت تھے انکی مخالفت کے معنیٰ یہ تھے کہ مدینہ منوّرہ سے ایک شخص بھی عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت کے لئے تیار نہ ہو، چنانچہ ایسے ہی، ہوا اور جابر بن اسود ناکام واپس ہوا۔

چلتے وقت مختلف الزامات میں حضرت سعید بن مُسیّبؒ کو کوڑوں سے پڑوا دیا۔ اس کے باوجود حضرت سعید بن مسیّبؒ کی زبانِ حق گو خاموش نہ رہی آپؒ برابر اپنا اعلان کرتے رہے۔

حق گوئی کا ایک واقعہ:۔

سپہ سالار جابر بن اسود کی چار بیویاں تھیں، اس نے ایک کو طلاق دیکر بیوی کی عدّت گزرنے سے پہلے پانچویں عورت سے شادی کرلی جو شرعی قانون کے تحت ممنوع تھی، چنانچہ ٹھیک ایسے وقت جبکہ حضرت سعید بن مسیّب پر حق گوئی کے سلسلے میں کوڑے برس رہے تھے انکی زبان پر یہ کلمات بھی تھے۔

"اللہ کا حکم سُنانے سے مجھے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔

(سورۂ نساء آیت ۳)

ترجمہ:۔ اپنی پسندیدہ عورتوں میں دو، تین، چار عورتوں سے نکاح کرلو۔

اے جابر تو نے چوتھی بیوی کی عدّت ختم ہونے سے پہلے پانچویں عورت سے نکاح کرلیا، جو تیرے دل میں آئے کرگزر، عنقریب تجھ پر بُرا وقت آنیوالا ہے (اندرونِ عدّت عورت اپنے شوہر کے تحت ہی سمجھی جاتی ہے گویا وہ ابھی

اس کی بیوی ہے لہٰذا ایسے وقت بیک وقت پانچ بیویاں شمار ہوں گی۔)

اس واقعہ کے چند دنوں بعد حضرت ابن زبیرؓ شہید کر دیئے گئے (شہادت کا واقعہ کسی بھی تاریخی کتاب میں دیکھئے۔)

حضرت ابن زبیرؓ کو اپنی شہادت سے پہلے حضرت سعید بن مسیّبؒ کے ساتھ جابر بن اسود کی اس گستاخی کا علم ہوچکا تھا وہ ان کے مرتبہ شناس تھے اس لئے انھوں نے جابر کو خط لکھا، سخت تنبیہ کی اور لکھا کہ تم سعید بن مسیّبؒ کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور کوئی تعرض نہ کرو، لیکن اس کا ظلم وستم جاری رہا آخر حضرت ابن زبیرؓ شہید ہوگئے اور جابر بن اسود کی سرداری بھی ختم ہوگئی۔

عبادت وشب بیداری:۔

حضرت سعید بن مسیّبؒ کی عبادت کا اصل وقت شب کی تاریکی تھی وہ اس وقت اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرتے، پھر تہجّد کے لئے کھڑے ہوجاتے یہاں تک کہ فجر کی اذان پر اپنی نماز موقوف کرتے، رات بھر کھڑے کھڑے ان کے پیر سوجھ جاتے، صبح کو اپنے پیروں کی حالت دیکھکر اپنے نفس سے اس طرح خطاب کرتے۔

" اے نفس تجھکو اسی کا حکم دیا گیا ہے اور تو اسی لئے پیدا ہوا ہے"

روزوں کی بھی کثرت رکھتے افطار کے وقت گھر سے کوئی چیز آجاتی تو مسجد میں افطار کرلیتے ورنہ عشاء کے بعد اپنے گھر لوٹتے۔

حج بیت اللہ کا بھی یہی معاملہ تھا۔ بعض روایتوں کے مطابق پچاس سے زیادہ حج ادا کیے ہیں۔

قرآن حکیم کی تلاوت کبھی ناغہ نہ ہوتی، سفر میں بھی سواری پر تلاوت کرتے، قرآن اور مسجد کا اتنا احترام کرتے کہ کسی بھی موقع پر چھوٹی مسجد یا چھوٹا قرآن کہنا

سُننا پسند نہ کرتے،

فرماتے اللہ نے جس چیز کو بڑائی بخشی ہے اس کی عظمت کیا کرو۔

حدیث شریف بیان کرتے وقت ادب واحترام سے بیٹھ جاتے لیٹے لیٹے حدیث بیان کرنا بے ادبی شمار کرتے۔

اخلاق وعادات میں اصحابِ رسولؐ کا نمونہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ سعید بن مُسیّبؒ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔

ایک عجیب خوبی یہ تھی کہ آپ کی کسی چیز کو کوئی پسند کرتا یا اس کی تعریف کرتا تو اُسی لمحہ وہ چیز دے دیتے۔

دُنیا اور اہلِ دُنیا سے بیزاری :۔

خُلفاء و اُمراء سے راز ونیاز وملاقات پسند نہ کرتے تھے۔ ملک عبدالملک بن مروان جس کی شان وشوکت خلفاء بنواُمیہ میں ضربُ المثل ہے کئی بار مُلاقات کرنا چاہا لیکن ایک بار بھی ملاقات کا موقعہ نہ دیا۔

ایک مرتبہ وہ مدینہ منوّرہ آیا اور مسجد نبویؐ شریف کے دروازے پر کھڑے ہو کر حضرت سعید بن مسیّبؒ کو طلب کیا، ہرکاروں نے جاکر امیرالمومنین کا پیغام پہنچایا، حضرت سعید بن مسیّبؒ نے فرمایا:

> نہ امیرالمواُمنین کو مجھ سے کوئی ضرورت ہے اور نہ مجھکو امیرالمومنین سے حاجت ہے، اگر امیرُالمومنین کو کوئی ضرورت ہے تو میں ایک فقیر آدمی ہوں اُن کی حاجت کیسے پوری کر سکتا ہوں ؟

ہرکاروں نے جاکر حضرت سعید بن مسیّبؒ کا جواب سُنایا، خلیفہ عبدُالملک نے دوبارہ جانے کو کہا، ہرکاروں نے امیرالمومنین کا پیغام سُنایا، حضرت سعید بن مسیّبؒ

نے سابقہ جواب دُھرایا۔

امیرالمومنین کے ہرکاروں نے یہ خشک جواب سُنکر کہا اگر امیرالمومنین نے آپ کے ساتھ ادب واحترام کا حکم نہ دیا ہوتا تو ہم آپکا سر کاٹ کر لے جاتے، امیرالمومنین بار بار طلب کرتے ہیں اور آپ اس کی کوئی پرواہ تک نہیں کرتے، حضرت سعید بن مُسیّبؒ خاموش ہو گئے۔

حضرت سعید بن مسیّبؒ نے خلیفہ عبدالملک کو بعض دفعہ ایسے ایسے تلخ جواب دیئے ہیں جسکا کوئی بڑا آدمی بھی تصوّر نہیں کرسکتا۔ ایک دفعہ خلیفہ نے کہا اے ابُومحمدؒ اب میری یہ حالت ہوگئی ہے کہ اگر اچھا کام کرتا ہوں کوئی خوشی محسوس نہیں کرتا، اور اگر کوئی بُرا کام کرتا ہوں تو اس کا کوئی رنج وافسوس بھی نہیں ہوتا؟

حضرت سعید بن مُسیّبؒ نے جواب دیا، اب تمہارا قلب پوری طرح مرچکا ہے[1]

خلیفہ عبدالملک کے بعد خلیفہ ولید بن عبدالمالک کے ساتھ بھی یہی عمل رہا، بغیر کسی شرعی وجہ کے وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ایک دفعہ ولید بن عبدالملک مسجد نبوی شریف کے معائنہ کے لئے آیا تاکہ اسمیں ترمیم وتوسیع کرے، مسجد شریف سے سب لوگوں کو ہٹا دیا گیا، حضرت سعید بن مسیّبؒ بھی ایک گوشہ میں تھے انھیں اُٹھانے کی کسی نے ہمّت نہ کی ایک شخص نے صرف اتنا کہا کہ اس وقت آپ ہٹ جاتے تو اچھا ہوتا؟

فرمایا، میرے اُٹھنے کا جو وقت ہے اس سے پہلے نہیں اُٹھوں گا۔

خلیفہ ولید معائنہ کرتے کرتے خود حضرت سعید بن مسیّبؒ کے قریب آگیا، پُوچھا کہ یہ کون ہے؟

---

[1] ایک صحابی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا، ایمان کی کیا علامت ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا جب نیکی تمکو خوش کردے اور بُرائی تمکو رنجیدہ کردے تو سمجھو کہ تم میں ایمان ہے۔ (الحدیث)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جو خلیفہ ولید کے ساتھ تھے نہایت سرسری طور پر کہا یہ شیخ سعید بن مسیبؒ ہیں۔ بہت بوڑھے ہو گئے ہیں بینائی بھی بہت کم ہو گئی ہے اگر وہ آپ کو دیکھ لئے ہوتے تو ضرور سلام کرتے۔

خلیفہ ولید نے کہا ہاں میں ان کی حالت سے واقف ہوں میں خود انھیں سلام کروں گا۔ یہ کہکر آگے بڑھا اور سلام کیا۔ حضرت سعید بن مسیبؒ نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے جواب دیا، وعلیکم السلام۔

پھر ولید نے پوچھا، شیخ کیسا مزاج ہے؟

فرمایا، اچھا ہوں۔

خلیفہ ولید یہ کہتے ہوئے گزر گیا، "یہ پرانی یادگار ہیں۔"

زرّیں اقوال:۔

شیخ سعید بن مسیّبؒ کے کلمات اور حکیمانہ اقوال بڑے ہی سبق آموز ہیں۔

فرمایا کرتے، بندوں نے اللہ کی اطاعت سے اپنے آپ کو کیسا باعزّت کر لیا، اور اُسکی نافرمانی میں اپنے آپکو کیسا ذلیل وخوار کر لیا۔

دُنیا ایک بے قیمت معمولی شئے ہے یہ اسی کی طرف مائل ہوتی ہے جو بے مایہ کمتر قسم کا آدمی ہے۔

ظلم کو دیکھو تو دل سے نفرت کرو کیونکہ ظلم قیامت کی تاریکیوں میں سے ایک تاریکی ہے۔

تمام انسان اللہ کی تائید و توفیق سے نیکیاں کرتے ہیں اور جب اللہ اپنی تائید اُٹھا لیتا ہے تو سب بے توفیق ہو جاتے ہیں۔

کوئی باکمال شخص ایسا نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی عیب ہو البتہ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے عیوب بیان نہ کئے جائیں یہ وہ لوگ ہیں جنکی بھلائیاں

ان کی خامیوں سے زیادہ ہوں۔

فرمایا، شیطان جب کسی کام میں انسان سے مایوس ہوجاتا ہے تو اس کو عورتوں کے ذریعہ پورا کرتا ہے، میں اپنے نفس کے بارے میں سب سے زیادہ عورتوں سے خوف کرتا ہوں۔

لوگوں نے کہا اے شیخ آپ جیسے ضعیف العمر آدمی کو تو عورتوں کی خواہش باقی نہیں رہتی، اور نہ خود عورتیں ایسے شخص کی خواہشمند ہوتی ہیں، پھر کیا خطرہ؟

فرمایا، جو کچھ میں کہتا ہوں وہ واقعہ ہے۔

علمی مقام:۔

حضرت سعید بن مسیبؒ گو ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب دورِ رسالت ختم ہو چکا تھا لیکن اس مقدس دور کی برکات سے زمانہ معمور تھا مدینہ طیبہ کی گلی گلی میں عہدِ رسالت کے پھول بھرے ہوئے تھے سوا دو چار صحابہؓ کے اکثر اصحاب موجود تھے جو علوم نبوت کے وارثین شمار کئے جاتے تھے اور جن کو دوات مدینۃ العلم کے ابواب کی تھی۔

حضرت سعید بن مسیبؒ نے ان تمام حضرات سے علمی، عملی، اخلاقی، روحانی و ایمانی و عرفانی کیفیات سے پورا پورا استفادہ کیا۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیبؒ کی امامت و جلالت پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے میں تمام اہلِ مدینہ کے سردار تھے۔

حافظ ذہبیؒ ان کو امام، شیخ الاسلام، اجلّہ تابعین میں شمار کرتے ہیں۔

ابن عماد حنبلیؒ لکھتے ہیں کہ اِن کی ذات میں حدیث وتفسیر، فقہ، زہد و تقویٰ جملہ علمی و عملی کمالات جمع تھے۔

حدیث رسولؐ کا انھیں خاص ذوق تھا۔ ایک ایک حدیث کے لئے کئی کئی رات دن کا سفر کیا ہے جہاں کہیں معلوم ہوتا کہ یہاں صحابی رسول حدیث بیان کرتے ہیں فوری سفر کرتے۔

حضرت سعید بن مسیّبؒ چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد تھے ان کی صحبت علمی و عملی سے خوب خوب سیراب ہوئے ہیں۔ احادیث رسولؐ کی نقل میں حضرت ابوہریرہؓ تمام اصحاب رسولؐ سے آگے تھے ان کی صحبت نے حضرت سعید بن مسیّبؒ کا دامنِ علم نہایت وسیع کر دیا تھا۔

امام مکحول شامیؒ جو خود بڑے محدث اور امام ہیں کہتے ہیں کہ میں نے علم کی تلاش میں ساری اسلامی دُنیا کا سفر کیا ہے لیکن حضرت سعید بن مسیّبؒ جیسا عالم کوئی نہ مِلا۔

علی بن مدائنیؒ کہتے ہیں۔ میں نے طبقۂ تابعین میں سعید بن مسیّبؒ سے زیادہ وسیع العلم کسی کو نہ پایا۔

امام احمد بن حنبلؒ حضرت سعید بن مسیّبؒ کی مُرسلات[1] کو بھی احادیث صحاح کا درجہ دیتے تھے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سعید بن مسیّبؒ کی مُرسلات ہمارے نزدیک حسن ہیں۔

امام یحییٰ بن معینؒ ان کی مُرسلات کو حضرت حسن بصریؒ کی مُرسلات پر ترجیح دیا کرتے تھے۔

علی بن مدائنیؒ کہتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں سعید بن مسیّبؒ کا صرف اتنا کہدینا کہ اس بارے میں سُنّت موجود ہے کافی ہے۔

[1] احادیث مُرسلات اُن احادیث کو کہا جاتا ہے جنکو تابعی بغیر واسطہ صحابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نقل کردے۔ ایسی حدیث کو حدیث مُرسل کہا جاتا ہے۔ محدّثین کے یہاں حدیث مُرسل حُجّت ہے۔

محدّث ابن حبان کا بیان ہے کہ سعید بن مسیّبؒ اپنے زمانے میں مدینہ طیّبہ کے سردار اور فتویٰ نویسی میں سب پر فائق تھے۔ انکو فقیہہ الفقہا کہا جاتا تھا۔

امام قتادہؒ کہتے تھے کہ میں نے سعید بن مسیبؒ سے زیادہ حلال و حرام کا جاننے والا نہیں پایا۔

سلیمان بن موسیٰ کا بیان ہے کہ سعید بن مسیّبؒ افقہ التابعین تھے۔

عبدالرحمٰن بن زید کا بیان ہے کہ "عَبَادلہ اربعہ" حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عبّاسؓ، عبداللہ بن عمروؓ، عبداللہ بن زُبیرؓ کے بعد دُنیائے اسلام میں علم فقہ کی مسند سعید بن مسیّبؒ کے قبضہ میں آگئی۔

مکۃ المکرّمہ کے فقیہہ عطاؔ بن ابی رباحؒ تھے، ملک یمن کے طاؤس بن کیسانؒ، شہر یمامہ کے فقیہہ یحییٰ بن ابی کثیرؒ، شہر بصرہ کے حسن بصریؒ، شہر کوفہ کے ابراہیم نخعیؒ، ملک شام کے مکحول شامیؒ، شہر خراسان کے عطار خراسانیؒ اور مدینہ منوّرہ کی مسند فقہ ایک قُرشی یعنی سعید بن مُسیّبؒ کے حصہ میں آئی۔

حضرت سعید بن مسیّبؒ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدّیقؓ کا زمانہ نہیں پایا، عہد فاروقیؓ میں صغیر السن تھے لیکن تلاش و جستجوئے علم سے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور ابُو بکر صدّیقؓ و عمر الفاروقؓ کے فیصلوں کے سب سے بڑے واقف کار ہو گئے تھے۔

ایک موقعہ پر خود فرمایا:۔

"اب مجھ سے زیادہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ابُوبکر صدّیقؓ اور عمر الفاروقؓ کے فیصلوں کا جاننے والا کوئی نہیں رہا۔"

حضرت عمر الفارُوق رضی اللہ عنہ، کے فیصلوں کے بارے میں اِن کا علم اتنا وسیع تھا کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبدُ اللہ بن عمرؓ خود اپنے والد بزرگوار کے بعض فیصلوں کے بارے میں حضرت سعید بن مسیّبؒ سے دریافت کرتے۔ ایک مرتبہ

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا آپ نے اُس سے کہا سعید بن مسیّبؒ کے پاس جاؤ اور وہ جو جواب دیں مجھے بھی آکر بتانا۔ اس نے اس حکم کی تعمیل کی۔

حضرت ابن عمرؓ نے جواب سُنکر فرمایا، میں تم لوگوں سے کہتا نہ تھا کہ سعید اُن علماء میں ہیں جنکو بھرپور علم دیا گیا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ جیسے محدّث کو جب کسی مسئلہ میں شُبہ پیش آتا تو وہ سعید بن مُسیّبؒ کے ہاں لکھ بھیجتے۔

امام ابن شہاب زُہریؒ کا بیان ہے، حضرت عبداللہ بن ثعلبہ نے مجھکو ہدایت کی تھی کہ اگر تمکو علم فقہ حاصل کرنا ہو تو شیخ سعید بن مسیّبؒ کا دامن پکڑلو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے دورِ خلافت میں حضرت سعید بن مُسیّبؒ سے پُوچھے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ سعید بن مُسیّبؒ کے علم کا میں محتاج ہوں۔

سعید بن مُسیّبؒ کی زندگی کا نادر المثال واقعہ:۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان اپنی دورِ حکومت میں ایک سال حرمین شریفین کی زیارت کا ارادہ کیا۔ دمشق (ملک شام) سے مدینۃ المنورہ پہلی منزل تھی۔ حرمین شریفین کا یہ سفر اپنی نوعیت میں منفرد سفر تھا۔

اسلامی دنیا کا عظیم المرتبت بادشاہ اپنے ارکانِ سلطنت امراء و اہل علم کی بڑی جماعت کے ساتھ رواں دواں تھا، راہ میں جہاں کہیں قیام کی ضرورت پیش آتی پورے لوازمات کے ساتھ قیام ہوتا اور علمی و دینی مذاکرات کا سلسلہ جاری رہتا۔

اِس طرح علم وعرفان کی منزلیں طے کرتا ہوا یہ عظیم قافلہ مدینۃ المنورہ پہنچا۔

اہل قافلہ کے قلوب راہ کی مجالس علمیہ سے مصفّٰی و مجلّٰی ہو چکے تھے بارگاہِ نبوت

میں سلام عرض کرنے کو بے چین و بے قرار تھے۔ غسل و طہارت سے فارغ ہو کر دربار عالی میں پہونچے اور باادب و احترام سلام عرض کیا، اور اپنے قلوب میں ایمانی و عرفانی کیفیات پائیں جو اس سے پہلے کبھی محسوس نہ ہوئیں تھیں۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان یہاں کے رُوح پرور ماحول سے متاثر ہو چکا تھا ارادہ کیا کہ یہاں مزید چند یوم قیام کیا جائے اور جو بات اس کو زیادہ متاثر کر رہی تھی وہ مسجد نبوی شریف کے علمی و عرفانی حلقے تھے جو مسجد شریف میں جا بجا ہو رہے تھے ان حلقات میں قرآن و حدیث کے علاوہ ذکر و فکر کی مجالس بھی ہوا کرتی تھیں ان مجالس میں مدینۃ المنوّرہ کے نامی گرامی علماء و محدّثین کی کثرت رہا کرتی۔

مسجد نبوی شریف کے ان حلقوں میں حضرت عُروۃ بن الزُبیرؒ، حضرت سعید بن مسیّبؒ، حضرت عبداللہ بن عتبہؒ کی مجالس پُرہجوم ہوا کرتیں۔ ان حضرات کے اوقات مقرر تھے ہر شخص کو ان کی مجالس میں شرکت کرنے کا موقعہ ملا کرتا۔

ایک دن خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنی عادت کے خلاف دوپہر کو آرام نہیں کیا، اپنے خاص مصاحب میسرہؒ کو طلب کیا اور حکم دیا کہ مسجد نبوی شریف جاؤ اور وہاں سے کسی بڑے عالم کو اپنے ساتھ لے آؤ، میں قرآن و حدیث کے بارے میں کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

میسرہؒ نے حکم کی تعمیل کی، مسجد نبوی شریف آئے دیکھا تو صرف ایک علمی حلقہ تھا جس کے درمیان میں ایک عمر دراز بزرگ تشریف فرما تھے جن پر علمی وقار اور شان و عظمت محسوس ہو رہی تھی۔

میسرہؒ نے قریب ہو کر اپنے ہاتھ کے اشارے سے انھیں طلب کیا لیکن اُن بزرگ نے کوئی اہمیت نہ دی، پھر اور قریب ہوا اور متانت سے کہا جناب میں نے آپکو اشارہ کیا تھا کیا آپ نے نہیں دیکھا؟

شیخ نے فرمایا۔ کیا بات ہے؟

میسرہؒ نے کہا، امیر المومنین عبدالملک بن مروان نے آج دوپہر خلافِ معمول آرام نہیں کیا اور ارشاد فرمایا کہ مسجد نبوی شریف کے کسی بڑے عالم کو لے آؤ تاکہ اُن سے استفادہ کیا جائے۔

بوڑھے شیخ نے فرمایا، ٹھیک ہے۔ لیکن میں کوئی بڑا عالم نہیں ہوں۔

میسرہؒ نے کہا کوئی حرج نہیں امیر المومنین بہر حال کسی محدّث کو طلب کرتے ہیں۔ شیخ نے کہا اگر وہ طلبگار ہیں تو پھر اُنھیں خود آنا چاہیئے۔ مسجد نبوی شریف کا یہ علمی حلقہ ہر ایک کے لئے کُشادہ ہے اور علم تو حاصل کیا جاتا ہے، علم دروازوں پر نہیں جاتا۔

خلیفہ کا خصوصی نمائندہ واپس لوٹا اور کہا امیر المومنین اس وقت مسجد نبوی شریف میں علمی حلقوں کا وقت نہیں البتہ ایک حلقہ جاری تھا جس میں ایک عمر دراز شیخ درس دے رہے تھے۔ پھر اُن کی پوری گفتگو سُنائی۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان چونک پڑا اور کہنے لگا اُوہ وہ تو شیخ سعید بن المسیّبؒ ہیں۔ کاش تم انھیں جان لیتے تو میرا پیام انھیں نہ دیتے اور واپس چلے آتے، وہ مدینۃُ الرّسُول کے سب سے بڑے عالم اور امام المسلمین ہیں۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی تو خلیفہ کا چھوٹا بیٹا اپنے بڑے بھائی سے پُوچھنے لگا، بھائی جان یہ کون شخص ہیں جو امیر المومنین کے مقابلہ میں سر اُٹھاتے ہیں اور حاضر ہونے سے انکار کرتے ہیں، کیا امیر المومنین ان کی نظروں میں اتنے بے وقعت ہیں جبکہ رُوم وفارس کے بادشاہ ابّا جان کی خدمت میں حاضر ہونے کی خواہش رکھتے ہیں اور ان کی ہیبت وعظمت سے خوف زدہ ہیں۔

بڑے بھائی نے کہا، برادر وہ شیخ سعید بن المسیّبؒ ہیں جو مدینۃُ المنوّرہ کے سب سے بڑے عالم جن کا فتویٰ اسلامی دُنیا میں قانونِ حکومت کی طرح چلتا ہے اور جن کی صاحبزادی کا رشتہ ابّا جان امیر المومنین عبدُالملک بن مروان نے اپنے ولی عہد

ولید بن عبد الملک کیلئے مانگا تھا جس کو شیخ نے قبول نہ کیا۔

چھوٹے بھائی نے نہایت تعجب سے کہا کیا اُن کی لڑکی کے لئے اس سے بہتر اور اعلیٰ ترین رشتہ اور کوئی رشتہ مل سکتا ہے؟

بڑا بھائی خاموش ہوگیا اور کچھ جواب نہ دیا۔

چھوٹے بھائی نے پھر کہا کیا شیخ کو ولی عہد شاہزادہ ولید بن عبد الملک کے علاوہ اور کوئی رشتہ ملا ہے؟ یا پھر شیخ اپنی لڑکی کا مستقبل خراب کرنا چاہتے ہیں؟

بڑے بھائی نے کہا میں اس بارے میں واقف نہیں ہوں۔

اس وقت مجلس کے ایک ہم نشین نے کہا اگر آپ اجازت دیں تو میں اِسکی تفصیل بیان کروں؟

دونوں شہزادوں نے کہا ضرور بیان کیجئے۔

شیخ سعید بن مسیبؒ کی صاحبزادی کا نادر المثال واقعہ:۔

کہا کہ ہمارے پڑوس میں ایک نوجوان ابُو وداعہ نامی تھا اس نے خود اپنا قصّہ بیان کیا کہ میں طلب علم کا بے حد شوق رکھتا تھا اس کے لئے ہر روز مسجد نبوی شریف کے علمی حلقوں میں شریک ہوتا، خاص طور پر شیخ سعید بن المسیبؒ کے علمی حلقے کو دل وجان سے پسند کرتا تھا اس میں ہجوم کے باوجود ہر روز حلقہ کے صفِ اوّل میں رہتا اور کسی دن بھی غیر حاضر نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں شیخ کے درس کو پابندی سے لکھ لیا کرتا تھا۔

طویل عرصہ تک میرا یہی معمول رہا درمیان میں چند ایک یوم غیر حاضر رہا، شیخ نے میری غیر حاضری محسوس کی اور شاگردوں سے پوچھا، ابُو وداعہ کیا بیمار ہوگیا یا اس کو کوئی عذر پیش آیا ہے؟

شاگردوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا، شیخ خاموش ہوگئے۔

دو چار یوم کے بعد میں خود حاضر ہوگیا تو شیخ نے پوچھا ابُووداعہ کیا حال ہے؟ مزاج کیسا ہے؟ کہاں تھے؟

میں نے کہا سیّدی میری بیوی کا انتقال ہوگیا تھا اس کی تجہیز وتکفین کے بعد میرا بُرا حال ہوگیا ہر وقت اُداس اُداس رہنے لگا باہر نکلنا تو درکنار کھانا پینا بھی بند ہوگیا ہر تھوڑی دیر بعد گریہ طاری ہوجاتا تھا۔ اب کچھ افاقہ محسوس ہوا تو حاضر ہوگیا۔ براہ کرم میری غیر حاضری معاف کردی جائے۔

شیخ سعید بن مسیّبؒ نے کہا، ارے تم نے یہ کیا غضب کیا انتقال کی خبر ہمیں بھی دیتے تو ہم جنازے میں شرکت کرتے، اس کی مغفرت کی دُعا کرتے اور تمہارے غم میں شریک ہوتے۔

میں نے کہا حضرت خیال تو ضرور آیا لیکن میں ایک غریب آدمی ہوں آپکے عظیم مشاغل میں خلل ڈالنا پسند نہیں کیا، آپ کو زحمت نہ دی، ارادہ یہی تھا کہ آجکل میں اطلاع دوں لیکن چند دن ایسے ہی گزر گئے، اب آپ دُعا فرمادیں میں خود بھی جناب کی دُعاؤں کا محتاج ہوں۔ شیخ کی آنکھیں پُرنم ہوگئیں۔ رقّت قلبی سے دُعا، فرمائی مجھکو تو اسی وقت تسلّی ہوگئی اور یقیناً میری بیوی کی بھی مغفرت ہوگئی ہوگی اس کے بعد شیخ کی مجلس برخواست ہونے لگی تو میں بھی اُٹھ کھڑا ہوا، شیخ نے مجھے روک لیا جب سب لوگ چلے گئے تو شیخ نے فرمایا ابُووداعہ کیا تم نے نکاح ثانی کے لئے غور نہیں کیا؟

میں نے بے تکلّف کہدیا حضرت مُجھ غریب کو کون اپنی بیٹی دے گا میری پرورش تو یتیمی حالت میں ہوئی اور جوانی فقر وفاقہ میں گزری اور اب تو میں دو چار درہم کا بھی مالک نہیں ہوں، اِن حالات میں دوسرے نکاح کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا۔

شیخ نے فرمایا نہیں نہیں ایسا نہیں ہے اگر میں اپنی بیٹی کا نکاح تم سے

کر دوں تو کیا تمکو اتفاق ہے ؟

اس استفسار پر میری زبان بند ہوگئی جواب نہ بن پڑا، حیرانی میں اس طرح بول پڑا۔

آپ اپنی صاحبزادی سے میرا نکاح کرنا چاہتے ہیں جبکہ جناب کو معلوم ہے کہ میں ایک غریب مسکین طالب علم ہوں، میرے روزگار کا بھی تو کچھ انتظام نہیں۔

شیخ نے فرمایا، ہاں! ہاں! ہم اسلامی تعلیمات کے پابند ہیں، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

"جب تمہارے پاس ایسے شخص کا رشتہ آئے جس کے دین واخلاق سے تم مطمئن ہو اسکو قبول کرلو" (الحدیث)

الحمد للہ ہم تمہارے دین واخلاق سے مطمئن ہیں آؤ بسم اللہ کریں۔ پھر شیخ نے عصر کی نماز کے بعد حاضرین میں اعلان کروایا۔

لوگو! مجلسِ نکاح میں شریک ہوں شیخ سعید بن مسیّبؒ اپنی صاحبزادی کا نکاح ابُووَداعہ سے کرنا چاہتے ہیں۔

اس اعلان پر سارے حاضرین ٹوٹ پڑے شیخ نے خطبہ پڑھا اور صرف دو درہم مہر پر میرا نکاح کر دیا، نکاح کے بعد لوگوں نے گرم جوشی سے مُبارکباد دینی شروع کی میں اس اچانک صُورت سے حیران تھا کہ لوگوں کو کیا جواب دوں دل خوشیوں اور مسرّتوں سے بھرا جارہا تھا حاضرین میں یہ چرچا تھا کہ شیخ نے کیسا عجیب وغریب واعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے نکاح کے لئے علم واخلاق کو معیار بنایا اور حدیث رسول کی عملی تفسیر پیش کی ہے۔

مجلس نکاح کے اس ہجوم سے فارغ ہوکر میں اپنے گھر آیا، میں اس دن روزہ سے تھا اپنا روزہ بھی بھول گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا، اے ابُووَداعہ تونے یہ کیا ذمّہ داری قبول کرلی؟ گھریلو خرچ کے لئے کس سے قرض لے گا؟ اور ضرورت

کا اظہار کس کس سے کرے گا؟ بیوی کی ضرورتیں کیسے پوری ہونگی؟ وغیرہ وغیرہ۔
انھیں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ عشار کی اذان ہوگئی مسجد نبوی شریف آیا نماز ادا کی پھر نوافل کے بعد اپنے گھر آیا، افطار کے لئے روٹی اور زیتون کا تیل تھا بس دو ایک لقمے لیا تھا کہ دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ میں نے پوچھا کون؟ جواب ملا سعید!

اللہ کی قسم میرا ذہن ہر اس شخص کیطرف گیا جس کا نام سعید تھا سوائے شیخ سعید بن مسیبؒ کے جو کبھی کسی کے دروازے پر دیکھے نہیں گئے۔ مدینہ منورہ میں یہ بات عام تھی کہ شیخ سعید بن مسیبؒ چالیس سال سے سوائے اپنے گھر اور مسجد نبوی شریف کے اور کہیں دیکھے نہیں گئے۔

بس میں اٹھا اور دروازہ کھولا، دیکھا تو شیخ سعید بن مسیبؒ کھڑے ہیں مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا اور دل میں یہ وسوسہ آیا کہ شاید شیخ اپنا فیصلہ واپس لینے آئے ہیں ممکن ہے صاحبزادی صاحبہ راضی نہ ہوئی ہوں۔

میں نے عرض کی حضرت نے یہ زحمت کیوں فرمائی مجھکو یاد فرما لیتے میں خود حاضر ہو جاتا؟

شیخ نے فرمایا، نہیں نہیں! آج مناسب یہی ہے کہ میں تمہارے گھر آؤں۔
میں نے عرض کی تشریف لائیے غریب خانہ حاضر ہے، زہے نصیب۔ اللہ اکبر۔
فرمایا میں ایک ضروری کام کے لئے آیا ہوں اللہ کے فضل و کرم سے آج میری بیٹی تمہاری بیوی ہو چکی ہے۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ تم اپنے گھر تنہا ہو گھر میں اور کوئی نہیں ہے میں نے یہ بات مناسب نہ سمجھی کہ تم ایک گھر میں ہو اور تمہاری بیوی دوسرے گھر میں، لو یہ تمہاری بیوی کھڑی ہے اس کو اپنے گھر لے جاؤ اللہ تمہارے گھر میں برکت نصیب کرے۔

(ابو وداعہؒ کہتے ہیں) میں نے جو دیکھا تو صاحبزادی کو کھڑا پایا جو شرم وحیا سے

گری جا رہی تھیں۔ میری حیرت و تعجّب کی انتہا نہ رہی۔ میں نے کہا اے میرے آقا آپ نے یہ کیا کیا؟ میں نے اس استقبال کے لئے کوئی تیاری بھی تو نہیں کی ہے۔ فرمایا، کوئی حرج نہیں۔ پھر صاحبزادی سے فرمایا بیٹی اللہ کے نام اور اس کی برکت کے ساتھ گھر میں داخل ہو۔

یہ کہکر شیخ تو رخصت ہو گئے میں اس نعمتِ عظیمہ کو اپنے گھر لے آیا جب وہ اندر آگئیں تو میں نے روشنی سے اپنا وہ افطار ہٹا دیا جس کے دو ایک لقمے لے چکا تھا تاکہ عزیز مہمان کی اس پر نظر نہ پڑے۔ اور پھر میں حیرانی کی حالت میں کھڑا رہ گیا کچھ بھی تو سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہوں اور کس طرح استقبال کروں؟

پھر مہمان کو میں نے وہیں چھوڑا اور چھت پر چڑھکر پڑوسیوں کو آواز دی، پڑوسیوں نے کہا کیا بات ہے؟ کیا حادثہ پیش آیا؟

میں نے کہا آج شام مسجد نبوی شریف میں شیخ سعید بن المسیّبؒ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح مجھ سے کر دیا تھا اس وقت وہ دُلہن کو میرے گھر پہنچا گئے ہیں۔ آپ حضرات کچھ دیر کے لئے میرے گھر آئیں تاکہ مہمان کی تسلّی ہو، ابھی میں اپنی ماں کو لینے جا رہا ہوں۔ (ابُو وداعہ کی ماں کچھ فاصلہ پر اپنی صاحبزادی کے گھر مقیم تھیں)

پڑوسیوں میں سب سے پہلے ایک بُڑھیا خاتون نے اس طرح جواب دیا، کیا کہہ رہے ہو؟ شیخ سعید بن المسیّبؒ نے اپنی بیٹی کا نکاح تم سے کر دیا؟ اور پھر اسکو تمہارے گھر چھوڑ گئے ہیں؟ کیا ایسا ممکن ہے؟ تمہاری عقل ٹھکانے ہے یا نہیں؟ شیخ نے تو امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے بیٹے شاہزادہ ولید بن عبدلملک کا رشتہ قبول نہ کیا تھا اور اب تم سے اسکا نکاح کر دیا؟

میں نے کہا خالہ جان واقعہ یہی ہے۔ گھر آیئے دیکھئے صاحبزادی تشریف فرما ہیں۔

پھر کیا تھا پڑوسیوں کی قطار لگ گئی اور میں اپنی والدہ کو لینے گھر سے نکلا بہت جلد والدہ صاحبہ کو لے آیا۔ جب میری ماں نے یہ منظر دیکھا کہ غریب خانے میں

چاند نکل آیا ہے تو دُلہن کو اپنے گلے لگا لیا اور مجھ سے کہا بیٹا بات سُنو میں تم سے اس وقت تک بات نہ کروں گی جب تک کہ دُلہن کو مدینہ منوّرہ کی معزّز و امیر زادیوں کی طرح آرائش و زیبائش کر کے تمہارے یہاں نہ لے آؤں۔

یہ کہکر والدہ صاحبہ دُلہن کو اپنے گھر لے گئیں۔ دوسرے دن پوری آرائش و زیبائش کے ساتھ میرے گھر لے آئیں اور میرے حوالہ کیا، دُلہن پر جب نظر پڑی تو میری آنکھیں اُسکے حُسن و جمال سے خیرہ ہونے لگیں۔ چند لمحات یہ طے نہ کر سکا کیا زمین پر حُورانِ جنّت جیسی عورتیں ہوا کرتی ہیں۔

اس پر مزید یہ کہ وہ کتاب اللہ کی حافظہ، فنِ قرأت کی قاریہ، احادیثِ رسولؐ کی عالِمہ تھیں۔ میں نے اُنھیں مانوس کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ شیخ سعید بن المسیبؒ نے اُنپر دین اور اہلِ دین کی قدر دانی و عزّت و مقام کا ایسا تصوّر قائم کیا ہے کہ وہ اب دین و اہلِ دین کے سوا کسی کو ایک نظر بھی دیکھنا پسند نہیں کرتیں ہیں۔

ایک ہفتہ گزر گیا نہ شیخ سعید بن المسیبؒ میرے گھر آئے اور نہ کوئی اُن کے افرادِ خاندان سے آیا۔

میں ایک صبح شیخ کی مجلس میں حاضر ہوا اور سلام کیا، شیخ نے سلام کے جواب کے علاوہ اور کچھ نہ کہا جب مجلس برخواست ہوگئی تو شیخ نے نہایت خندہ پیشانی سے پُوچھا تمہاری بیوی کا کیا حال ہے؟

میں نے کہا الحمد للہ وہی حال ہے۔ جو ایک دوست دوسرے دوست کے لئے پسند کرتا ہے۔

فرمایا، اللہ کا شکر و احسان ہے۔

کچھ دیر بعد مجھکو رُخصت کیا جب میں اپنے گھر پہنچا دیکھا کہ شیخ کا ایک خادم بہت بڑی رقم لئے میرا انتظار کر رہا ہے۔ کہنے لگا شیخ نے یہ رقم آپکی خانگی ضروریات کے لئے روانہ کیں ہیں۔ میں نے وہ رقم حاصل کی اور بیوی کے آگے رکھدیا۔ اس طرح

ہماری خوشحال زندگی کا آغاز ہوا۔ اور ہمیں دُنیا کا وہ سب چین وسکون ملا جس کا ازدواجی زندگی میں ہر شخص محتاج ہے۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دونوں بیٹوں نے جب یہ تفصیل سُنی تو چھوٹے بیٹے نے اُس تفصیل بیان کرنے والے پڑوسی سے کہا، سعید بن المسیبؒ عجیب و غریب آدمی ہیں اگر یہ تمہارا چشم دید واقعہ نہ ہوتا تو میں کبھی یقین نہ کرتا۔ پڑوسی نے کہا صاحبزادے اِسمیں تعجب کی کیا بات ہے؟

شیخ سعید بن المسیبؒ نے اپنی ساری زندگی کو آخرت کا ذریعہ بنالیا ہے اپنی بیٹی کے لئے بھی وہی خیر اختیار کیا۔ اللہ گواہ ہے اُنھوں نے شاہزادہ ولید بن عبدالملک کو اپنا داماد بنانا اس لئے پسند نہیں کیا کہ شاہزادہ ہمسر یا قابل نہ تھا بلکہ وہ اپنی بیٹی کو مال و دولت کے فتنے سے بچانا چاہتے تھے، جیسا کہ خود ان کی زندگی ان فتنوں سے محفوظ تھی[1]۔

اہلِ دین و اہلِ دولت :۔

چنانچہ ایک صاحب نے شیخ سعید بن المسیبؒ سے کہا تھا کہ آپ نے امیرالمومنین عبدالملک بن مروان کے ولی عہد شاہزادہ ولید بن عبدالملک کا رشتہ قبول نہ کیا اور اپنی بیٹی کو ایک غریب آدمی کے نکاح میں دیدیا؟

شیخ نے فرمایا، سُنو! اللہ تمہیں ہدایت دے اولاد اللہ کی امانت ہوا کرتی ہے میں نے اس کی دُنیا و آخرت کی صلاح و فلاح کے لئے ایک دیندار، نیک و صالح فطرت نوجوان کا انتخاب کیا جو اپنے ساتھ اس کی بھی صلاح و فلاح کریگا۔ اسطرح میری

---

[1] جن حضرات کو مال و دولت نصیب نہیں ہے وہ کیا جانیں کہ مال فتنہ ہوا کرتا ہے؟ دولتمندوں کی ظاہری ٹیپ ٹاپ دیکھکر ایک خالی ہاتھ کا دل یہی تصور کرتا ہے کہ اس شخص کو چین وسکون و بے فکری حاصل ہے، حالانکہ چین وسکون و بے فکری روزِ اوّل ہی رخصت ہو چکی ہے۔

بیٹی دنیا اور اہلِ دنیا کے فتنوں سے محفوظ رہے گی۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
سوال کرنے والے نے کہا یہ کیونکر ممکن ہے؟
شیخ نے فرمایا، اچھا تم خود جواب دو، جب میری بیٹی مستقبل کی ملکہ بنکر اُموی بادشاہوں کے محلات جائے گی اور وہاں کے مال و متاع، دولت وحشمت حشم وخدم، آسائش وزیبائش اور آگے پیچھے خدّامات کے ہجوم میں ہوگی آخروہ کونسی طاقت ہے جو اُس کو رات کی تہجّد و مناجاتِ نیم شبی اور دن کے صوم وصلوٰۃ پر برقرار رکھ سکے؟ ؎

چسکا ہے مینا وجام کا ❖ شغل ہے صبح وشام کا

پھر اس کو خلیفۃُ المسلمین کی بیوی ہونے کی ذمّہ داریوں سے بھی سبکدوش ہونا ہے۔ کیا میں جانتے بُوجھتے اس قیمتی امانت کو خطرات میں ڈالدوں؟
سوال کرنے والا جواب نہ دے سکا، اسی مجلس میں ایک شامی النسل آدمی نے کہا شیخ نادرالوجود شخصیت ہیں۔ دوسرے مدنی النسل نے کہا بیشک تم نے صحیح کہا، شیخ قائمُ اللیل، صائمُ النہار، ذاکروشاغل عالم ہیں۔
مسجد نبوی شریف میں چالیس سال سے مقیم ہیں۔ ہر نماز صفِ اوّل میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کی ہے۔ اس بات کی عام شہرت ہے کہ اس چالیس سالہ طویل عرصہ میں مسجد نبوی شریف کی نماز باجماعت میں شیخ نے کسی مُصلّی کی پُشت نہیں دیکھی (یعنی ہر نماز صف اوّل میں ادا کی ہے)۔
خود فرماتے ہیں کہ تیس ۳۰ سال ایسے بھی گزرے ہیں کہ اذان کے وقت میں مسجد نبویؐ میں حاضر تھا۔ اپنی زندگی میں بکثرت بیتُ اللہ شریف کی زیارت کی اور چالیس ۴۰ سے زائد حج وعُمرے ادا کئے ہیں۔
خود اپنی جوانی میں قریش کے کسی بھی اعلیٰ خاندان کی لڑکی سے نکاح کر سکتے تھے جبکہ بہت سے اُمراء اُن کو اپنا داماد بنانے کی کوشش میں تھے لیکن شیخ نے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول ؐ کی صاحبزادی کو ترجیح دی اور اس سے نکاح کر لیا۔

یہ صرف اس لئے کہ حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جو قربت و نسبت حاصل تھی اور اُن کو روایاتِ حدیث میں جو امتیاز حاصل تھا وہ کسی اور صحابی کو نصیب نہ ہوا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ طبقہ صحابہؓ میں سب سے زیادہ احادیثِ رسولؐ کے حافظ اور اس کے عالم تھے۔ ان کی روایات کردہ احادیث کی تعداد (۵۳۷۴) کُتبِ احادیث میں موجود ہیں۔

ہمارے اُستاذِ حدیث مولانا اسعدُ اللہ صاحب رامپوریؒ نے اس تعداد کو ایک فارسی شعر میں بیان کیا تھا۔ ؎

گُن حدیثِ بُوہریرہؓ را شمار ∴ پنج الف وسی صد و ہفتاد و چار

وفات :-

شیخ سعید بن مسیب رحمہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی لاکھوں رحمتیں ہوں نادرِ شخصیت تھی ۹۴ھ میں وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سن ہجری ۹۴ھ اکابرِ ملت کی وفات کا سن تھا اس سال کئی ایک علماء و فقہاء کی وفات ہوئی ہے۔ اس سال کو تاریخِ اسلامی میں "سَنَۃُ الفقہاء" کہا گیا ہے۔ (ائمہ و فقہاء کی موت کا سال)

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ وَاَكْرِمْ نُزُلَهُمْ۔

ملحوظہ :-

شیخ سعید بن مسیبؒ آخری عمر میں کبھی کبھی داڑھی میں مہندی کا خضاب لگا لیا کرتے تھے، لبیں کبھی بہت باریک اور کبھی موٹی تراش لیا کرتے۔ لباس عموماً سفید اور اچھا ہوا کرتا تھا، عمامہ کبھی سیاہ کبھی سفید ہوا کرتا، پاجامہ بھی استعمال کرتے تھے۔

شیخ سعید بن مسیبؒ فرمایا کرتے تھے میرے دادا نے فتح مکہ (۸ھ) کے دن اسلام قبول کیا تھا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نام دریافت کیا؟ کہا میرا نام حَزَن ہے (لغوی معنی تنگی وغم)

آپؐ اپنی عادتِ شریفہ کے تحت بُرے نام تبدیل فرما دیا کرتے تھے. فرمایا آج سے تمہارا نام "سہل" (نرمی وفراخی) ہوگا.

میرے دادا جو ابھی ابھی مسلمان ہوئے تھے آداب رسالت سے واقف نہ تھے کہا یارسول اللہ! یہ نام تو میرے ماں باپ نے رکھا ہے میں اسکو تبدیل کرنا نہیں چاہتا.

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پھر تو ٹھیک ہے۔ تمہاری مرضی۔

حضرت سعید بن مسیبؒ یہ واقعہ بیان کر کے لکھتے ہیں. ہمارے خاندان میں ہمیشہ تنگی وسختی رہی ہے اور آج تک جاری ہے۔ ایک مصیبت جاتی ہے تو دوسری آجاتی ہے۔

وَلَاحَوْلَ قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ۔

مَراجع وماٰخذ

(۱) الطبقات الکبریٰ ج ۵ — ابن سعدؒ

(۲) تاریخ البخاری۔ — امام بخاریؒ

(۳) حلیۃ الاولیاء — محدّث ابو نعیمؒ

(۴) وفیّات الاعلام ج ۲ — ابن خلکانؒ

(۵) تذکرۃ الحفّاظ — امام ذہبیؒ

مَآ اَحْسَنَ الْاِسْلَامَ يَزِيْنُهُ الْاِيْمَانُ
وہ اسلام کتنا اچھا ہے جس کو ایمان نے زینت دی

وَمَآ اَحْسَنَ الْاِيْمَانَ يَزِيْنُهُ التُّقٰى
اور وہ ایمان کتنا اچھا ہے جس کو تقویٰ نے زینت دی ہو

وَمَآ اَحْسَنَ التُّقٰى يَزِيْنُهُ الْعِلْمُ
اور وہ تقویٰ کتنا اچھا ہے جس کو علم نے زینت دی ہو

وَمَآ اَحْسَنَ الْعِلْمَ يَزِيْنُهُ الْعَمَلُ
اور وہ علم کتنا اچھا ہے جس کو عمل نے زینت دی ہو

وَمَآ اَحْسَنَ الْعَمَلَ يَزِيْنُهُ الرِّفْقُ
اور وہ عمل کتنا اچھا ہے جسکو تواضع نے زینت دی

(محدث رجاء بن حیوہؒ، ۱۱۲ھ)

سلسلہ
سیرت التابعین
شمارہ ۸

سیرت
امام سعید بن جبیرؒ

المتوفی ۹۵ھ

لَقَدْ قُتِلَ سَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ وَمَا عَلَی الْاَرْضِ اَحَدٌ اِلَّا وَهُوَ مُحْتَاجٌ اِلٰی عِلْمِهٖ۔
(امام احمد بن حنبلؒ)

سعید بن جبیرؒ کو قتل کیا گیا حالانکہ روئے زمین پر ایسا کوئی عالم نہ تھا جو اُن کے علم کا محتاج نہ ہو۔

امام سعیدؒ بن جُبیرؒ

تعارُف:-

حضرت سعید بن جُبیرؒ حبشی النسّل مسلمان تھے۔ عرب اور اہلِ عرب سے وابستہ ہوگئے جس کی وجہ سے اُنھیں عربی کہا گیا۔ مضبوط، قوی الجسم، مناسب اعضار، چاق وچوبند بیدار دِل، پاکیزہ فطرت، با اخلاق وباکردار، صاحب تقویٰ عالمِ دین، اُولوالعزم علمار میں شمار کئے جاتے ہیں۔

حبشی النسل ہونے کے باوجود گورے چٹّے، دراز قد، شکل وصورت باوقار و پُرعظمت تھی۔

اِنھیں اس بات کا شدّت سے احساس تھا کہ علم ہی کے ذریعہ خدا تک پہنچا جاسکتا ہے اور تقویٰ وطہارت سے جنّت ملتی ہے۔ اپنی زندگی کو انھی دُو مقاصد کے لئے وقف کردیا تھا اور اسمیں ہمہ تن مشغول رہا کرتے تھے۔ لوگوں نے اِنھیں زندگی بھر لکھتے پڑھتے ہی دیکھا ہے یا پھر مسجد میں عبادت کرتے پایا ہے۔

اپنے زمانے میں یہ ایمان واسلام کی علامت سمجھے جاتے تھے، اکابرِ صحابہؓ کا دور پایا اور اِن سے استفادہ کیا جن میں حضرت ابُوسعید خدریؓ، عدی بن حاتمؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابُوہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، سیّدہ عائشہ صدّیقہؓ شامل ہیں۔

اِن کے خصوصی اُستاذ حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ تھے جن کو ملّت اسلامی کا سب سے بڑا عالم کہا جاتا ہے۔ (حَبرِ ھٰذِہِ الاُمّہ)

انھی بحرُ العلوم سے علوم قرآن وحدیث کا بھرپور حصّہ پایا اور فہمِ دین میں وہ مقام پایا جو ملّت کے سابقین اوّلین میں پایا جاتا ہے۔

امام اہل السنۃ احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے روئے زمین پر اب ایسا کوئی عالم نہیں جو اُن کے علم و فہم سے بے نیاز ہو۔

علاوہ ازیں انھوں نے تحصیلِ علم کے لئے اسلامی ممالک کی سیر و سیاحت کی اور وہاں کے اہلِ علم سے استفادہ کیا۔ جب اپنے مقصد کی تکمیل کرلی تو شہر کوفہ (عراق) میں مقیم ہوگئے اور دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری کیا پھر شہر کوفہ میں امام و معلّم کی حیثیت سے جانے پہچانے لگے لہ

رمضان المبارک میں تلاوتِ قرآن کا خاص معمول رکھا کرتے ہر شب صلوٰۃ التراویح کے لئے کھڑے ہوجاتے تو جامع کوفہ میں مصلّیوں کا اس درجہ اژدہام ہوجاتا کہ مسجد کے چار جوانب راستے بند ہوجاتے۔

صلوٰۃ التراویح کی تلاوتِ قرآن میں ایک ایسا نادر عنوان اختیار کرتے جو کم دیکھا گیا ہے۔ ایک رات سیّدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت کے موافق پڑھتے، دوسری رات حضرت زید بن ثابتؓ کی قرأت کے مطابق اور تیسری رات سیّدنا ابی بن کعبؓ کی قرأت کے مطابق تلاوت کرتے۔

اس طرح دس۱۰ یوم میں عشرہ قرأت تکمیل کرتے پھر دوسرے عشرہ میں یہی سلسلہ جاری رہتا۔ صلوٰۃ التراویح میں شرکت کے لئے علماء و فقہاء و محدّثین کے علاوہ حکّام و امراء و ارکانِ سلطنت بھی شریک ہوا کرتے تھے۔

ختم تراویح کے بعد کچھ دیر استراحت کرتے پھر تنہا نوافل میں مشغول ہوجاتے طویل طویل قرأت کرتے۔ اثنائے تلاوت جب عذاب و وعید کی آیات آتیں جسم پر کپکپی طاری ہوجاتی آنکھیں بہنے لگتیں، آہ و بکا کو ضبط کرتے لیکن اظہار ہو ہی جاتا،

لہ امام خصیف کہتے ہیں۔ قرآن حکیم کا سب سے بڑا عالم امام مجاہدؒ تھے۔ مناسکِ حج کا سب سے بڑا عالم امام عطاء بن ابی رباحؒ تھے۔ علم حلال و حرام کا سب سے بڑا عالم امام طاؤسؒ تھے۔ علم نکاح و طلاق کے سب سے بڑا عالم سعید بن المسیبؒ تھے۔ اور ان سارے علوم کے سب سے بڑے عالم سعید بن جبیرؒ تھے۔
(سیر اعلام النبلاء، ج ۴ ص ۳۲۶)

بعض دفعہ ایک ہی آیت کو بار بار دُھراتے، سُننے والوں کو یہ اندیشہ لاحق ہوتا کہ کسی بھی وقت دم توڑ دیں گے۔ قرآن کی یہ تلاوت سحر کے آخری وقت تک جاری رہتی پھر سنّتِ سحری سے فارغ ہوکر نماز فجر کے انتظار میں بیٹھ جاتے۔

فجر کے بعد اشراق تک ذکر و فکر میں مشغول رہتے اس کے بعد مسجد نبوی شریف میں درس و تدریس کا سلسلہ ظہر تک جاری رہتا۔ رمضان المبارک کی راتوں میں سونے کا معمول ترک کر دیا جاتا تھا دن میں کچھ دیر ستا لیتے وبس۔

سال میں دو مرتبہ بیتُ اللہ شریف کی زیارت کے لئے مکّۃ المکرّمہ آتے، ماہ رجب میں عُمرہ اَدا کرتے اور ماہ ذوالحجّہ میں حج مع عُمرہ اَدا فرماتے۔ ساری زندگی یہی معمول رہا۔

مکّۃ المکرّمہ کے زمانۂ قیام میں اہلِ علم حضرات کا ہجوم ہو جاتا۔ حرم شریف میں علمی مجالس دیر تک جاری رہتی۔ عالمِ اسلام کے علماء و فقہاء اِن مجالس میں شرکت کرتے عوام کے لئے بھی خاص وقت دیا جاتا تھا، ایسی ہی ایک مجلس میں ایک شخص نے پُوچھا خشیّتِ الٰہی کیا ہوتی ہے؟

شیخ سعید بن جُبیرؒ نے فرمایا، خشیّت دل کے اُس خوف و اندیشہ کا نام ہے جس کی موجودگی میں انسان اپنے رب کی ناراضی سے دُور ہو جاتا ہے۔

ایک اور شخص نے پُوچھا ذِکرِ الٰہی کسے کہا جاتا ہے؟

فرمایا، اللہ عزّوجلّ کی اطاعت کا نام ذکر اللہ ہے جس نے اللہ کی اطاعت کی اس نے ذکرِ الٰہی بجا لایا، اور جس نے نافرمانی کی وہ غافل ہوگیا۔

سخت آزمائش:۔

شیخ سعید بن جُبیرؒ جن ایّام کُوفہ مقیم تھے ان دنوں مشہور زمانہ امیر حجّاج بن یوسف الثقفی عراق کا گورنر تھا جس کی بدانتظامی سے مخلوقِ خدا پریشان تھی،

اپنے اقتدار و شان شوکت کو برقرار رکھنے کے لئے وہ سب کچھ کر جاتا جو دُنیا پرست بادشاہ کیا کرتے ہیں انہی ایّام ملک میں سخت انتشار پیدا ہوا۔

فوج میں بغاوت ہوگئی، ریاستیں اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کرنے لگیں، مکّۃ المکرّمہ اور مدینہ منوّرہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کا اعلان ہوا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے گورنر حجاج بن یوسف کو اس انتشار کی سرکوبی کے لئے مکّۃ المکرّمہ پر حملہ کرنے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو زندہ یا مُردہ حاضر کرنے کا حکم دیا۔ اس نادان انسان نے مکّۃ المکرّمہ پر فوج کشی کی اور حضرت عبداللہ بن زُبیرؓ اس معرکہ میں شہید ہوگئے۔ پھر عبدالملک بن مروان کی دوبارہ خلافت اور بیعت کا اعلان ہوا، لوگ سہمے ہوئے تھے اکثریت نے بیعت قبول کرلی اور بعضوں نے رُوپوشی اختیار کی۔

حجّاج بن یُوسف کے آہنی پنجے اور خطرناک ہوگئے۔ حرمین شریفین کے علاوہ دیگر شہروں میں بھی خوف و ہراس تیز تر ہونے لگا۔ جو شخص بھی عبدالملک بن مروان کی بیعت کا انکار کرتا اس کو بلا مہلت گرفتار کرلیا جاتا۔ اس اندھے قانون نے مسلمانوں کو نقل مکانی کرنے پر مجبور کردیا ہزاروں خانداں نے دیہات اور اطراف واکناف میں پناہ لی لیکن وہاں بھی انھیں چَین نہ ملا۔

ان ہنگامی حالات میں حجاج بن یوسف اور فوج کے سپہ سالار عبدالرحمٰن بن اشعث کے درمیان اختلاف پیدا ہوگئے جس سے رہا سہا امن و استقرار بھی ملیا میٹ ہوگیا۔

واقعہ یہ پیش آیا کہ حجاج نے ملک کے اس داخلی انتشار پر قابو پانے کے بعد ایران وافغانستان کے درمیان واقع شہروں کو فتح کرنے اپنی فوج کے سپہ سالار عبدالرحمٰن بن اشعث کو روانہ کیا۔ یہ دلیر و بہادر نوجوان فوج کی ایک بڑی تعداد لیکر روانہ ہوا اور بہت جلد ان شہروں (ماوراء النہر) کو فتح کرلیا جو رُوم کے بادشاہ کے زیرِ تسلّط

تھے۔ اِن معرکوں میں مالِ غنیمت کا ڈھیروں حصّہ ملا۔
مالِ غنیمت کی بھاری مقدار لیکر عراق آیا اور حجاج بن یوسف کو خوشخبریوں کے ساتھ مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ پیش کیا جو بیت المال کا حق ہوتا ہے۔ اور یہ بھی گزارش کی کہ چند ماہ مزید پیشقدمی روک دی جائے تاکہ ملک کا داخلی انتظام مضبوط کرلیا جائے علاوہ ازیں فوج کو ستانے اور آرام کرنے کا بھی موقعہ ملے، جو مسلسل معرکوں سے تھک گئی ہے۔

حجّاج بن یوسف کو اپنے ماتحت سپہ سالار کا یہ مشورہ کچھ پسند نہ آیا اور اُس کو اس میں خیر خواہی سے زیادہ سیاست نظر آئی اور بڑائی اور شان بھی جو حجّاج کے زعم و پندار پر کاری ضرب تھی اور اس کے زعم و پندار کے لئے ایک چیلنج بھی تھا۔ حجّاج غضبناک ہوگیا، سپہ سالار کو دو بدو بُزدلی و نامردی کا طعنہ دیا اور سپہ سالاری کے عہدے سے معزولی کی دھمکی دی، سپہ سالار خاموش چلا آیا، پھر اُس نے اپنے ماتحت تمام فوجی افسروں کو جمع کیا اور صورتِ حال پر مشورہ چاہا۔

فوج ویسے بھی حجّاج کے عادات واطوار سے بیزار ہوچکی تھی سب نے متفقہ مشورہ دیا کہ حجّاج کے خلاف فوج کشی کی جائے اور اس کے زعم و پندار کا خاتمہ کیا جائے۔

اس گرما گرمی ماحول میں سپہ سالار عبدُالرحمٰن بن اشعث نے فوج کے ذمّہ داروں سے کہا اگر آپ حضرات کا یہی فیصلہ ہے تو کیا آپ حضرات حجّاج کی بیعت توڑ کر میری بیعت قبول کریں گے؟

جب سب نے اتفاق کیا تو کہا آؤ مجھ سے عہد کرو کہ ہر قدم پر مدد کریں گے اور ملک عراق کو حجّاج کے تسلّط سے پاک کردیں گے۔ فوج نے بیعت کی اور وعدہ کیا۔ پھر عبدالرحمٰن بن اشعث نے اپنی فوج کو منظّم کیا اور حجّاج کے خلاف بغاوت کا اعلان کردیا۔

حجّاج ویسے بھی کہاں بخشنے والا تھا اپنی پوری قوّت وطاقت صرف کردی اور دونوں میں گھمسان کا معرکہ پیش آیا، آخر عبدالرّحمٰن بن اشعث کو فتح ہوئی۔ سجستان اور ملک فارس کے شہروں پر تسلّط ہوگیا۔ حجّاج کی فوج ان علاقوں سے فرار ہوگئی۔

اس کے بعد عبدالرحمٰن بن اشعث نے کوفہ و بصرہ کو حجّاج کے تصرّف سے آزاد کرنا چاہا۔ ابھی اس کی تیّاری میں تھا کہ حجّاج بن یوسف کو اسکے گورنروں نے خط لکھے کہ جو غیر مسلم (یہود و نصارٰی) مملکت میں ٹیکس دیکر قیام پذیر ہیں اُنکی اکثریت ٹیکس سے بچنے کے لئے اسلام قبول کر رہی ہے اور دیہات واطراف و اکناف سے جہاں کے غیر مسلم زراعت وتجارت کیا کرتے تھے شہروں کو رُخ کر رہے ہیں تجارت و زراعت ماند پڑگئی ہے خزانے پر شدید دباؤ ہے آمدنی کم ہوگئی ہے۔

حجّاج نے لکھا کہ انھیں اپنے سابقہ مقامات پر پہنچا دو اور شہروں میں انکا داخلہ بند کردو خواہ اس کے لئے جو کچھ بھی کرنا پڑے۔ اُمراء وحکام نے اسکا سختی سے نوٹس لیا اور ان سب کو شہر بدر کر دیا، ان کی عورتوں، بچّوں و بوڑھوں نے مسلمانوں سے فریاد کی، رویا چلّایا اور پیغمبرِ اسلام کی دُہائی دی۔

شہر کے نیک لوگوں نے اور علماء وفقہاء نے ان کی مدد کے لئے سفارشیں کیں لیکن وہ قبول نہ ہوئیں۔

اس وقت باغی سپہ سالار عبدالرحمٰن بن اشعث نے موقعہ غنیمت جانا، عوام اور علماء وفقہاء کو جمع کیا اور حجّاج کے ظلم وستم کا مقابلہ کرنے کے لئے ان سب کی تائید حاصل کی سب نے اتفاق کیا اور حجّاج کی بیعت سے خارج ہوجانے کا اعلان بھی کر دیا۔ اس خروج وبغاوت میں تابعینِ کرام کی بڑی تعداد شامل تھی جن کی سرپرستی شیخ سعید بن جُبیرؒ، عبدالرّحمٰن[1] بن ابی لیلٰی رحمۃ اللہ علیہ، امام شعبی[2] رحمۃ اللہ علیہ

[1] عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ کبار تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں احادیثِ رسولؐ کے بہت بڑے راوی ہیں۔

[2] امام شعبیؒ اپنی جلالت علمی وفہمی میں نابغۂ روزگار تھے۔ دیکھئے (حیات امام شعبیؒ شمارہ ۶ للمؤلف)

حضرت ابو البختریؒ[1] وغیرہم کر رہے تھے۔ یہ چاروں حضرات اُس وقت مسلمانوں کی امامت وقیادت کے مینار سمجھے جاتے تھے۔

سپہ سالار عبدالرحمٰن بن اشعث کو فوج کے علاوہ عامۃُ الناس کی بہت بڑی تعداد فراہم ہوگئی، حجّاج کی فوج سے گھمسان کا معرکہ پیش آیا۔ ابتداءً عبدالرحمٰن بن اشعث کو برتری ہوئی لیکن آہستہ آہستہ حجّاج کی فوجوں کو برتری ہونے لگی، انجام کار عبدالرحمٰن بن اشعث کو بُری طرح شکست ہوگئی اور وہ اپنی جان بچاکر فرار ہوگیا۔

ابن اشعث کی فوج اور ان لوگوں کو جنھوں نے حجّاج کی بیعت توڑ دی تھی گرفتار کرلیا گیا۔ پھر حجّاج نے بڑی شان وآن سے اعلان کروایا کہ جن لوگوں نے میری بیعت سے خروج کیا تھا وہ دوبارہ بیعت کرلیں اور اس بات کا اقرار بھی کریں کہ اُنھوں نے بیعت توڑ کر کُفر اختیار کیا تھا جو اس شرط کو پوری نہ کریں انھیں بلا مُہلت گرفتار کرلیا جائے گا۔

اس ناپاک اعلان پر باغیوں کی اکثریت نے توبہ کی اور بیعت قبول کرلی البتہ ایک بڑا طبقہ رُوپوش ہوگیا جن میں شیخ سعید بن جُبیرؒ بھی شامل تھے۔

فاسق وفاجر کی بیعت ضرورۃً ومجبوراً قبول کرلی جاسکتی ہے لیکن یہ اقرار کرنا کہ میں نے اس کی بیعت توڑ کر کُفر اختیار کیا ہے احمقانہ بات ہے۔ اہلِ ایمان کیلئے یہ شرط کسی طرح بھی قابل قبول نہ تھی۔

ہر روز سینکڑوں مسلمانوں کو گرفتار کیا جانے لگا۔ چند ہی دنوں میں ہزارہا ہزار بے گناہ مسلمان قیدی بنا لئے گئے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ۔ (الآیہ)

اس بھیانک گرفتاری کا چرچا سارے ملک میں عام ہوگیا، لوگ جنگلوں،

[1] حضرت ابو البختریؒ عابد وزاہد تابعی تھے جو طبقہ تابعین میں عزّت وعظمت سے دیکھے جاتے ہیں۔

پہاڑوں، غاروں میں پناہ لینے کے لئے فرار ہو گئے۔

اہلِ حق کو سر چھپانے کو جگہ نہ ملی ملک کے ایک نیک نام متقی و پارسا بزرگ دریائے فرات کے ایک جزیرہ میں روپوش تھے حجّاج کے کارندے وہاں پہنچ گئے اور ان سے اس روپوشی کی وجہ دریافت کی انھوں نے صاف صاف کہدیا میں وقت کا انتظار کر رہا ہوں کہ ملک پر کس کو غلبہ ہوگا پھر اُسی سے بیعت کر لوں گا۔

ان اوباشوں کو طیش آگیا، کہنے لگے او بوڑھے تو امیر المومنین حجاج کی تائید سے دست بردار ہو گیا اور ساتھ نہ دیا، اقرار کر کہ میں نے حجّاج کی بیعت توڑ کر کفر کیا ہے؟

اُن بزرگ نے نہایت متانت سے کہا، میں اسّی سال سے اللہ واحد کی عبادت کر رہا ہوں اور اب آخری عمر میں اپنے کفر کا اعلان کر لوں؟

کارندوں نے کہا تو پھر قتل کے لئے تیار ہو جا؟

فرمایا، اب میری عمر ہی کیا باقی رہ گئی ہے؟ میں تو خود اپنی موت کا صبح و شام انتظار کر رہا ہوں تمکو جو کرنا ہو کر لو۔

جلّاد نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس وقت دوست و دشمن میں کوئی ایسا نہ تھا جس کا دل اس حادثہ پر رو نہ پڑا ہو۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

پھر ان ظالموں نے ایک اور بوڑھے شخص ابن زیاد النخعیؒ کو پکڑا جو بلند درجہ تابعی، اپنی قوم کے سردار و عبادت گزار بزرگ تھے، ان سے بھی کفر کا اعتراف کروانا چاہا ان بزرگ نے بھی وہی جواب دیا جو ایسے موقعہ پر مردانِ حق دیا کرتے ہیں جلّاد نے دھمکی دی۔

فرمایا، تجھکو جو کرنا ہو کر لے، کل قیامت میں تو اور میں ہوں گے فیصلہ وہاں ہوگا۔ جلّاد نے کہا فیصلہ تو وہاں تیرے خلاف ہوگا؟

حضرت ابن زیاد نخعیؒ نے فرمایا، اس عدالت کا قاضی تو اللہ ہوگا تو کس

شمار ہیں ؟

جلّاد نے اِن کی بھی گردن اڑادی۔ لَاالٰہ اِلاَّاللہ

ایک اور بزرگ کولایا گیا اور ان سے بھی توبہ کرنے کی دھمکی دی آخر اِن کی بھی گردن اُڑادی گئی۔

اس طرح سینکڑوں بے گناہ انسانوں کو قتل کیا جانے لگا ملک میں وحشت و دہشت کی فضا پھیل گئی، اللہ کی ڈھیل نے اِن ظالموں کو اور سرکش و مغرور کردیا۔

اس اندھے قتل پر ایسی کوئی انسانی طاقت نہ تھی جو ان کو مزہ چکھائے۔ آخر اللہ تعالیٰ کی یہ ڈھیل خود ان کے گلے کا پھندا ثابت ہوئی۔

آخری آزمائش :۔

شیخ سعید بن جُبیرؒ کے آگے دو راستے تھے ایک یہ بُزدل مومنین کیطرح اپنے کفر کا اعتراف کریں، جو شیخ سے ممکن نہ تھا، دوسرا یہ کہ شہادت فی سبیل اللہ کے لئے اپنے آپ کو پیش کردیں۔

دوستوں نے مشورہ دیا کہ ملک سے ہجرت کرجایئے تاکہ اس ظالم کی نظروں سے دُور ہوجائیں۔ چنانچہ مکّۃ المکرّمہ آگئے اور یہاں شہر سے دُور ایک چھوٹی سی بستی میں مقیم ہوگئے۔ لیکن ظالموں کے بُغض وعناد کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی اس عرصہ میں مکّۃ المکرّمہ پر خلیفہ عبدالملک بن مروان کی جانب سے ایک نیا گورنر خالد بن عبداللہ القشیری نامزد ہوا، اس نالائق کو جب یہ معلوم ہوا کہ شیخ بن جُبیرؒ فلاں بستی میں روپوش ہیں تو اپنے کارندوں کو گرفتاری کے لئے روانہ کیا۔

شیخ پا بزنجیر لائے گئے جُرم صرف یہی تھا کہ انھوں نے حجّاج کی بیعت توڑ کر اپنے کفر کا اعتراف نہ کیا۔

بے نصیب گورنر نے شیخ کو اسی حالت میں عراق روانہ کرنا طے کیا جہاں اِن کے

قتل کا انتظام کیا گیا تھا۔
شیخ سعید بن جبیرؒ نے نہایت سکون وتحمّل سے چلنے کی تیاری کی اپنے ساتھیوں سے کہا یقیناً میں اس ظالم کے ہاتھوں مارا جاؤں گا، گزشتہ رات میں اور میرے دونوں ساتھیوں نے عبادتِ الٰہی اور دُعایں بسر کی تھی، آخر شب میں، ہم نے اپنے رب سے شہادت طلب کی تھی صبح کو ان دونوں نے جامِ شہادت نوش کر لیا اب میں باقی رہ گیا ہوں انشاء اللہ مجھکو بھی شہادت نصیب ہو گی۔
' بھی یہ کلام جاری تھا کہ شیخ سعید بن جبیرؒ کی معصوم بچّی اچانک سامنے آگئی باپ 'کو گرفتار با بزنجیر دیکھا تو لپٹ گئی اور رونے لگی۔
شیخؒ نے اُسے پیار ومحبّت سے ہٹایا اور کہا بیٹی رو نہیں اپنی ماں سے کہدینا اب انشاء اللہ جنّت ہی میں مُلاقات ہو گی۔
بیٹی کو رُوتا چھوڑ کر سعید بن جبیرؒ ظالموں کے ساتھ عراق روانہ ہو گئے، ظالم حجّاج کے آگے پیش کئے گئے، مغرور نے ایک تیز واہانت آمیز نظر سے دیکھا اور کہا۔
حجّاج نے کہا، تیرا کیا نام ہے؟
سعید بن جبیرؒ نے فرمایا، سعید بن جبیر۔
حجّاج نے کہا، نہیں! بلکہ تو شقی بن کُسیر (بدبخت ابن بدبخت ہے)
سعید بن جبیرؒ نے فرمایا، میری ماں میرے نام کو تجھ سے زیادہ بہتر جانتی ہے۔
حجّاج نے کہا، محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں تیرا کیا عقیدہ ہے؟
سعید بن جبیرؒ نے فرمایا، وہ اولادِ آدم کے سردار اور رسولِ مصطفٰے ہیں، اوّلین وآخرین میں سب سے بہتر، رسالت سے مشرف ہوئے، امانت کا حق ادا کیا، کتاب اللہ کی تبلیغ کی، اور انسانوں کی خیر خواہی کی۔
حجّاج نے کہا، ابوبکرؓ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟
سعید بن جبیرؒ نے فرمایا وہ اُمّت کے صدّیق، خلیفہ رسول اللہ تھے۔ زندگی بھر

طریقہ رسولؐ پر چلے پھر نیک نامی اور بھرپور سعادت سے آخرت کا سفر کیا۔

حجّاج نے کہا، اور عمر بن الخطابؓ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

سعید بن جُبیرؒ نے فرمایا، وہ امیر المومنین الفاروق تھے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کو جُدا جُدا کیا، اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے محبوب و پسندیدہ تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے خلیفہ ابو بکر صدیقؓ کے طریقے پر زندگی بسر کی آخر شہید ہوکر آخرت کا سفر کیا۔

حجّاج نے کہا، اور عثمان بن عفانؓ کے بارے میں کیا رائے ہے؟

سعید بن جُبیرؒ نے فرمایا، وہ امیر المومنین تیسرے خلیفہ، جیشُ العُسْرہ (خالی ہاتھ فوج کو غزوہ تبوک میں) سامان حرب وضرب سے لیس کرنے والے، مدینہ طیّبہ کے زمانہ قحط سالی میں اپنے باغ کے شیریں کنویں کو عام مسلمانوں کے لئے وقف کرنے والے زمین پر جنّت کے خریدار، دامادِ رسول، جن کا نکاح آسمانی وحی کے ذریعہ ہوا، آخری زندگی میں مظلوم شہید ہوئے۔

حجّاج نے کہا، اور علی بن ابی طالبؓ کے بارے میں بیان کرو؟

سعید بن جُبیرؒ نے فرمایا۔ وہ امیر المومنین چوتھے خلیفہ، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی، بچّوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے، خاتونِ جنّت سیّدہ فاطمہؓ کے شوہر، حسنؓ و حسینؓ کے والدِ محترم۔

حجّاج نے کہا، خلفاء بنواُمیّہ[1] میں کونسا خلیفہ تمکو پسند ہے؟

سعید بن جُبیرؒ نے فرمایا، وہ جو اپنے خالق کو خوش کرنے والا تھا۔

حجّاج نے کہا، آخر وہ کون تھا جسنے اپنے خالق کی رضامندی حاصل کر لی؟

سعید بن جُبیرؒ نے فرمایا، اس کا علم تو اُسی علیم وخبیر کو ہے جو ظاہر اور پوشیدہ کا جاننے والا ہے۔

---

[1] حجّاج خاندانِ بنواُمیّہ کا سردار اور اسکا ایک اہم رُکن تھا۔

حجّاج نے کہا، تم میرے بارے میں کیا خیال رکھتے ہو؟
سعید بن جُبیرؒ نے فرمایا، تم اپنے آپ کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہو۔
حجّاج نے کہا، لیکن میں تمہارا خیال جاننا چاہتا ہوں؟
سعید بن جُبیرؒ نے فرمایا، تو پھر تمکو تکلیف ہوگی خوشی و مسرّت نہ ہوگی۔
حجّاج نے کہا، میں تو بہرحال تم سے اپنے بارے میں سُننا چاہتا ہوں؟
سعید بن جُبیرؒ نے فرمایا، میں جانتا ہوں کہ تم کتابُ اللہ کی مخالفت کرتے ہو اور ایسے ایسے احکامات جاری کرتے ہو جو مخلوقِ خدا میں وَحشت و دَہشت پیدا کرے اور تمہاری شان و شوکت کو بلند کرے حالانکہ یہ اسباب تمکو خود ہلاکت میں ڈالنے والے ہیں۔
حجّاج نے کہا، اللہ کی قسم تمکو ضرور قتل کروں گا؟
سعید بن جُبیرؒ نے فرمایا، ٹھیک ہے اس عمل سے میری دُنیا ختم ہوگی لیکن تم اپنی آخرت تباہ کرلوگے۔
حجّاج نے کہا، تم اپنے لئے کس نوعیّت کا قتل پسند کرتے ہو؟
سعید بن جُبیرؒ نے فرمایا، وہ جو تم اپنی ذات کے لئے پَسند کرتے ہو۔ اللہ کی قسم جس طریقے سے تم مجھکو قتل کروگے اُسی طرح تم آخرت میں قتل کئے جاؤ گے۔
حجّاج، اپنے غیظ و غضب کو دَبا کر پُوچھا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں معاف کردوں؟
سعید بن جُبیرؒ نے فرمایا، اگر معافی ہوگی تو یہ اللہ ہی کی طرف سے ہوگی، تمہاری معافی سے کیا ہوگا؟
اس پر حجّاج کا غضب بہت بڑا چلاّ کر کہا، اے غُلام! وہ فرش جس پر مجرم کو لٹا کر قتل کیا جاتا ہے جلد لے آ۔
اس وقت سعید بن جُبیرؒ مُسکرا دیئے۔

حجاج ذرا سنبھل کر کہنے لگا۔ اس پر ہنسنے کی کیا بات ہے؟

سعید بن جبیرؒ نے فرمایا، تمہاری جرأت و بے باکی پر تعجب ہوا جبکہ اللہ عظیم کی آنکھیں تمکو دیکھ رہی ہیں۔

اس کے بعد حضرت سعید بن جبیرؒ فوری قبلہ رُخ ہو گئے اور یہ آیت تلاوت کی۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔ (الآیۃ) سورۂ انعام آیت ۸۰۔

ترجمہ:۔ میں نے اپنا رُخ سب سے یکسو ہو کر اُس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں نہیں ہوں۔

حجاج نے کہا، اس کا چہرہ قبلہ سے پھیر دو؟

سعید بن جبیرؒ نے فرمایا، فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۱۵)

ترجمہ:۔ تم جس طرف بھی مُنہ کر لو اس جانب اللہ ہی کی ذات پاؤ گے۔

حجاج نے کہا، اس کو زمین پر اوندھا لٹا دو؟

سعید بن جبیرؒ نے فرمایا، مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۵۵)

ترجمہ:۔ ہم نے تمکو اسی زمین سے پیدا کیا اور اسی میں تمکو (موت کے بعد) لے جائیں گے اور قیامت کے دن پھر دوبارہ اسی سے نکالیں گے۔

حجاج نے کہا، تجھکو اسی حالت پر ذبح کروں گا، اللہ کی کتاب کا بہت بڑا قاری بننا چاہتا ہے۔

شیخ سعید بن جبیرؒ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا دیئے اور فرمایا:

اَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْهُ عَلٰى اَحَدٍ بَعْدِیْ۔

ترجمہ:۔ اے اللہ میرے قتل کے بعد اسکو کسی پر غلبہ نہ دے۔

پھر جلاد نے تلوار چلادی، روئے زمین کا امام، عابد و زاہد، متقی و پارسا،

اللہ کا ولی، مجاہد کبیر آیۃٌ مّن آیات اللہ آناً فاناً خاک و خون میں سُرخ رُو ہو گیا۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مِنْھُمْ مَنْ قَضٰی نَحْبَہٗ (الآیۃ)

ترجمہ:۔ انھوں نے اپنی مُراد پالی۔

شفق بن کے ہوتا ہے گردُوں پہ ظاہر
یہ کس کُشتۂ بے گناہ کا لہُو ہے!

ظُلم کا انجام:۔

شیخ سعید بن جُبیرؒ کی شہادت پر دوؔ ہفتے بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ ظالم حجّاج ایک زہریلے بُخار میں مُبتلا ہو گیا اور روز بروز بخار کی شدّت تیز تر ہونے لگی بُخار کی اس شِدّت و حِدّت میں چند لمحے بے ہوش ہو جاتا پھر دوسرے لمحے بیدار ہوتا اور اپنا سر پٹکنے لگتا اور چیختا چلّاتا، نہایت خوف و ہراس میں کہتا، سعید بن جبیرؒ سے بچاؤ یہ نہایت بے دردی سے میرا گلا دبائے جا رہے ہیں اور غضبناک آواز میں مسلسل پُوچھ رہے ہیں تو نے کس جُرم میں مجھ کو قتل کیا ہے؟

چند یوم اسی حالت میں عِبرت بنا رہا جو بھی اس کو دیکھتا لعنت کرتے ہوئے واپس ہوتا۔ آخر چیخ و پکار بے قراری و خوف و ہراس کی حالت میں اپنا سر پٹکتا فوت ہو گیا۔

دفن کے بعد اس کے بعض حوار۔یوں نے خواب میں دیکھا اور پُوچھا کیا حال ہے؟

کہنے لگا میری ہلاکت و بربادی ہے۔ اللہ نے ہر انسان کے قتل پر جس کو میں نے قتل کیا ہے ایک ایک مرتبہ مجھ کو بھی قتل کیا اور سعید بن جُبیرؒ کے قتل پر ستّرؔ مرتبہ قتل کیا گیا ہوں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ النَّارِ وَاَھْلِ النَّارِ (ابن خلکان ج ۱ طبقات ابن سعد ج ۶)

عادات و اطوار:۔

حضرت سعید بن جبیرؒ کا قلب اتنا پُرسوز و رقت آمیز تھا کہ ہر وقت خشیتِ الٰہی کا اثر طاری رہا کرتا تھا، رات کی تاریکی میں اپنے رب کے آگے زار و قطار رویا کرتے تھے۔ کثرت گریہ سے آنکھیں متورّم ہو گئیں تھیں۔ رات کی نمازوں میں قرآن حکیم کی بعض آیات کو مسلسل دُھرایا کرتے۔

قسم بن ایوبؒ کہتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ ان کی قیام اللّیل کی نماز میں آیت وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۸۱) کو بیس۲۰ مرتبہ دُھراتے سُنا ہے۔

ترجمہ:۔ اُس دن سے ڈرو جس دن اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

صبح صادق سے لیکر نماز فجر تک ذکر اللہ میں مشغول رہتے اس وقت کسی سے بات چیت ہرگز نہیں کرتے۔

انھیں غیبت کرنا اور غیبت سُننا سخت ناگوار تھا، غیبت کرنے والے سے کہا کرتے تھے کہ جو تم کو کہنا ہو اُس شخص کے مُنہ پر کہو تب پتہ چلیگا۔

اپنے آپ کو اسقدر حقیر و بے قیمت سمجھا کرتے کہ گناہ کرنے والے کو ٹوکنا دُشوار ہو جاتا۔ فرماتے تھے جب میں خود گنہگار ہوں تو دوسروں کو ٹوکنے کا کیونکر اختیار ہو گا۔

حضرت سعید بن جُبیرؒ صاف سُتھرا رنگ تھے، سَر کے بال اور داڑھی سفید تھی بالوں کو خضاب لگانا پسند نہ تھا۔

کسی کے جواب میں فرمایا، اللہ تو بندے کے چہرے کو نُور (سفیدی) سے روشن کرتا ہے لیکن بندہ خضاب لگا کر اُسی نُور کو بُجھا دیتا ہے۔

رمضان المبارک میں ان کی عبادت دو چند ہو جاتی تھی، مغرب سے عشاء

تک قرآن حکیم کی تلاوت کرتے، تراویح کے بعد سحر تک تلاوت، ذکرُ اللہ، توبہ واستغفار و نوافل میں مشغول رہتے۔

رمضان المبارک کے زمانے میں کبھی کبھی ایک ہی نشست میں پُورا قرآن ختم کر لیتے۔

حج بیتُ اللہ بھی بکثرت کیا ہے جس کی تعداد کا علم نہ ہو سکا۔ طواف بیتُ اللہ کی تعداد کا احاطہ ممکن نہیں۔

مکۃُ المکرّمہ کے زمانۂ قیام میں ہر روز بکثرت طواف کیا کرتے۔ حتیٰ کہ گرفتاری کے زمانے میں بھی پابجولاں طواف کیا ہے۔

آپ کی شہادت کے حادثہ پر تمام اکابر تابعین نہایت غمزدہ تھے۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا، خُدایا بنو ثقیف کے ظالم (حجّاج) سے انتقام لے، اللہ کی قسم اگر سارے رُوئے زمین کے باشندے بھی شیخ سعید بن جُبیرؒ کے قتل میں شریک ہوتے تو اللہ ان سب کو مُنہ کے بل دوزخ میں جھونک دیتا۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۶)

ایک کرامت:

حضرت سعید بن جُبیرؒ جب شہید ہوئے ہیں اُن کے جسم سے فوّاروں جیسا خُون اُبل پڑا جو عام مقتولوں کے جسم سے دیکھا نہیں جاتا۔ حجّاج نے اطباء سے اس کا سبب پُوچھا۔

حکیموں نے جواب دیا، جسمانی خون رُوح کے تابع ہوا کرتا ہے جن لوگوں کو قتل کا حکم سُنایا جاتا ہے ان کی رُوح قتل سے پہلے ہی جسم کے خون کو آناً فاناً خشک کر دیتی ہے، اور سعید بن جُبیرؒ کی رُوح پر قتل سے پہلے اس کا کچھ اثر نہ ہوا وہ ہشّاش بشّاش تھی بلکہ راہِ حق میں شہید ہونے کے لئے بے چین تھی جسمانی

خون میں مزید اضافہ ہوا، اور جب انھیں قتل کر دیا گیا تو خون فوّاروں کی طرح اُبل پڑا۔

یہ واقعہ شعبان ۹۴ھ میں پیش آیا، اس وقت ان کی عمر شریف ستّاون ۵۷ سال تھی۔ اَللّٰھُمَّ بَرِّدْ مَضْجَعَہٗ وَنَوِّرْہٗ۔

مراجع وماخذ

(۱) الطبقات الکبریٰ ج ۶ ص ۲۵۶ — ابن سعدؒ

(۲) کتاب الزُہد ص ۳۷۰ — امام احمد بن حنبلؒ

(۳) البدایہ والنّھایہ ج ۹ ص ۹۶ — ابن کثیرؒ

(۴) تاریخ البخاری ج ۳ ص ۴۶۱ — امام بخاریؒ

(۵) وفیاتُ الاعیان ج ۲ ص ۳۷۱ — ابن خلکانؒ

(۶) طبقاتُ الفقہاء ص ۸۲ — مؤرخ شیرازیؒ

سیرت
امام عامر بن شراحیل الشعبیؒ

المتوفی ۱۰۴ھ

كَانَ الشَّعْبِيُّ وَاسِعُ الْعِلْمِ عَظِيمُ الْحِلْمِ
وَإِنَّهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِمَكَانٍ۔

(الحسن البصریؒ)

امام شعبیؒ علم کے بحر ذخائر عظیم بردبار
اور اسلام میں اُن کا بلند مقام تھا۔

امام عامر بن شراحیل الشعبیؒ

تعارف:۔

خلافتِ فاروقیؓ کے چھٹے سال (۱۹ھ) شہر کوفہ (عراق) کے معزز خاندان "الحمیری" میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ باپ نے اپنے نومولود بچے کا نام "عامر" رکھا جو بعد میں امام شعبیؒ کے لقب سے یاد کیا گیا۔

کہتے ہیں کہ یہ اپنی ماں کے بطن سے (توام) جوڑواں پیدا ہوئے جس کی وجہ سے نہایت نحیف وضعیف تھے لیکن اللہ نے اسی نحیف وضعیف وجود کو مستقبل میں علم وفہم، قوت وحفظ کا نشان بنا دیا۔ امام حسن بصریؒ جیسے محدث وفقیہ کو یہ کہنا پڑا کہ میں نے امام شعبیؒ کا علم و حلم جیسا کسی میں نہ دیکھا۔ وہ اسلام کے روشن مینار ہیں۔

امام شعبیؒ تو کوفہ میں پیدا ہوئے لیکن ان کی دلی تمنا و آرزو یہ تھی کہ تحصیلِ علم کے لئے مدینہ منورہ جائیں جہاں سینکڑوں صحابہ کرام قیام فرما تھے اور جو مرکز اسلام اور مرکز جہاد بھی تھا جہاں سے اقطاع عالم میں مجاہدین کے قافلے روانہ کئے جاتے تھے، چنانچہ کم عمری میں ہی مدینہ منورہ آگئے کم و بیش پانچ سو اصحاب رسولﷺ کی زیارت وملاقات سے مشرف ہوئے۔

ان میں اکابر صحابہؓ خاص طور پر سیدنا علی بن ابی طالبؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، زید بن ثابتؓ، عبادۃ بن الصامتؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابوسعید الخدریؓ، نعمان بن بشیرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عدی بن حاتمؓ، ابوہریرہؓ، سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے علم حدیث حاصل کیا اور روایات نقل کیں۔

قوّتِ یادداشت :۔

وہ کہا کرتے تھے کہ اپنی یادداشت میں کبھی خطا نہ ہوئی جس صحابی رسولؐ سے جو بھی سنا ہے اس کو من وعن نقل کر دیا کرتا ہوں دوبارہ پوچھنے کی نوبت نہ آتی، دن رات یہی مشغلہ تھا کسی نہ کسی صحابی رسولؐ کی خدمت میں اپنا وقت صرف کرتا اور احادیثِ رسولؐ محفوظ کر لیا کرتا۔

علم کی عظمت وشان میں اپنے ہم سبق ساتھیوں سے کہا کرتے تھے اگر کوئی شخص صرف ایک حدیثِ رسولؐ کے لئے ملک شام سے ملک یمن تک سفر کرتا ہو تو اس کا یہ دُور دراز سفر ضائع نہیں گیا۔

علم قرآن وحدیث کے اس عظیم ذخیرہ کے باوجود وہ کہا کرتے، شعروشاعری میں سب سے کم حصّہ پایا ہوں لیکن میں اگر ایک ماہ تک اپنے اشعار سُنایا کروں تو بغیر اعادہ کئے ہر شعر نیا ہوگا۔

شعروشاعری اگرچہ اپنی ذات میں مؤثر نہیں لیکن رواج ومزاج نے اسکو اہمیت دیدی ہے۔ شعر کی طبیعت پر شاعر کا اثر ہوا کرتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ عام شاعر بے عمل ہوا کرتے ہیں۔ (القرآن)

خدمات اور فیصلے :۔

شہر کوفہ کی جامع مسجد میں امام شعبیؒ کا درس ہوا کرتا تھا، شاگردوں کی اتنی کثرت ہوا کرتی کہ باری باری سے ایک ایک جماعت استفادہ کرتی یہ سلسلہ صبح تا نصف النہار جاری رہتا، حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کی اس مسجد میں صبح وشام آمدورفت رہا کرتی تھی۔ بعض اصحابِ رسولؐ کو بھی ان کی مجلس میں تشریف فرما دیکھا گیا۔ جلیلُ القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک دفعہ امام شعبیؒ کے درس

میں شریک تھے۔ امام شعبیؒ غزوات (اسلامی جنگوں) کا تذکرہ کر رہے تھے فراغت کے بعد فرمایا جو واقعات شعبیؒ بیان کر رہے ہیں اُن سے میں خوب واقف ہوں بعض کو تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور دیگر واقعات کو میرے کانوں نے سُنا ہے اس کے باوجود شعبیؒ کی معلومات مجھ سے زیادہ بہتر ہیں۔ لَاإِلٰہَ إِلَّا اللّٰہ

امام شعبیؒ خود اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، دو شخص اپنے حسب و نسب کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے، ہر ایک اپنی حیثیت کو اعلیٰ و افضل قرار دے رہا تھا یہ اختلاف جھگڑے اور فساد کے حدود میں آگیا، ایک شخص بنو عامر قبیلہ کا تھا دوسرا بنو اُسد قبیلے کا۔

عامری نے اپنے ساتھی اُسدی پر غلبہ پایا اور اس کو کھینچتا ڈھکیلتا میرے ہاں لے آیا، اُسدی نہایت عاجزی و منّت سے کہہ رہا تھا کہ مجھکو معاف کردو، مجھکو معاف کردو۔ لیکن عامری بضد مُصر تھا کہ میں اس بارے میں فیصلہ کردوں۔

میں نے دونوں کی باتیں سُنکر مظلوم اُسدی سے کہا کیا بات ہے جو تم ذلیل و خوار ہو رہے ہو؟ حالانکہ قبائلِ عرب میں تمہارے قبیلے بنو اُسد کو جن چھ باتوں میں برتری حاصل ہے وہ دوسرے کسی بھی قبیلے کو میسّر نہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ تمہارے قبیلے بنو اُسد کی ایک خاتون سیّدہ زینب بنت جحش رضؓ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاح کے لئے پیام دیا تھا جن کا نکاح عرش عظیم پر ہوا اور اس عظیم رشتے میں جبرئیل امین واسطے تھے۔ گویا اللہ تبارک وتعالیٰ اور جبرئیل امین اس مبارک نکاح کے گواہ ہیں۔ (سورۂ احزاب آیت ۳۷)

یہ فضیلت صرف تمہارے قبیلے کو حاصل ہے جس میں اور کوئی قبیلہ شریک نہیں۔

دوسری بات، تمہارے قبیلے بنو اُسد کے ایک شخص عُکّاشہ بن محصن رضؓ کو جنّت کی بشارت دی گئی جو ایک غیر معروف مسلمان تھے کسی دوسرے قبیلے کے کسی عام آدمی کو

یہ فضیلت حاصل نہیں۔

ان کے بارے میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جس کسی کو یہ پسند ہو کہ وہ کسی جنتی کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھے تو چاہیئے کہ عکاشہ بن محصن رضؓ کو دیکھ لےؔ۔ (بخاری و مسلم)

تیسری بات یہ کہ اسلام کا پہلا پرچم جنکو دیا گیا تھا وہ تمہارے قبیلے بنواَسد کے ایک صاحب حضرت عبداللہ بن جحش رضؓ تھے۔

چوتھی بات یہ کہ اسلام میں پہلا مالِ غنیمت جو تقسیم کیا گیا وہ تمہارا قبیلہ بَنُو اَسَد تھا۔

پانچویں بات یہ کہ بیعت رضوان (صُلح حُدیبیہ) میں پہلا شخص جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیعتِ رضوان کی وہ تمہارے قبیلے بنواَسد کے ابُوسنان بن وہب رضؓ تھے یہ مقام حدیبیہ میں درخت کے نیچے آئے جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ عرض کی یارسول اللہ ؐ اپنا دست مبارک دراز کیجئے تاکہ میں آپؐ سے بیعت کروں؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا کس بات پر بیعت کرنا چاہتے ہو؟

کہا اُس بات پر جو آپؐ کے قلب مُبارک میں ہے۔

ارشاد فرمایا، میرے قلب میں کیا بات ہے؟

عرض کیا فتح یا شہادت (موت)۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا، تم صحیح کہتے ہو، ابُوسنان بن وہب رضؓ نے آپؐ سے بیعت کی

لہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک مجلس میں ارشاد فرمایا تھا کہ میری اُمّت کے ستّر ہزار افراد بلاحساب و کتاب جنّت میں داخل کر دیئے جائیں گے حضرت عُکاشہ بن محصن رضؓ اچانک اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ؐ میرے حق میں دُعا فرمادیں کہ اللہ مجھکو اُن میں شامل فرمادیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، اے عُکاشہ رضؓ تم اُن میں شامل کر دیئے گئے اس انکشاف پر ایک اور صحابی اُٹھے اور انھوں نے بھی یہی درخواست کی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ (عُکاشہ رضؓ نے سبقت کرلی) (بخاری و مسلم)۔ خلافتِ صدّیقی رضؓ میں حربُ الردّہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔ اَللّٰهُمَّ ارْفَعْ دَرَجَتَهُ۔

پھر تمام صحابہؓ نے ابُو سِنان رضؓ کی بیعت کے مطابق بیعت کی۔ (اس بیعت کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں جس کا تذکرہ سورہ فتح آیت ۱۸ میں موجود ہے)۔

امام شعبیؒ نے فرمایا، اے اَسَدی یہ فضیلت صرف تمہارے قبیلے کو حاصل ہے۔

چھٹی ۶ بات، اسلام کی پہلی عظیم جنگ (بَدر) میں تمہارے قبیلہ کی تعداد سب قبیلوں سے زیادہ تھی۔

یہ تفصیل سُنکر قبیلہ بنو عامر کا آدمی مبہُوت رہ گیا اور اس نے اپنی شکست تسلیم کی اور اپنے بھائی اَسَدی سے معافی طلب کی۔

حقیقت یہ ہے کہ امام شعبیؒ کا یہ خاص مزاج تھا کہ وہ مظلوم کی بہرحال مدد کریں تاہم عامری اور اَسَدی کا یہ جھگڑا فضول قسم کا تھا لیکن امام شعبیؒ نے اس ضمن میں بکھرے موتیوں کو جمع کردیا یہ ان کے وسعت علم وفہم کا نتیجہ تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام شعبیؒ کو علم وفہم کے علاوہ سیاست وحکومت کے طور وطریقوں سے بھی بھرپور حصّہ دیا تھا وہ اُمورِ خلافت میں بھی ایسے ایسے مشورے دیا کرتے تھے جس سے عام طور پر اُمراء بے خبر ہوا کرتے ہیں۔ ان کی اسی شہرت کی بناء پر بنو اُمیّہ کے نامور خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے ایک گورنر حجّاج بن یوسف (عراق) کو لکھا تھا کہ اپنے شہر کے کسی ایسے قابل شخص کو میرے ہاں روانہ کرو جو مجھے اُمورِ سلطنت میں ضروری مشورے دیا کرے۔

امیر حجّاج نے امام شعبیؒ کو روانہ کیا، خلیفہ عبدالملک بن مروان نے انکا شایانِ شان استقبال کیا اور اپنا مُشیر وجلیس خاص نامزد کیا، ان کو عالَم کے بادشاہوں کے پاس اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا کرتا تھا۔

ایک دفعہ رُوم کے بادشاہ کے ہاں جانا ہوا، بادشاہِ رُوم امام شعبیؒ کی فہم و ذکاء علم وقابلیت سے بیحد متاثر ہوا اور غور کرنے لگا کہ کیا عرب کے بدوُوں میں بھی ایسے قابل ترین افراد ہوا کرتے ہیں؟ اپنے عام معمول کے خلاف چند ہفتے انھیں روک لیا

اوران کی ذہانت وبصیرت سے استفادہ کرتا رہا، جب امام شعبیؒ نے اپنی واپسی کا ارادہ ظاہر کیا اور اس پر اصرار بھی، تو بادشاہ نے اجازت دے دی لیکن بادشاہ کو ایک خلش تھی پُوچھا کیا آپ مُلک شام کے شاہی خاندان کے فرد ہیں؟

اِمام شعبیؒ نے کہا نہیں میں تو ایک عام مسلمان ہوں، اس پر اسکو مزید حیرت ہوئی۔ بہرحال جب روانگی کا وقت آیا تو کہا جب آپ اپنے بادشاہ عبدالملک بن مروان کے ہاں جائیں تو یہاں کی تفصیلات کے بعد میرا یہ خصوصی خط بھی ان کے حوالہ کردینا۔

امام شعبیؒ جب دمشق (شام) پہونچے تو سب سے پہلے خلیفہ سے ملاقات کی اور بادشاہ رُوم کی ساری تفصیلات سُنائی اور بادشاہ کا خصوصی خط بھی حوالہ کردیا اور واپس ہوگئے کچھ دیر بعد خلیفہ نے امام شعبیؒ کو یاد کیا۔ جب وہ تشریف لائے تو پُوچھا کیا آپ نے یہ خط پڑھا ہے؟

امام شعبیؒ نے فرمایا، نہیں۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے کہا کہ رُوم کے بادشاہ نے آپکے بارے میں نہایت تعریفی کلمات لکھے ہیں۔

اور آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ اہلِ عرب پر تعجّب ہے کہ انھوں نے اپنے مُلک پر اس نوجوان کے علاوہ دوسرے کو کیونکر خلیفہ تسلیم کرلیا؟

امام شعبیؒ نے کہا، امیرُ المومنین اُس نے آپ کو نہیں دیکھا اگر وہ آپ سے مُلاقات کرلیتا تو ایسا نہ لکھتا۔

اس کے بعد خلیفہ عبدالملک نے کہا کیا آپ جانتے ہو کہ بادشاہ رُوم نے ایسا کیوں لکّھا؟ اِمام شعبیؒ نے کہا نہیں!

خلیفہ نے کہا یہ اس لئے لکھا ہے کہ میں آپ پر حسد کروں اور اپنی حکومت کی حفاظت اور مستقبل کے تحفظ کے لئے آپ کو قتل کردوں تاکہ آئندہ تمکو کوئی ملک کا حاکم نہ بنادے۔

کہا جاتا ہے کہ رُوم کے بادشاہ کو جب خلیفہ عبدالملک بن مروان کی یہ بات پہنچی ہے تو وہ دَنگ رہ گیا اور کہنے لگا، خلیفہ نے میرے مقصد کو تاڑ لیا، حقیقتاً میرا یہی مقصد تھا۔

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۔(الآیۃ)

واقعہ یہی ہے کہ یہودی ہوں یا عیسائی، اسلام کو کب پسند کرتے ہیں جو مسلمانوں کو پسند کریں گے۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ان کی خیر خواہی اور تعلق خاطر نفاق اور عداوت کے سوا اور کچھ نہیں وہ فریب خوردہ لوگ ہیں جنھوں نے یورپ اور امریکا کو اپنا دوست وخیر خواہ سمجھا ہے۔ موجودہ دور ۲۰۰۱ء میں اُن کی یہ منافقت ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

بہر حال امام شعبیؒ نے حکومت سے وابستگی کے باوجود نہ دین چھوڑا اور نہ دُنیا کو ترجیح دی وہ جہاں عام مسلمانوں کو راہِ حق پر دیکھنا چاہتے تھے اُمراء واعیانِ سلطنت کو بھی نصیحت وہدایات دیا کرتے تھے۔ ان کی نصیحت کسی خوف واندیشے سے متاثر نہ ہوتی تھی۔

امام زُہریؒ م ۱۲۵ھ جو احادیثِ رسولؐ کو یکجا کرنے والوں میں پہلے محدّث ہیں کہا کرتے تھے کہ ”اہلِ علم تو صرف چار ہیں“۔

(۱) سعید بن المسیّبؒ مدینہ منوّرہ میں۔
(۲) عامر الشعبیؒ شہر کوفہ میں۔
(۳) حسن البصریؒ شہر بصرہ میں۔
(۴) مکحولؒ ملکِ شام میں۔

تواضع وانکساری:۔

اس علمی جلالت اور عُلوِ رفعت کے باوجود امام شعبیؒ اپنے آپ کیلئے امام یا عالم

کا لقب سُننا پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک شخص نے کسی مسئلہ میں انھیں اسطرح خطاب کیا
اے زمانے کے عالم وفقیہہ
فوری ٹوکا اور کہا اللہ تجھے ہدایت دے ہمارے بارے میں غلو نہ کر، کیا تجھے معلوم نہیں؟ فقیہہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اللہ کے حدود کی پاسداری کرتا ہو اور عالم اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے قلب میں خشیتِ الہٰی رکھتا ہو ہمارا یہ مقام کہاں کہ ہمیں عالم یا فقیہہ کہا جائے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔
ایسے ہی ایک اور شخص کے جواب میں کہا تھا کہ اس مسئلے میں سیّدنا عمر بن الخطابؓ اور سیّدنا علیؓ اس طرح فرماتے ہیں۔ سوال کرنے والے پوچھا اور جناب کیا ارشاد فرماتے ہیں؟
امام شعبیؒ شرم وحیاء سے مسکرا دیئے اور فرمایا میری رائے کا کیا وزن ہے جبکہ سیّدنا عمرؓ وسیّدنا علیؓ فرما چکے ہیں۔
امام شعبیؒ کے اخلاق وعادات میں یہ بات نمایاں تھی کہ وہ بحث ومناظرہ، اختلاف وانتشار کو پسند نہیں کرتے۔ فضول اور لایعنی باتوں سے ہمیشہ صرفِ نظر کرجاتے اُسی بات میں کلام فرماتے جس کا نفع دُنیا اور آخرت میں ملتا ہو۔ بحث برائے بحث، تبصرہ برائے تبصرہ، تنقید برائے تنقید حتیٰ کہ تحقیق برائے تحقیق کو اضاعتِ وقت اور ذہنی وفکری صلاحیتوں کو پراگندہ کرنے کے مُرادف سمجھا کرتے۔
ایک شخص نے سیّدنا عثمانؓ وسیّدنا علیؓ کے اختلافات کے بارے میں پوچھا کہ ان میں کون حق پر تھے؟
فرمایا کہ قیامت کے دن مجھ سے اس بارے میں پوچھا نہیں جائے گا میں خواہ مخواہ کسی ایک کا مقابل بنکر حضورِ رب میں کیوں آؤں؟
حقیقت یہی ہے کہ ایسے معاملات میں اسلامی تعلیمات کچھ ایسے ہی ہیں جس کا نہ کوئی حاصل ہو نہ محصول، ذہنی وفکری عیّاشی کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں۔
(سورۃ بقرہ آیت ۱۴۱)

ضبط وتحمّل :۔

جیساکہ لکھا گیا امام شعبیؒ کا علم جیسے بلند وبالا تھا ان کا ضبط وتحمّل بھی مثالی تھا اہلِ علم کے اوصاف میں ضبط وتحمّل جس کو حِلم کہتے ہیں "وقارِ علم" ہوا کرتا ہے۔ اہلِ علم کو جاننے کا یہ معیار سمجھا گیا ہے کہ اُن میں کتنا تحمل ہے۔

امام شعبیؒ کا ضبط وتحمّل ان کے تمام اخلاق میں نمایاں وصف تھا ایک شخص نے اُنھیں اپنے کسی معاملہ میں بُری بُری گالیاں دیں اور بُرے القاب سے خطاب کیا، امام شعبیؒ خاموش سنتے رہے جب وہ فارغ ہوگیا تو فرمایا اگر میں ایسا ہی ہوں جیسا تم نے کہا ہے تو اللہ میری مغفرت فرمائے، اور اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تمہاری مغفرت فرمادے، امام شعبیؒ کے اس ضبط وتحمّل پر وہ شخص رو پڑا اور سچّی توبہ کی۔

ایک اور شخص امام شعبیؒ کے پاس ایسے وقت آیا جبکہ وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ کسی ضرورت کے ماتحت باہر کھڑے تھے قریب آکر پُوچھا آپ دونوں میں شعبیؒ کون ہیں؟

امام شعبیؒ نسبتاً پست قد تھے، نہایت سادگی سے اپنی بیوی کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا یہ ہیں۔ وہ شخص شرمندہ ہوگیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حاسد اور مخالف لوگ اہلِ علم سے اسی قسم کے بے ہُودہ سوالات کرکے اپنے بُغض وعناد ظاہر کیا کرتے ہیں لیکن اہلِ علم اُلجھنے کے بجائے اِن جھوٹوں کو منزل تک پہنچا دیا کرتے ہیں۔

ایک مسخرے نے اس سے کہیں زیادہ حماقت کی، پُوچھا جناب شیطان کی بیوی کا کیا نام ہے؟ برجستہ جواب دیا ہم اُس کی محفلِ نکاح میں شریک نہ تھے ورنہ ضرور بتادیتے۔

امام شعبیؒ کہا کرتے تھے کہ میں نے ہر اُس مقام پر جانے سے پرہیز کیا ہے جہاں تحفے تحائف ملا کرتے ہیں۔ اپنے غلاموں اور ماتحتوں کو میں نے کبھی نہیں مارا ہے، میرے عزیز و اقارب میں جو بھی مقروض فوت ہوا میں نے اس کا قرض ادا کر دیا ہے۔

اور اکثر یہ بھی فرمایا کرتے کہ ایک دیہاتی کی نصیحت کو میں کبھی فراموش نہ کر سکا وہ میری مجلس میں آیا کرتا تھا لیکن ہمیشہ خاموش رہا کرتا۔ میں نے ایک دن اُس سے کہا تم بات کیوں نہیں کرتے؟

کہا "خاموشی میں سلامتی ہے اور سُننے سے علم زیادہ ہوا کرتا ہے، کان کا فائدہ خود آدمی کو ملتا ہے اور زبان کا فائدہ دوسروں کو جاتا ہے۔"

امام شعبیؒ اس حکمت والی بات کو تاحیات بیان کیا کرتے اور فرمایا کرتے کہ کبھی بے علموں سے بھی علم ملا کرتا ہے کسی کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے، اسی ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ امام شعبیؒ کی یہ طویل حیات احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت میں صرف ہوئی ہے امام حسن بصریؒ کو جب وفات کی اطلاع ملی تو فرمایا۔

"اللہ تبارک و تعالیٰ شعبیؒ پر رحم فرمائے وسیع العلم عظیم الحلم تھے۔"

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

مراجع و مآخذ

(۱) الطبقات ج ۶ ص ۲۴۷ ابن سعدؒ ❊ (۲) تاریخ بغداد الخطیب البغدادیؒ

(۳) تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۵ ابن حجرؒ ❊ (۴) وفیات الاعیان ج ۲ ص ۱۲ ابن خلکانؒ

(۵) حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۱۰ اصفہانیؒ ❊ (۶) صفوۃ الصفوہ ج ۳ ص ۴۰ ابن الجوزیؒ

مطبوعہ
وزارۃ المعارف المملکۃ العربیہ السعودیہ
۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۴ء

سلسلہ سیرت التابعین شمارہ ۱۰

سیرت امام طاؤس بن کیسانؒ

المتوفی سنہ ۱۰۶ھ
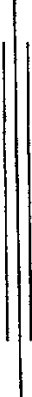
مَا رَأَیْتُ عَالِمًا قَطُّ یَقُوْلُ "لَا أَدْرِیْ" أَکْثَرَ مِنْ طَاؤس۔

(حنظلہ بن ابی سفیان)

امام طاؤس کے علاوہ کسی عالم کو بکثرت "لا ادری" کہتا نہیں دیکھا۔

امام طاؤس بن کیسانؒ

تعارف :-

طاؤس بن کیسانؒ یمن کے باشندے عجمی النسل تھے۔ علمی فضل وکمال کے لحاظ سے ان کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ وہ علم وعمل کے لحاظ سے بڑے علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ علم حدیث وفقہ میں ان کی حیثیت مسلّم تھی، پچاس سے زائد اصحاب رسولؐ سے شرف ملاقات پائی ہے اور ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے ہیں خاص طور پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسولؐ کے علم وفقہ سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہ کے خصوصی شاگردوں میں شمار کئے گئے ہیں۔

علّامہ ابن خلّکانؒ لکھتے ہیں کَانَ نَقِیْھًا جَلِیْلُ الْقَدْرِ، رَفِیْعُ الذِّکْرِ۔ (جلیل القدر فقیہہ، بلند مرتبہ امام) علم وفقہ کے علاوہ تعبیر خواب میں یمن کے ابن سیرین کہلائے گئے۔

محدّث ابن حبّانؒ کا بیان ہے کہ وہ یمن کے عبادت گزار بزرگوں میں تھے انھیں نماز سے اسقدر عشق تھا کہ بستر مرگ پر بھی کھڑے کھڑے نماز ادا کی۔

چالیس حج اَدا کئے، طواف بیت اللہ میں نہایت خاموش رہتے، کسی کی بات کا جواب نہ دیتے۔

فرمایا کرتے، "طواف نماز ہے۔" (الحدیث)

دولت اور اہلِ دولت سے بیزارگی:

دُنیا اور اس کی لذّتوں سے بہت دُور تھے زندگی بھر دُنیاوی لذّتوں کی خواہش نہ کی، ہمیشہ یہ دُعا کرتے رہے۔

"الٰہی مال و دولت کے بدلے ایمان وعمل کی دولت عطا فرما۔"

ایک دفعہ کہیں سے روپیہ پیسہ آگیا اُسی دن ایک سزایاب قیدی کو اس کا جُرمانہ ادا کرکے چھڑا لیا۔

اربابِ حکومت اور اہلِ ثروت سے تاحیات دُور رہے۔ ان لوگوں کے ساتھ خلط ملط کو بہت بڑا شر خیال کرتے تھے۔

ایک دفعہ امیر محمد بن یوسف نے حجّاج بن یوسف کا بھائی (جو یمن کا حاکم تھا) اپنے خصوصی قاصد سے کہا کہ تم کسی طرح بھی طاؤس کو میرا ہدیہ بھیجا دو وہ کسی کا ہدیہ تحفہ قبول نہیں کرتے، اگر تم اس مہم میں کامیاب ہوگئے تو میں تمہیں خصوصی انعام دوں گا۔

چنانچہ قاصد اشرفیوں سے بھری تھیلی لیکر آیا اور مختلف تدابیر و حیل سے امام طاؤس رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ کہکر تھیلی پیش کی کہ امیر محمد بن یوسف نے آپ کو سلام عرض کیا ہے اور آپ کی خدمت میں یہ ہدیہ پیش کیا ہے اور اُمّید ظاہر کی ہے کہ آپ شرفِ قبولیت سے سرفراز کریں گے۔ وہ آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے پوری پوری توقع رکھتے ہیں۔

امام طاؤس رحمہ اللہ نے پہلا جملہ یہی کہا، مجھکو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

قاصد نے دوبارہ سہ بارہ اصرار کیا، اس پر امام طاؤس رحمہ اللہ دوسری جانب متوجہ ہو گئے۔

آخر اس بے رُخی پر قاصد اُٹھ کھڑا ہوا اور چلتے چلتے شیخ کی نظر سے بچکر مکان کے

ایک محراب میں تھیلی رکھدی اور واپس آکر امیر محمد بن یوسف سے کہا، آپ کا ہدیہ دینے میں کامیاب ہوگیا ہوں، شیخ طاؤس نے آپ کا ہدیہ قبول کرلیا ہے۔ (لیکن امیر کو اسکے بیان پر اطمینان نہ ہوا اور وہ خاموش ہوگیا۔)

ڈھائی چار ہفتوں بعد امیر نے سابقہ قاصد کے ساتھ دو اور قاصد امام طاؤسؒ کے یہاں روانہ کئے، اور انھیں یہ پیام دیا کہ امام سے کہنا کہ گزشتہ ہدیہ غلطی سے آپ کے پاس پہونچ گیا دراصل وہ فلاں شخص کی خدمت میں پیش کرنے کو دیا گیا تھا براہِ کرم وہ ہدیہ واپس کردیں۔

امام طاؤسؒ نے جب یہ کہانی سُنی تو فرمایا، کہاں کا ہدیہ، کیسا ہدیہ، نہ مجھے کسی نے دیا اور نہ میں اُس سے واقف ہوں۔ دونوں قاصدوں نے پہلے قاصد کی طرف اشارہ کرکے کہا انھوں نے آپکو پیش کیا تھا۔

امام طاؤسؒ نے جب اس قاصد سے پُوچھا تم نے کب دیا اور کیا دیا؟

بس اس سوال سے اس پر کپکپی طاری ہوگئی اور اُس نے حقیقت ظاہر کردی کہ آپ کے مسلسل انکار پر میں نے وہ تھیلی آپ کے مکان کے فلاں محراب میں رکھدی تھی اور یہ خیال کیا تھا کہ آپ کسی بھی وقت استعمال کرلیں گے۔ جب دونوں قاصدوں نے محراب دیکھا تو تھیلی جوں کی توں رکھی تھی البتہ اس پر مکڑی نے اپنا جالا تان دیا تھا اور وہ نظروں سے پوشیدہ ہوگئی۔

پھر ان دونوں نے وہ تھیلی اُٹھالی اور امیر محمد بن یوسف کو پیش کردی۔

اس واقعہ نے امیر کو اتنا متاثر کیا کہ وہ زندگی بھر افسوس کرتا رہا اور امام طاؤسؒ سے کوئی تعرض نہ کیا۔

ایک واقعہ:۔

مشہور اُموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک اپنے زمانۂ خلافت میں ایک سال

حج بیت اللہ کے لئے مکۃ المکرمہ آیا۔ حرم مکی میں اپنے قاصد سے کہا حاجیوں میں اگر کوئی صحابی رسول ہوں تو انھیں لے آؤ؟ میں چند مسائل دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

لوگوں نے کہا امیر المومنین! دورِ صحابہ ختم ہو چکا ہے اس وقت یہاں کوئی صحابی موجود نہیں ہیں۔

کہا۔ پھر کسی تابعی کو زحمت دو۔

چنانچہ امام طاؤس بن کیسانؒ لائے گئے جو حاجیوں کے ہجوم میں ایک جانب مشغول عبادت تھے۔

جب یہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے پاس آئے تو اُس کے فرش کے قریب اپنے جوتے اُتار کر رکھدیئے اور بے تکلفی و سادگی کے ساتھ بغیر کسی شاہی القاب صرف نام لیکر السلام علیکم یا ہشام بن عبدالملک کہا اور بازو بیٹھ گئے۔

ہشام کو ان کا یہ طرز عمل ناگوار گزرا کہ سلام میں نہ امیر المومنین کہا نہ نام میں کنیت شامل کی اور بغیر اجازت بازو بیٹھ گئے۔ اور سب سے زیادہ بے ادبی یہ کی کہ اپنے جوتے شاہی فرش پر ایک جانب رکھدیئے۔ اس غیر شاہی آداب واکرام پر ہشام بن عبدالملک کچھ دیر ضبط کیا پھر اسطرح بول پڑا۔

اے طاؤس تم نے امیر المومنین کا اکرام نہیں کیا اور نہ شاہی آداب بجالائے، عام انسانوں کیطرح سلام کیا اور بغیر اجازت بیٹھ گئے۔

امام طاؤسؒ نے نہایت سکون اور وقار سے جواب دیا۔

جوتے میں نے شاہی فرش کے ایک جانب رکھدیئے یہ کوئی گستاخی نہیں کی میں تو ہر روز پانچ مرتبہ حرم شریف حاضری دیتا ہوں اور اپنے جوتے اسی حرم پاک کے ایک جانب رکھدیا کرتا ہوں۔ اس عمل پر نہ کبھی رب العزت ناراض ہوا اور نہ مجھ پر گرفت کی۔

آپ کا یہ کہنا کہ میں نے آپ کو امیر المومنین کے لقب کے ساتھ سلام نہیں کیا،

یہ اس لئے کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت سے متفق نہیں ہیں پھر میں آپ کو "امیرالمومنین" کیسے کہہ سکتا ہوں۔

تیسری بات یہ کہ میں نے آپ کو آپ کے نام سے خطاب کیا ہے۔

یہ کوئی گستاخی نہیں، اللہ ربّ العزّت نے اپنے برگزیدہ رسولوں کا نام ہی لیکر خطاب کیا ہے۔

یَا دَاوٗدُ، یَا مُوْسٰی، یَا یَحْیٰی، یَا زَکَرِیَّا، یَا عِیْسٰی (عَلَیْھِمُ السَّلَام)

البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دشمنوں اور گستاخوں کو کنیت سے پکارا ہے۔

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ۔ (الآیۃ)

رہا آپ کا یہ اعتراض کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر بیٹھ گیا، سُنئے۔

میں نے امیرالمومنین سیّدنا علی بن ابی طالبؓ سے سُنا ہے فرماتے تھے۔

"اگر دُنیا میں کسی جہنمّی شخص کو دیکھنا چاہو تو ایسے شخص کو دیکھ لو جو خود تو بیٹھا ہوا ہے اس کے اطراف لوگ ادب سے کھڑے ہیں"

اے خلیفہ میں نہیں چاہتا کہ آپ اہلِ نار میں شامل ہوں، اس لئے میں بیٹھ گیا۔

ہشام بن عبدالملک اس وضاحت پر شرمندہ ہوا، چند لمحات گزرنے بھی نہ پائے کہنے لگا، یا اَبا عبدُالرحمٰن (طاؤس) فجزاک اللہُ خیرًا آپ مزید نصیحت کیجئے میں آپ کی نصیحت کا محتاج ہوں۔

امام طاؤسؒ نے کہا سُنو! میں نے امیرُالمومنین سیّدنا علیؓ سے سُنا ہے فرماتے تھے:

"جہنّم کی ایک وادی میں موٹے موٹے لمبے ستون جیسے سانپ اور خچرّ جیسے بچھّو ہیں، یہ درندے دُنیا کے ان حاکموں کو کاٹیں گے اور ڈسیں گے جو اپنی رعایا میں انصاف نہیں کرتے تھے۔"

یہ کہکر امام طاؤس بن کیسان اُٹھ کھڑے ہوئے اور خلیفہ کو سلام کر کے رُخصت ہو گئے۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک کو زندگی میں پہلی بار ایسا سابقہ پیش آیا کہ اہل اللہ ماسوا اللہ کیسے بے خوف و بے طمع ہوا کرتے ہیں نہ انھیں مال و دولت کی خواہش نہ حکومت و امارت کا خوف، کلمۂ حق کا اظہار ان کا دین و مذہب ہوا کرتا ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔

اِمامِ طاؤسؒ کا بُڑھاپا:-

امام طاؤس بن کیسانؒ نے طویل عمر پائی ہے لیکن عمر کی یہ طوالت نہ اُن کے علم و عمل میں کمزوری پیدا کی نہ عقل و فہم میں فرق آنے دیا، معاملہ فہمی، حاضر جوابی، قوّت یادداشت سب کچھ ایسے ہی محفوظ تھا جیسا کہ جوانی کی حالت تھی۔

ملک شام کے ایک محدّث عبداللہ شامی کہتے ہیں کہ امام طاؤس کی ملاقات کے لئے طویل سفر طے کر کے کوفہ آیا، یہ میری پہلی ملاقات تھی اس سے پہلے امام طاؤس کو دیکھا نہ تھا۔

دروازے پر دستک دی ایک بُوڑھا ضعیف نکلا، میں نے سلام کیا پھر پُوچھا کیا آپ طاؤس بن کیسانؒ ہیں؟

بوڑھے نے جواب دیا نہیں میں اُن کا بیٹا ہوں!

میں نے اِن کے بڑھاپے اور ضُعف کی حالت دیکھکر کہا پھر تو آپ کے والد بُڑھاپے سے معذور و اپاہج، مختل الحواس ہو گئے ہوں گے اور میں تو دُور دراز علاقہ سے علمی استفادہ کے لئے آیا ہوں۔

بُوڑھے صاحبزادے نے کہا، افسوس تمکو یہ معلوم نہیں۔

کتاب اللہ کے حاملین درازی عمر کے باعث مختل الحواس، بے علم و فہم

نہیں ہوجاتے ان کا علم وفہم، ذکا وصفا، تقویٰ وطہارت سب کچھ اپنی حالت پر قائم رہتا ہے۔

پھر میں گھر میں داخل ہوا، امام طاؤسؒ کو سلام کیا اور اپنی حاضری کی غرض بیان کی۔

شیخ طاؤس بن کیسانؒ نے میرا استقبال کیا اور نہایت محبّت وشفقت سے فرمایا، پُوچھو کیا چاہتے ہو؟

میں نے کہا، پہلے تو میں، آپ سے اپنی ذات کے لئے خصوصی نصیحت چاہتا ہوں پھر احادیث شریف کا درس لوں گا۔

امام طاؤسؒ نے فی البدیہ کہا سُنو! میں تمکو کُتُب سماوی (تورات، زبور، انجیل اور قرآن حکیم) کی بیش بہا نصیحت بیان کرتا ہوں جو ان کتابوں کی رُوح ہے۔

فرمایا:۔ (۱) اللہ تبارک وتعالیٰ کا خوف اسقدر غالب ہونا چاہیئے کہ پھر اور کوئی خوف، خوف ہی نہ رہے۔

(۲) اسی طرح اُس کی ذاتِ عالی سے اُمّید وتوقع اس کے خوف سے زیادہ رکھنی چاہیئے کہ پھر کسی سے اُمّید ہی نہ رہے۔

(۳) دوسروں کے لئے وہی چیز پسند کرو جو اپنی ذات کیلئے پسند کرتے ہو۔

ایک چوتھا واقعہ:۔

امام طاؤس بن کیسانؒ کہتے ہیں۔ ایک سال میں مکّۃ المکرمہ میں مقیم تھا، مشہور زمانہ امیر حجّاج بن یُوسف حج ادا کرنے مکّۃ المکرّمہ آیا اور حرم شریف میں بیٹھکر اپنے کارندے کو یہ پیام دیکر میرے ہاں روانہ کیا کہ امیرُ المومنین حجّاج بن یوسف آپ کو طلب کرتے ہیں۔

میں نے اس کی طلبی قبول کی اور اُس کے پاس آگیا۔ حجّاج نے میرا اکرام کیا

اور اپنے قریب بٹھالیا اور ایک شاہی تکیہ بھی پیش کیا تاکہ میں اس کا سہارا لوں۔ پھر اُس نے چند مسائل دریافت کئے جسکو جاننا چاہتا تھا۔

اس درمیان ایک حاجی لبیک اللّٰھمّ لبیک کہتا ہوا قریب سے گزرا جس کی آواز میں کچھ ایسا ارتعاش و سوز تھا کہ سُننے والوں کے دل پھٹے جارہے تھے۔

حجّاج نے اپنے آدمی سے کہا ذرا اُس حاجی کو لے آؤ؟ جب وہ آیا تو پُوچھا تم کون ہو؟

حاجی نے کہا، میں ایک مُسلمان ہوں۔

حجّاج نے کہا میرا یہ مطلب نہیں میں جانتا ہوں کہ تم مُسلمان ہو لیکن یہ بتاؤ تم کس ملک کے ہو؟

حاجی نے کہا، ملک یمن کا باشندہ ہوں۔

حجّاج نے جب یہ سُنا تو پُوچھا تمہارے ملک کے حاکم کا کیا حال ہے؟

(ملک یمن کا یہ حاکم حجّاج بن یُوسف کا چھوٹا بھائی محمد بن یوسف تھا جس کو حجّاج نے حاکم یمن بنایا تھا)۔

حاجی نے کہا، وہ تروتازہ، فربہ جسم، خوش لباس نوجوان آدمی ہے۔

حجّاج نے کہا، میرا سوال اس کی صحت کے بارے میں نہیں ہے میں اُس کے عادات و اطوار معلوم کرنا چاہتا ہوں؟

حاجی نے کہا، وہ نہایت ظُلم و زیادتی کرنے والا، بندۂ نفس، اپنے خالق کا ناشکرا فسق و فجور کا شیدا انسان ہے، اُس کو اپنی رعایا سے کیا تعلق اپنا عیش و لُطف ہی مقصود ہے۔

حجّاج اپنے ہم نشینوں اور حاجیوں کے ہجوم میں حرم شریف کے اندر اپنے بھائی کا یہ مکروہ تذکرہ سُنکر سخت نادم ہوا اور اسکا چہرہ شرم سے سُرخ ہوگیا۔

پھر سنبھل کر کہا اے شخص تیری یہ جُرأت کیونکر ہوئی کہ تو میری موجودگی میں

علی الاعلان اس کی بُرائی بیان کرے، جب کہ تجھکو معلوم ہے کہ وہ میرا عزیز بھائی، پسندیدہ شخصیت و باعزّت حاکم بھی ہے؟

حاجی نے برجستہ جواب دیا، وہ آپ کے یہاں اتنا باعزّت نہیں جیسا کہ میں اپنے اس رب کے سامنے باعزّت ہوں، جبکہ میں اس کے باعزّت گھر کا طواف کر رہا ہوں اور اس کی ندا پر لبّیک اللّٰھم لبّیک کہہ رہا ہوں اور فریضۂ حج ادا کر رہا ہوں۔

یہ تلخ و تُند کلام سُنکر حجّاج خاموش ہو گیا، اور وہ حاجی ہجوم میں داخل ہو گیا۔

امام طاؤسؒ بن کیسانؒ کہتے ہیں کہ اس کی یہ حوصلہ مندی اور بے خوفی دیکھکر میں نے دل میں کہا کہ یہ کوئی غیر معمولی انسان ہے اس کا تعارف لینا چاہیئے تیزی سے میں اس کے پیچھے گیا، دیکھا کہ وہ غلافِ کعبہ تھامے اپنا چہرہ اس کو لگائے یہ کلمات کہہ رہا ہے۔

اَللّٰهُمَّ بِكَ اَعُوْذُ وَبِجَنَابِكَ اَلُوْذُ۔

ترجمہ:- اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اور آپکی جناب میں حفاظت بھی۔

اس طرح وہ کچھ دُعائیں پڑھکر حاجیوں کے ہجوم میں نظروں سے غائب ہو گیا، مجھکو اس کا شدید احساس ہوا کہ اس سے مُلاقات نہ ہو سکی اور اُمّید بھی نہ رہی کہ پھر ملاقات ہوگی۔ عجیب بات ہے کہ وہ عرفہ کی رات ہجوم میں پھر نظر آیا، میں اس کے قریب پہونچ گیا وہ دُعا میں مشغول تھا، اس کے یہ کلمات میں نے سُنے۔

"اے اللہ! اگر آپ میرے حج اور میرے عُمرے اور میری بیتُ اللہ حاضری کو قبول نہ فرمائیں تو میری زحمت و مشقّت کے اَجر سے مجھکو محروم نہ فرما۔"

یہ کہکر وہ شخص پھر ہجُوم میں غائب ہو گیا اور میں ہاتھ مَلتا رہ گیا۔

(اہلِ تصوّف کے حلقہ میں ایسے افراد کو رِجال الغیب کہا جاتا ہے)۔

وَاللّٰهُ اَعْلَم۔

امراء و سلاطین سے بیزارگی:۔

محدّث ابن عُیینہؒ کا بیان ہے کہ حکومت اور اہلِ حکومت سے گریز کرنے والے تین شخص گزرے ہیں۔

حضرت ابُوذر غفاریؓ (صحابی رسولؐ) اپنے زمانے ہیں۔ سفیانؒ ثوریؒ اور طاؤسؒ بن کیسانؒ اپنے اپنے زمانے میں۔ اِن حضرات کے ہاں اُمراء و سلاطین کا معمُولی سا احسان بھی برداشت نہ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت ابُوہریرہؓ کے خاص شاگرد وہب بن مُنبہؒ اصرار و تقاضہ کر کے حضرت طاؤسؒ کو یمن کے حاکم محمد بن یوسف کے ہاں لے گئے۔ اس وقت سَردی کا زمانہ تھا امام طاؤس بن کیسانؒ کے جسم پر ہلکے پھُلکے کپڑے تھے۔ امیر محمد بن یوسف نے ان پر ایک گرم چادر ڈلوادی اُسی لمحہ امام طاؤسؒ نے کندھا ہلا کر چادر گرادی۔ امیر محمد بن یوسف کو یہ عمل ناگوار گزرا لیکن وہ ضبط کر گیا۔

واپسی پر وُہب بن منبہؒ نے کہا، طاؤسؒ اگر تم کو چادر کی ضرورت بھی نہ تھی تو قبول کر لینے میں کیا حَرج تھا، اس کو فروخت کر کے کسی غریب کی مدد کی جاسکتی تھی؟ اِمام طاؤسؒ نے جواب دیا، یہ میں نے اس لئے کیا تاکہ آنے والے علماء امراء سے بے نیاز رہیں۔

یہی امیر محمد بن یوسف نے امام طاؤسؒ کو زبردستی اپنی حکومت میں تحصیلداری کے عہدہ پر مامُور کیا تھا۔ امام طاؤسؒ نے مجبوراً قبول تو کر لیا لیکن رقمی وصولیات حاصل نہ کرسکے۔ جو شخص عُذرداری پیش کرتا اس کو قبول کر لیتے اور جو انکار کرتا اسکی کوئی فہمائش نہ کرتے، بس تحصیلداری پوری ہوگئی۔ چند دنوں کے بعد امیر نے خود انھیں معزُول کر دیا۔

خلیفہ عمر بن عبدُالعزیزؒ (المتوفی ۱۰۱ھ) جب مسندِ خلافت پر بیٹھے تو امام طاؤسؒ

نے انھیں یہ خط لکھا۔

"اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے تمام کام اچھے ہوں تو اچھے لوگوں کو عہدہ دیجئے۔"

اس نصیحت پر خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا۔

"میری بھلائی کے لئے آپ کی یہ نصیحت کافی ہے۔"

صاحبزادے کی حکایت:۔

امام طاؤسؒ کے صاحبزادے عبداللہ بن طاؤس بھی اپنے باپ امام طاؤسؒ کے ہم مزاج تھے۔ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور (المتوفی ۱۵۸ھ) نے انھیں اور امام مالکؒ کو اپنے یہاں طلب کیا، خواہی نخواہی دونوں منصور کے دربار میں لائے گئے۔

خلیفہ منصور عبّاسی نے صاحبزادے عبداللہ بن طاؤسؒ سے خواہش ظاہر کی کہ اپنے والد طاؤس بن کیسانؒ کی کوئی ایک اور روایت سنائیں؟

صاحبزادے نے یہ حدیث سنائی۔

"قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہوگا جو خدا کی حکومت میں شرک کرے گا۔ (یعنی ظلم کرے گا۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ۔ الآیۃ)

یہ نصیحت آموز حدیث سنکر منصور عبّاسی خاموش ہوگیا۔ چند لمحات بعد حضرت عبداللہ بن طاؤسؒ سے کہا اپنے آگے کی دوات قلم دیجئے، لیکن صاحبزادے نے تعمیل نہ کی۔ منصور کو غصّہ بھی آیا اور تعجب بھی ہوا۔

پوچھا، دوات قلم آپ کے آگے رکھی ہے آپ کیوں نہیں اٹھاتے؟

صاحبزادے عبداللہ بن طاؤسؒ نے کہا اگر آپ اس سے کوئی ظالمانہ حکم لکھیں گے تو اس میں میری بھی شرکت ہوجائے گی اس لئے میں نے احتیاط اختیار کی ہے۔

منصور عباسی نے ان کی یہ کھری باتیں سُنکر دونوں کو رُخصت کیا۔
حضرت عبداللہ بن طاؤسؒ نے کہا ہم تو یہی چاہتے تھے۔
امام مالکؒ فرماتے تھے کہ اس واقعہ کے بعد میں حضرت عبدُاللہ بن طاؤسؒ کی جرأت وصداقت کا معترف ہوگیا۔

اہلِ علم کے یہ سلوک دراصل نہ بداخلاقی ہیں نہ خشک مزاجی، تعلیم وتربیت کے مختلف اطوار ہوا کرتے ہیں جو محل وقوع کے لحاظ سے ضروری اور مفید ثابت ہوئے ہیں۔

متکبّروں اور ظالموں کے ساتھ جو عنوان اختیار کیا جاتا ہے وہ تواضع پسند انکسار مزاج والوں کے لئے مناسب نہیں ہوتا، اسی طرح اس کا برعکس معاملہ ہے اہلِ علم کے مذکورہ واقعات اسی حکمت ومصلحت کے تحت پیش آئے ہیں، جو ان حضرات کی دعوت وتبلیغ کا خاص عنوان رہا ہے۔

نوجوانوں کی اصلاح :۔

امام طاؤسؒ کو نوجوان نسل کی جدّت پسندی، چال ڈھال، غیر مردانہ وضع قطع سے سخت نفرت تھی وہ ان کی اس حالت کو کبھی برداشت نہیں کرتے۔

ایک مرتبہ قریش کے چند خوش پوشاک، جدّت پسند نوجوانوں کو دیکھا تو فرمایا تم لوگ ایسا لباس کیوں استعمال کرتے ہو جو تمہارے بڑوں نے نہیں پہنا ہے اور ایسی چال کیوں چلتے ہو جس میں نسوانیت کی خُو بُو ہو

ایک دفعہ اپنے صاجزادے عبداللہ طاؤس کو اس طرح نصیحت کی۔

بیٹا! "اہلِ علم وفہم کی صحبت اختیار کرو تمہارا بھی شمار ان میں ہوجائیگا جاہلوں، غافلوں کی صحبت سے بچو ورنہ تم اسی طبقہ میں شمار ہوگے۔ اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ ہر چیز کا ایک مقصد ہوا کرتا ہے، انسان کا

اعلیٰ مقصد اپنے دین و اخلاق میں کمال پیدا کرنا ہے۔"

وفاتؒ :-

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے امام طاؤس بن کیسانؒ حج اور عمرے بکثرت کیا کرتے تھے جس کا سلسلہ آخر عمر تک جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ذوق کو حسنِ قبول بخشا۔ ۱۰۶ھ میں حج کے موسم میں جو ان کا چالیسواں حج تھا یوم عرفہ سے دو یوم پہلے احرام کی حالت میں اس دنیا سے کوچ کیا اور ارضِ مقدس کو اپنا ابدی ٹھکانہ بنا لیا، اور یوم الحشر لبیک اللّٰھم لبیک کہتے اٹھیں گے۔

جنازے میں اتنا ہجوم تھا کہ چلنا دشوار ہو گیا، ہزاروں حاجیوں کے ہاتھ سپردِ خاک ہوئے۔

وَجَزَاهُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ، وَمَا أَطْيَبَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ۔

مراجع وماخذ

(۱) طبقات ابن سعدؒ ج ۷ ــ ۵
(۲) تہذیب التہذیب ج ۵۔
(۳) ابن خلکان ج ۱ - ۵۔
(۴) شذرات الذہب ج ۱۔

سلسلہ
سیرت التابعین
شمارہ ۱۱

سیرت

امام القاسم بن محمد بن ابی بکرؒ

المتوفی سنہ ۱۰۷ھ

لَوْ کَانَ لِیْ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ لَوَلَّیْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ الْخِلَافَۃَ۔

(عمر بن عبدالعزیزؒ)

اگر مجھکو اختیار رہوتا تو قاسم بن محمدؒ کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کرتا۔

حضرت القاسم بن محمدّ بن ابی بکرؒ

تعارُف :۔

حضرت قاسم بن محمدؒ ایسے جلیل القدر تابعی ہیں جن کے والد محمد بن ابُوبکر اور دادا خلیفۂ رسول اللہ سیّدنا ابُوبکر صدّیق رضؓ اور والدہ شاہِ کسریٰ (ایران کے بادشاہ یزدجرد) کی صاحبزادی اور پھوپھی صاحبہ اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضؓ ہیں۔ یہ نصیبہ بہت کم انسانوں کو ملا ہے۔

حضرت قاسم بن محمدؒ اپنی اس عالی شرافت وسیادت کے علاوہ علم وتقویٰ میں اُن سات فقہاءِ مدینہ میں شامل ہیں جنکو مدینۃ الرّسُول کے "فقہاءِ سبعہ"[1] کہا جاتا ہے۔

حضرت قاسم بن محمدؒ کو خاندانِ نبوّت سے جو قرب حاصل تھا اس کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ وہ مستقبل میں امام اور قائد کی حیثیت سے مسلمانوں کے لئے نورِ ہدایت ثابت ہوئے۔

ان کی پیدائش خلافتِ عثمانی رضؓ کے آخری زمانے میں ہوئی جبکہ ملّتِ اسلامی میں منافقوں اور فسادیوں کی ریشہ دوانیاں عرُوج پر تھیں اور ملک کا نظام درہم برہم کیا جارہا تھا، اسی ہنگامہ میں تیسرے خلیفہ سیّدنا عثمان بن عفان رضؓ کی مظلومانہ شہادت کا واقعہ بھی پیش آیا جس سے ملک میں مزید افتراق وانتشار پیدا ہوگیا۔

---

[1] فقہاءِ سبعہ :۔ عُروۃؒ بن الزبیرؒ، ابُوبکرؒ بن عبدالرحمٰن المخزومیؒ، خارجہؒ بن زیدؒ، سلیمانؒ بن یسارؒ، عُبیداللہؒ بن عبداللہ بن عتبہؒ، القاسمؒ بن محمدؒ، سعید بن المسیّبؒ۔ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم۔
مدینہ منورہ کے یہ سات فقہاء تاریخِ اسلامی میں "فقہاءِ سبعہ" کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں انکا علم وعمل تقویٰ وطہارت قیامت تک کے مسلمانوں کیلئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

ملک شام میں حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ اور ملک مصر میں حضرت محمد بن ابو بکرؓ کی حکومت تھی جنکو امیرالمومنین سیدنا عثمانؓ نے نامزد کیا تھا۔ سیّدنا عثمانؓ کی شہادت کے اس المناک حادثہ کے بعد مدینہ منوّرہ کے مسلمانوں نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو خلیفہ نامزد کیا اور ان کی بیعت کو قبول کرلیا۔

پھر سیّدنا علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے جو مسلمانوں میں قتل وخون و اختلافات و انتشار کا باعث بنے۔

قاسم بن محمد اور ان کی ایک کمسن بہن کو مدینہ منوّرہ سے ان کے والد محمد بن ابوبکر کے پاس روانہ کردیا گیا جہاں وہ ملک مصر کے حاکم تھے لیکن خلافت کا یہ انتشار محمد بن ابوبکر کی شہادت پر پورا ہوا۔ پھر ان دونوں بچوں کو مدینہ منوّرہ واپس بلوا لیا گیا۔

خود قاسم بن محمدؒ اپنی یتیمی کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

خصوصی تربیت:۔

جب میرے والد محمد بن ابوبکر ملک مصر میں شہید ہوگئے تو میرے چچا عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ مجھکو اور میری کمسن بہن کو مدینہ منوّرہ لے آئے ہماری پھوپھی صاحبہ اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدّیقہؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ سے ہمیں گود لے لیا اور بیتِ نبویؐ میں ہماری پرورش کرنے لگیں۔

میں نے اپنی زندگی میں کسی ماں باپ کو ایسا شفیق و کریم نہیں دیکھا جیسا کہ پھوپھی صاحبہ کا ہمارے ساتھ برتاؤ رہا ہے وہ ہم دونوں بھائی بہن کو پہلے اپنے ہاتھ سے کھلاتی پلاتی اور ماباقی کھانا خود تناول کرتیں۔ ہمارے کھیل کود اور کھانے پینے، سونے جاگنے کے اوقات مقرر تھے وقت پر سارے کام خود انجام دیا کرتی تھیں ہمیں اپنی یتیمی کا قطعاً احساس ہونے نہ دیا۔

اس خصوصی پرورش کے علاوہ وہ ہماری تعلیم و تربیت پر خصوصی توجّہ دیتی تھیں اچھے اخلاق کی تاکید اور بُرے اخلاق سے پرہیز کی ہر وقت تفہیم کرتیں۔ قرآن حکیم اور احادیثِ رسولؐ کی تعلیم کا خاص معمول تھا۔ ہمیں کم عُمری میں قرآن و حدیث پر اچھا خاصا عُبور ہو چکا تھا۔

ہم دونوں بھائی، بہن کو جب دُنیا کا کچھ شعور بیدار ہوا تو ایک دن ہمیں اچھے اور قیمتی کپڑے پہنائے اور خوشبو و عطر میں بسا کر اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کو طلب کیا اور یہ کہکر ان کے حوالہ کیا کہ بھائی صاحب میں نے تمہارے دونوں بھتیجوں کو تم سے لے لیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ ان بچّوں کی خصوصی پرورش کروں ویسے بھی یہ دونوں بچےّ میرے بھتیجے ہیں اس لحاظ سے تمہارا اور میرا رشتہ یکساں ہے۔ لیکن تم نے میرے اس اقدام کو پسند نہیں کیا اور میرے گھر آنا جانا کم کر دیا مجھے اس کا احساس ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں نے دونوں یتیم بچّوں کے بارے میں تم پر کوئی بدگمانی نہیں کی اور نہ اس کا اندیشہ کیا کہ تم ان کی تعلیم و تربیت میں اہتمام نہ کرو گے، لیکن بات یہ ہے کہ آپ کا کنبہ بڑا ہے اور افراد خاندان کی بھی کثرت ہے اور یہ دو یتیم جو نہایت کمسن ہیں اِن کو خصوصی توجّہ کی ضرورت تھی۔

میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد گھریلو اُمور سے فارغ ہو چکی ہوں اب کوئی ذمّہ داری نہ تھی۔ علاوہ ازیں بچّوں سے ویسے بھی میرا گھر خالی تھا میرا گھر بچوں کی تربیت کے لئے زیادہ مناسب تھا، اس لئے میں نے اِن دونوں بچّوں کو تم سے گود لے لیا اب یہ بچےّ شعُور کو پہنچ گئے ہیں آگے کی تعلیم و تربیت کی ذمّہ داری تم قبول کر لو میرا مقصد حاصل ہو چکا ہے۔

قاسم بن محمدؒ کہتے ہیں کہ ہمارا چچا عبدالرحمٰن بن ابُوبکر اپنے گھر لے گئے اور اپنے افرادِ خاندان میں شامل کر لیا۔

چونکہ ہمارا دل بیتِ نبویؐ کے لیل و نہار سے مانوس ہو چکا تھا اپنی پھُوپھی سیّدہ

عائشہ صدیقہؓ سے دوری برداشت نہ کر سکا وقتاً فوقتاً بیت عائشہؓ آیا کرتا اور پھوپھی جان صاحبہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عادات واطوار اور آپؐ کی زندگی کے حالات معلوم کرتا ایک دن میں نے پھوپھی جان صاحبہ سے عرض کیا۔

حجرۂ شریف کی زیارت:۔

اماں جان! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے دونوں رفیق سیّدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیّدنا عمر الفاروقؓ کے قبروں کی زیارت کرادیں۔ اُن دِنوں حُجرۂ پاک بند کر دیا گیا تھا لوگ باہر ہی سے اس کی زیارت کر لیا کرتے تھے۔

سیّدہ عائشہ صدّیقہؓ نے میری خواہش کو پورا کیا۔ میں نے دیکھا کہ تینوں قبریں نہ اُونچی ہیں اور نہ ہی زمین کے برابر ہیں۔ (معمولی سی اُونچائی تھی جس کو احادیث کی کتابوں میں ایک بالشت اُونچی کہا گیا ہے۔)

میں نے کہا، امّاں جان! اِن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کونسی ہے؟

ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا یہ! اس کے معاً بعد سیّدہؓ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دوؔ قطرے گر پڑے جس کو میں نے دیکھ لیا، سیّدہ عائشہ صدّیقہؓ نے اس کو محسوس کیا اور اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

میں نے دیکھا کہ قبر نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ساتھیوں کی قبر سے کچھ اُوپر تھی۔ پھر میں نے پُوچھا، میرے دادا جان سیّدنا ابوبکر صدّیقؓ کی قبر کونسی ہے؟

فرمایا، وہ یہ ہے۔

دادا جان کی قبر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سر مُبارک سے ذرا نیچے سینہ مُبارک کے پاس تھی۔

پھر میں نے کہا، اور یہ تیسری قبر سیّدنا عمر الفاروق رضؓ کی ہے۔

فرمایا، ہاں!

سیّدنا عمر الفاروق رضؓ کی قبر سیّدنا ابوبکر صدّیق رضؓ کی کمر کے قریب تھی (اس طرح سیّدنا عمر الفاروق رضؓ کا سر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم ہائے مبارک کے مقابل تھا) حجرہ شریف کی پاک قبروں کا نقشہ تقریباً اس طرح ہے۔
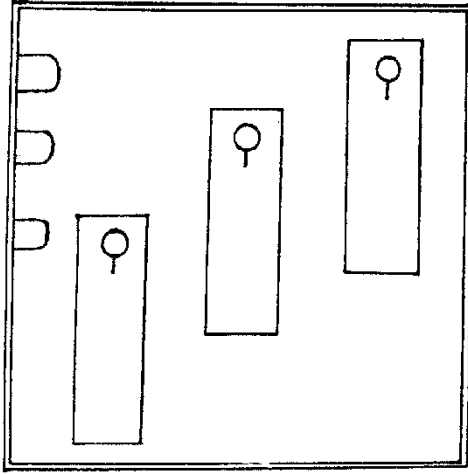
میں نے یہ تفصیل اپنی پھوپھی اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضؓ سے حاصل کی ہے۔

فصلواتُ ربّی وسلامُہٗ علیہ۔

تحصیلِ علم:۔

بہرحال جب حضرت قاسم بن محمدؒ نے قرآن شریف حفظ کر لیا اور احادیثِ رسولؐ کا ذخیرہ سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضؓ سے پا لیا تو مسجد نبوی شریف سے وابستہ ہو گئے اس وقت مسجد شریف میں صحابہ کرام کے بڑے بڑے علمی حلقے جاری تھے اِن حلقات میں

اہتمام کے ساتھ شریک ہوتے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے علم مُبارک سے فیضیاب ہوتے۔ جن اصحابِ رسولؐ کی مجلسوں میں شریک ہوتے اُن کے اسمارِ گرامی یہ ہیں۔

حضرت ابُوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ، حضرت عبدُاللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن جعفرؓ، حضرت عبداللہ بن خبابؓ، حضرت رافع بن خدیجؓ، حضرت اسلم مولیٰ عمر بن الخطابؓ وغیرہم۔

اِن اکابرینِ ملّت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا علم شریف براہِ راست مِلا۔

مسندِ درس و تدریس:

کچھ ہی عرصہ بعد قاسم بن محمدؒ "امام الحدیث" کے لقب سے پُکارے گئے۔ یہ ایسا لقب تھا جو صرف اُسی عالم کو دیا جاتا تھا جو اپنے زمانے میں کتابُ اللہ اور سُنّتِ رسول اللہؐ کا سب سے بڑا عالم ہو۔

امام قاسم بن محمد کی علمی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ علم حدیث کے طالبین جن میں محدّثین کرام بھی ہوا کرتے مسجد نبویؐ شریف کا رُخ کرنے لگے۔ اس طرح حضرت قاسم بن محمدؒ کا علمی حلقہ مسجد نبوی شریف کا سب سے بڑا حلقہ قرار پایا۔ وہ ہر روز صبح مسجد نبوی شریف تشریف لاتے پہلے دُو رکعت تحیّۃ المسجد ادا کرتے پھر مواجھہ شریف میں آتے اور سلام عرض کرتے پھر مقام "رِیاضُ الجنّہ" میں اس جگہ بیٹھ جاتے جہاں سیّدنا عمر الفاروقؓ بیٹھا کرتے تھے اور احادیثِ رسولؐ کا درس دیتے تھے۔

اس دعوت و تبلیغ کا اثر یہاں تک پہنچا کہ قلیل عرصے میں بے تخت و تاج کے بادشاہ سمجھے جانے لگے۔ اس عظمت و احترام میں ان کا تقویٰ کارفرما تھا۔ شاہانِ بنو اُمیّہ مدینہ منوّرہ کے کسی بھی معاملہ میں ان کے مشورہ بغیر کوئی اقدام نہیں کرتے۔

مسجدِ نبویؐ کی توسیع:۔

جب خلیفہ ولید بن عبدالملک نے (المتوفی ۹۶ھ) مسجد نبوی شریف کی توسیع اور اس کی تعمیرِ جدید کا اِرادہ کیا تو مسجد شریف کے اطراف حُجراتِ نبویؐ کو مسجد میں شامل کرنا ضروری تھا کہ اس کے بغیر توسیع ممکن نہ تھی، لیکن یہ کام ایسا نازک اور حسّاس تر تھا کہ خود خلافت خطرے میں پڑ جاتی مسلمانوں کو حُجراتِ نبویؐ سے جو عقیدت و تعلق خاطر تھا وہ ایسا ہلکا نہ تھا کہ آنکھوں کے سامنے حُجراتِ نبویؐ کو ڈھا دیا جائے، خلیفہ ولید بن عبدالملک بہت فکرمند تھا کہ اس مہم کو کس طرح پُورا کیا جائے۔

آخر اس نے مدینہ منوّرہ کے گورنر عمر بن عبدالعزیزؒ (المتوفی ۱۰۱ھ) کو لکھا کہ مسجد نبوی شریف مسلمانوں کے لئے ناکافی ہو رہی ہے، کثرتِ ہجوم سے لوگ اس سعادت سے محروم ہو رہے ہیں خاص طور پر حج کے زمانے میں اندرونِ مسجد داخل ہونا بھی ممکن نہ رہا لہٰذا موجودہ مسجد شریف کی چاروں دیواروں کو منہدم کرکے اُسکی وسعت میں ۲۰۰×۲۰۰ کا اضافہ کر دیا جائے اور حُجراتِ نبویؐ کو مسجد کے احاطے میں شامل کر لیا جائے اور آس پاس کے مکانات اور کھُلے حِصّوں کو بھی معقول رقم دے کر اُن کے مالکین سے حاصل کر لیا جائے۔

چونکہ یہ نہایت نازک اور پُرحسّاس کام ہے اپنے ماموں زاد بھائی قاسم بن محمدؒ اور اُن کے خالہ زاد بھائی سالم بن عبداللہ کو اس مہم میں شریک کر لیں تاکہ مدینہ منوّرہ کے مسلمانوں کو یہ اطمینان ہو جائے کہ جس کام میں یہ دونوں بزرگ شریک ہیں اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں، اس طرح اختلاف و انتشار نہ ہوگا اور ہماری یہ عظیم مہم تکمیل پا سکے گی۔

اور آپ کو اس اقدام میں کسی اندیشے کی ضرورت نہیں کیونکہ مسجد نبوی شریف کی

توسیع و تعمیر آپ سے پہلے سیّدنا عمر الفاروقؓ اور سیّدنا عثمان غنیؓ بھی کر چکے ہیں ان کا اسوہ آپ کے لئے کافی ہے۔

خلیفہ نے اپنا یہ مکتوب خصوصی سفیر کے ذریعہ مدینہ منوّرہ روانہ کیا۔

گورنر مدینہ منوّرہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت قاسم بن محمدؒ اور حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ اور شہر کے نیک نام بڑے لوگوں کو جمع کیا اور خلیفہ کا مکتوب پڑھکر سنایا۔

دونوں امام نے اور شہر کے سرآوردہ مسلمانوں نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کی مرسلہ تجویز کو پسند کیا اور اس کے نفاذ میں خود شریک ہونے کا تیقن بھی دیا چنانچہ کام کا آغاز کیا گیا۔

مدینہ منوّرہ کے مسلمانوں نے جب یہ منظر دیکھا کہ امام الحدیث قاسم بن محمدؒ اور ان کے رفیقِ خاص سالم بن عبداللہؒ تعمیر جدید کے لئے قدیم مسجد اور حُجراتِ نبویؐ کو ڈھانے میں حصّہ لے رہے ہیں تو سب نے اس عمل کو خیر ہی جانا اور جسدِ واحد کی طرح شریکِ عمل ہو گئے۔

مسجد نبوی شریف کی یہ تیسری بڑی توسیع تھی جو امام قاسم بن محمدؒ کے تعاون سے تکمیل پائی۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ خلافتِ اُموی کی فوجیں خطّۂ عرب سے نکل کر بیرونِ عرب پئے درپئے فتوحات حاصل کر رہی تھیں۔

آرمینیا، قسطنطنیہ اور ملک رُوم کے بڑے بڑے شہر اسلامی خلافت کے زیرِ فرمان ہو رہے تھے۔ رُوم کا بادشاہ مسلمانوں کی اس انقلابی یلغار سے خوفزدہ تھا اس وقت اس نے مناسب سمجھا کہ ایسے وقت مسلمانوں کی ہمدردی اور خیر خواہی حاصل کرنے کا مناسب موقعہ ہے کیوں نہ تعمیر مسجد کی مہم میں حصّہ لیا جائے۔

چنانچہ اس نے ایک لاکھ مثقال سونا اور ملک رُوم کے تعمیری ماہرین کی ایک بڑی جماعت روانہ کی جو ۱۰۰ نفوس پر مشتمل تھی۔ علاوہ ازیں ملک رُوم کے قیمتی و نایاب پتھر بھی چالیس اُونٹوں پر لاد کر خلیفہ ولید بن عبدالملک کی خدمت

میں ملک شام روانہ کر دیا۔

اس غیر متوقع مالِ غنیمت کو خلیفہ ولید نے تائیدِ الٰہی خیال کیا اور سارا ذخیرہ مدینہ منوّرہ روانہ کر دیا۔

گورنر مدینہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینہ منوّرہ کے ان دو جلیل القدر امام قاسم بن محمدؒ اور سالم بن عبداللہؒ کی ہدایات پر مسجد نبوی شریف کا جدید نقشہ تیار کروایا اور ماہرینِ تعمیر کی وہ ساری صلاحیتیں حاصل کیں جو کسی عالیشان محل کے لئے اختیار کی جاتی ہیں۔ تاریخِ اسلامی میں مسجد نبوی شریف کی یہ بلند و بالا پُروقار تعمیر خشتِ اوّل سمجھی جاتی ہے۔

اور آج ان سطور کے لکھتے وقت سنہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء حکومتِ سعودی عرب کے فرمانرواؤں نے مسجد نبوی شریف کی جدید تعمیر و ترمیم اور اس کی بے پناہ وسعت اور فراخی اور اندرونِ مسجد و بیرونِ مسجد کی شان و آن کو قیاس و اندازوں سے بالاتر کر دیا ہے۔ مسجد نبوی شریف آج دنیا کی کسی بھی مذہبی یا نیم مذہبی عمارتوں میں اپنی مثال آپ قرار پاتی ہے۔ فجزاھم اللہ خیرا الجزاء۔

اخلاق و عادات:۔

امام قاسم بن محمدؒ اپنے تقویٰ و طہارت اور اتباعِ سنّت میں اپنے معزّز دادا سیّدنا ابوبکر صدّیقؓ سے بہت حد تک مشابہت رکھتے تھے، حتّٰی کہ یہ بات مشہور ہو گئی (سیّدنا) ابوبکر صدّیقؓ کی اولاد میں ایسا کوئی دوسرا لڑکا پیدا نہ ہوا۔

اخلاق کی بلندی، عادات و اطوار کی رفعت، ایمانی قوت و شجاعت، زُہد و ورع کی خصلت، ایثار و قربانی کی عادت اور داد و دہشت کی کثرت نے دُنیا جہاں کے اہلِ سخا کو پیچھے کر دیا۔

امام قاسم بن محمدؒ اپنی اولاد کی تربیت میں خصوصی توجّہ دیا کرتے تھے۔ انھیں

ہر موقعہ پر ہدایات دیا کرتے اور خود بھی اپنا عملی اُسوہ پیش کرتے، تربیتِ اولاد میں تعلیم و تفہیم سے کہیں زیادہ عمل مؤثر ہوا کرتا ہے اس لئے حتی الامکان اخلاق و عادات کا نمونہ پیش کیا کرتے۔

ایک دیہاتی ان کے پاس آیا اور بلا کسی پاس و لحاظ پوچھنے لگا، آپ بڑے عالم ہیں یا سالم بن عبد اللہ؟

شیخ قاسم بن محمدؒ نے توجہ نہ دی، اُس نے پھر پوچھا، آپ نے فرمایا سبحان اللہ کیا سوال ہے؟

اس دیہاتی نے تیسری بار وہی سوال دُہرایا۔

آپؒ نے فرمایا، دیکھو وہ بیٹھے ہیں سالم بن عبد اللہؒ۔

حاضرین کو نہایت تعجب ہوا کہ کیا لطیف جواب دیا کہ نہ اپنی شان ظاہر کی اور نہ جواب میں خلافِ واقعہ کہا۔

یقیناً شیخ قاسم بن محمدؒ، شیخ سالم بن عبد اللہؒ سے افضل تھے۔

ایسے ہی ایک اور مرتبہ حج بیت اللہ کے موقع پر میدانِ منیٰ میں حاجیوں کا ہجوم ہو گیا ہر شخص اپنے اپنے مسائل دریافت کر رہا تھا شیخ قاسم انکا جواب دیتے اور کبھی یہ کہتے کہ میں نہیں جانتا، کسی اور عالم سے دریافت کر لو۔

قریبی لوگوں کو تعجب ہو رہا تھا کہ یہ کیسے بے نفس و متواضع آدمی ہیں جس بات کا علم نہیں ہوتا اس کا اعتراف کر لیتے ہیں۔

خود فرمایا کرتے تھے کہ جس بات کا علم ہو اس کے بیان کرنے میں بُخل نہ کرنا چاہیئے اور جس کا علم نہ ہو اس کا بھی اظہار کر دینا چاہیئے، خاموش یا انجان ہونا جائز نہیں۔

اور یہ بھی فرمایا کرتے لَا اَدْرِیْ نِصْفُ الْعِلْمِ۔ (میں نہیں جانتا کہنا بھی نصف علم کی بات ہے۔) اپنی ناواقفیت کا اعتراف کر لینا بے علم بات کہنے سے زیادہ بہتر ہے۔

یہی وہ خصوصیت تھی کہ شیخ قاسم بن محمدؒ کو ہمعصر علماء میں عزّت و احترام کا بلند مقام عطا کیا تھا۔

ایک دفعہ امیرالمومنین کی جانب سے مالِ غنیمت تقسیم کرنے کی خدمت سپرد کی گئی، شام تک نہایت حزم و احتیاط سے اہلِ حقوق کو ان کے حقوق دیدیئے لیکن ایک شخص اپنے حصّے سے مطمئن نہیں ہوا، دوسرے دن مسجد نبوی ؐ میں آیا شیخ قاسم بن محمدؒ نماز ادا کر رہے تھے پیچھے بیٹھ گیا اور بازو والوں سے مال تقسیم میں شکایت کرنے لگا۔ شیخ کے صاحبزادے نے اس کو ٹوکا اور کہا اے نادان! تو شیخ کی تقسیم پر راضی نہیں اور نہ ان پر اعتماد کرتا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ شیخ نے اس مالِ غنیمت کی تقسیم میں امانت و دیانت کا ایسا اہتمام کیا ہے کہ خود اپنی ذات کے لئے دام درہم تو کیا لیتے کھجور کا ایک دانہ بھی اپنے لئے لینا پسند نہیں کیا، تم ایسی تقسیم میں شیخ پر بدگمانی کر رہے ہو؟

شیخ قاسم بن محمدؒ نے اپنی نماز میں جب یہ نزاع سُنی نماز کو مختصر کیا اور سلام پھیر کر صاحبزادے کو تنبیہ کی بیٹا! تمکو تو اس کا قطعی علم نہ تھا پھر تم نے اپنے باپ کی مدافعت کیوں کی؟ انسان کو وہی بات کہنی چاہیئے جس کا اس کو پورا پورا علم ہو۔

لوگوں نے کہا اے شیخ صاحبزادے نے جو بھی کہا ہے وہ حق و یقینی بات ہے۔

شیخ قاسمؒ نے فرمایا، یہ صحیح ہے لیکن انسان کو وہی بات کہنی چاہیئے جس میں نفع ہو اعتراض کرنے والا جب مجھ پر اعتماد نہیں کر رہا ہے تو پھر دوسروں پر کیا اعتماد کرے گا۔ خواہ مخواہ اپنی بات کو کیوں ضائع کیا جائے۔

دراصل یہ تنبیہ اپنے صاحبزادے کی تعلیم و تربیت کے لئے تھی تاکہ آئندہ اس بارے میں غور و خوض سے کام لیا جائے، ورنہ حق بات کا اظہار کر دینا بُری

بات نہیں۔

وفاتؒ:۔

شیخ قاسم بن محمدؒ نے اپنی عمر ستر سال سے کچھ زائد پائی۔ آخری زمانے میں بینائی نے جواب دے دیا تھا لیکن اپنے معمول کے مطابق اس حالت میں بھی بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کیا اثنائے سفر موت کا پیام آگیا۔ اپنے صاحبزادے سے کہا، بیٹا! میرے کفن میں نیا کپڑا دینے کی ضرورت نہیں وہی لباس جس میں میں نمازیں ادا کرتا ہوں چادر، قمیص، ازار کفن دے دینا۔ یہی کفن میرے دادا جان سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا تھا۔ اور دیکھو میری قبر لحد (بغلی) بنانا، ایسے ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف تھی۔

دفن کے بعد میرے بارے میں کوئی تبصرہ نہ کرنا کہ ایسے اور ایسے تھے حالانکہ میں کچھ بھی نہ تھا۔

اللہ درجات بلند کرے سفر حج میں وفات پائی۔

فَرَحِمَ اللّٰہُ قَاسِمًا مَاتَ حَاجًّا وَّ مُعْتَمِرًا۔

سلسلہ سیرت التابعین شمارہ ۱۲

سیرت

امام حسن البصریؒ

المتوفی سنہ ۱۱۰ھ

كَيْفَ يَضِلُّ قَوْمٌ فِيهِمْ مِثْلُ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ

(مسلمہ بن عبد الملک)

وہ قوم کیونکر گمراہ ہوسکتی ہے جنہیں حسن بصری جیسا عالم ہو۔

امام حسن البصریؒ

تعارف:-

امام حسن البصریؒ کو سیّد التابعین کہا جاتا ہے۔ تابعین ایسے اصحاب کو کہا جاتا ہے جنھوں نے صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک کی صحبت پائی ہو یا مُلاقات کی ہو۔

امام حسن بصریؒ نے جس دور میں اپنی آنکھیں کھولی ہیں اس دَور کو "دورِ صحابہؓ" کہا جاتا ہے۔ سینکڑوں صحابہ بقیدِ حیات تھے، علاوہ ازیں امام حسن بصریؒ نے "بیتِ نبوی" میں پرورش بھی پائی ہے۔

امام حسن بصریؒ کی والدہ سیّدہ خیرہؒ اُمّ المومنین سیّدہ اُمِ سلمہؓ کی خادمہ تھیں۔ سیّدہ اُمِ سلمہؓ کو ان سے غیر معمولی محبّت واُنسیت تھی اور سیّدہ خیرہؒ بھی سوجان سے اُمّ المومنین کی خدمت کیا کرتی تھیں۔

خلافتِ فاروقی ۱۲ھ میں اُم المومنین سیّدہ اُمِ سلمہؓ کو یہ اطلاع ملی کہ سیّدہ خیرہؒ کے یہاں بچّہ پیدا ہوا ہے تو خوشی ومسرّت سے دل بھر گیا، دونوں کو اپنے گھر "بیتِ نبویؐ" میں لے آئیں۔ بچّے کا حسن وجمال دیکھکر باغ باغ ہوگئیں۔ خوبصورت موتی کی طرح صاف شفاف بڑی بڑی آنکھیں، کشادہ پیشانی، لب نازک وباریک، رنگ گلابی پُرکشش چہرہ۔

اُمّ المومنین سیّدہ سلمہؓ نے پُوچھا خیرہؒ تم نے بچّہ کا کیا نام رکھا ہے؟

سیّدہ خیرہؒ نے کہا نام تو آپ رکھیں گی۔

سیّدہ اُمِ سلمہؓ نے بچّے کا نام "حسن" رکھا اور دُعائیں دی۔

حسن بصریؒ کے والد حضرت یسارؒ حضرت زید بن ثابتؓ کے غلام تھے جو

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی ہیں. حضرت یسارؒ بھی حضرت زید بن ثابتؓ کے محبوب اور عزیز تھے۔

حسن بصریؒ کا پورا نام حسن بن یسارؒ ہے جو بعد میں حسن بصریؒ کے نام سے مشہور ہوئے جبکہ انھوں نے اپنے والدین کے ساتھ شہر بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

حسن بصریؒ امّ المومنین سیّدہ اُمّ سلمہؓ کے مکان پر پرورش پاتے رہے. خود اُمّ المومنین سیّدہ اُمّ سلمہؓ ازواجِ نبیؐ میں علم وعمل، عقل وفہم میں ممتاز شمار کی جاتی تھیں۔ موجودہ کتبِ احادیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ تین سو ستاسی[۳۸۷] احادیث موجود ہیں۔

سیّدہ اُمّ سلمہؓ ماقبل اسلام کی اُن چند نادر خواتین میں شامل تھیں جو علم وفضل میں مُمتاز سمجھی جاتی ہیں۔

حسن بصریؒ کی مکمّل پرورش وتربیت اُمّ المومنین سیّدہ اُمّ سلمہؓ کی گود ہی میں ہوئی ہے۔

ایک کھُلی کرامت :۔

ایک دن حسن بصریؒ کی ماں کسی ضرورت سے باہر گئی ہوئی تھیں آنے میں دیر ہوگئی. شیرخوار حسن بھوک سے بیقرار ہو گئے. اُمّ المومنین سیّدہ اُمّ سلمہؓ نے تسلّی کیلئے اپنا سینہ بچّے کے مُنہ میں دیدیا شدّتِ محبّت وشفقت سے دُودھ اُتر آیا حسن بصریؒ نے پیٹ بھر پی لیا۔ اس طرح حسن بصریؒ اُمّ المومنین سیّدہ اُمّ سلمہؓ کے رضاعی بیٹے قرار پائے اور خاندانِ نبوّت کے چشم وچراغ بھی۔ ے

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تعلیم و تربیت:۔

اہلِ علم لکھتے ہیں اُمّ المومنین سیّدہ اُمّ سلمہؓ کا یہ دُودھ علم وفہم کی شکل میں ظاہر ہوا اور مستقبل میں حسن بصریؒ سیّدالتابعین کے لقب سے یاد کیے گئے۔

حضرت حسن بصریؒ کے اساتذہ میں سیّدنا عثمان بن عفّانؓ، علی بن ابی طالبؓ، ابُوموسیٰ اشعریؓ، عبداللہ ابن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن عبداللہؓ رضی اللہ عنہم ہیں۔ خاص طور پر سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، سے خصوصی شرف پایا۔

حضرت حسن بصریؒ کی عمر جب چودہ۱۴ سال ہوئی تو وہ اپنے والدین کے ساتھ شہر بصرہ منتقل ہوگئے اور وہاں مستقل قیام کرلیا۔ اسی وجہ سے اُنھیں حسن بصریؒ کہا جانے لگا ان دنوں شہر بصرہ علم وفضل کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ یہاں کی جامع مسجد میں بڑے بڑے صحابۂ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے وعظ و درس ہوا کرتے تھے۔

یہاں حضرت حسن بصریؒ حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ کے حلقہ درس سے وابستہ ہوگئے اور تفسیر قرآن وحدیث وقرأت کا علم حاصل کیا پھر ان علوم میں ایسی عزت پائی کہ ملک کے چاروں جوانب سے علماء وفقہاء کا رجوع ہونے لگا اور امام حسن بصریؒ کا حلقہ درس دعوت و تبلیغ ۔علم وفضل کا مرکز قرار پایا۔

عظمت وشہرت:۔

بنواُمیّہ کے مشہور امیر مسلمہ بن عبدالملک جوفاتح قسطنطنیہ ہیں امام حسن بصریؒ کی ہمہ گیر شہرت وعزّت دیکھکر ایک مشہور عالم سے دریافت کیا کہ حسن بصریؒ میں کیا خوبی ہے جو اُنھیں مقبول عام کئے ہوئے ہے؟

خالد بن صفوانؒ جو امام حسن بصریؒ کے پڑوسی تھے کہنے لگے۔

حسن بصریؒ کا باطن اُن کے ظاہر کی طرح روشن ہے۔ ان کا قول وعمل یکساں ہے جب وہ کسی نیک بات کی تلقین کرتے ہیں تو خود ان کا عمل اور لوگوں سے زیادہ مستحکم ہوتا ہے۔ اور جب وہ کسی بُرائی سے روکتے ہیں تو خود اُس بُرائی سے بہ نسبت دیگر لوگوں کے زیادہ دُور ہوتے ہیں۔ وہ تمام لوگوں سے بے غرض معاملہ کرتے ہیں کسی کی جیب پر اُن کی نظر نہیں ہوتی اور نہ حق کے بارے میں وہ کسی کی رعایت کرتے ہیں لوگ ان کے محتاج ہوا کرتے ہیں اور وہ کسی کی احتیاج نہیں چاہتے۔

یہ اوصاف سُنکر امیر مسلمہ بن عبدالملک نے وہ مشہور زمانہ بات کہی جو تاریخ کی کتابوں میں سُنہری حروف سے لکھی گئی۔

کَیْفَ یَضِلُّ قَوْمٌ فِیْھِمْ مِثْلُ ھٰذَا۔

وہ قوم کیونکر بے راہ ہوسکتی ہے جن میں حسن بصریؒ جیسا عالم ہو۔

حق گوئی بے خوفی:

امام حسن بصریؒ کی آخری زندگی میں حجّاج بن یوسف ثقفی عراق کا گورنر نامزد ہوا یہ ظالم وجابر فطرت انسان اپنی دورِ امارت میں اہلِ حق خاص طور پر علماء ربّانیین وفقہاء اُمّت پر جن میں اکابر صحابہؓ اور تابعینِ کرام کی بڑی تعداد شامل ہے ایسے ایسے مظالم ڈھائے ہیں کہ اہلِ زمانہ کو فرعونِ مصر کی یاد تازہ ہوگئی۔ مؤرخین یہ لکھنے پر مجبور ہوگئے کہ فرعونِ موسیٰ کی طرح یہ اس اُمّت کا فرعون تھا۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

امام حسن بصریؒ بھی اس کی بے راہ روی اور ظلم وزیادتی سے پریشان تھے جب اس نے شہر بصرہ میں اپنا قصرِ شاہی تعمیر کیا اور تکمیل کے بعد ملک کی رعایا کو اس کی زیارت کرنے کا حکم دیا، لوگ جوق در جوق آنے لگے عمارت کی بلندی، خوبصورتی اس کے نقش ونگار وساخت پرداخت دیکھ دیکھکر حیران رہ جاتے، امام حسن بصریؒ

نے اس ہجوم کو غنیمت جانا، نصیحت کرنے نکلے جب قصرِ شاہی پہنچے تو دیکھا کہ خانہ کعبہ کی طرح عمارت کا طواف ہو رہا ہے اور مخلوقِ خدا ٹوٹ پڑی ہے۔ قصر کی تعریف و توصیف میں ہر ایک رطب اللسان ہے۔ ہر جگہ چرچے ہو رہے ہیں لوگ عمارت کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

امام حسن بصریؒ اس مکروہ صورتِ حال پر بے چین ہو گئے۔ عوام کو مخاطب ہو کر اس طرح کہنا شروع کیا:

لوگو! جن بدترین انسانوں نے دُنیا کی زندگی میں اپنی شان وآن کے لئے عمارات سازی کی ہیں ان میں فرعونِ مصر بھی شامل ہے۔ اُس نے ایسی فلک بوس عمارت تعمیر کی جس کی منزلیں بادلوں سے اُوپر ہو گئیں لیکن اللہ نے خود اس کو سمندر کی گہرائیوں میں ڈبو دیا اور اس کے قصرِ شاہی کو بجلی کے ایک کوڑے سے ڈھیر کر دیا۔

اے کاش! حجّاج کو یہ معلوم ہو جاتا کہ آسمان والے اُس سے بُغض رکھتے ہیں اور زمین والے اُس کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

حسن بصریؒ اس طرح بے تکلّف کلام کر رہے تھے، مجمع میں ایک شخص نے حجّاج کی انتقامی کارروائی کا اندیشہ کیا اور بلند آواز سے کہا بس، بس اے ابُو سعید!

امام حسن بصریؒ نے کہا، اللہ تعالیٰ نے اہلِ علم سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ لوگوں کو حق صاف صاف بتا دیا کریں اور اس میں ہرگز خیانت نہ کریں۔ میں نے فریضۂ حق اَدا کر دیا ہے۔

یہ کہکر حسن بصریؒ واپس ہو گئے۔

دوسرے دن حجّاج بن یوسف اپنے دربار میں اس حال آیا کہ غیظ و غضب سے سُرخ ہو رہا تھا، اپنے ہم نشینوں سے کہنے لگا اے بُزدلوں کی جماعت ملک کا ایک غلام زادہ ہمارے قصرِ شاہی میں ایسی اور ایسی بکواس کرتا رہا اور تم لوگ خاموش

تماشہ دیکھتے رہے، خدا کی قسم آج اُسکا خون تمکو پلاؤں گا۔

یہ کہکر جلّاد کو طلب کیا، کچھ دیر نہ لگی کہ حسن بصریؒ حجّاج کے سامنے پا بزنجیر کھڑے کر دیئے گئے۔ لوگوں کی آنکھیں امام حسن بصریؒ پر جم گئیں اور ان کے قلوب دھڑکنے لگے۔

امام حسن بصریؒ نے تلوار اور جلّاد کو دیکھا تو اِن کے ہونٹوں پر ہلکی سی حرکت پیدا ہوئی پھر وہ حجّاج کی طرف متوجہ ہوئے اس وقت حسن بصریؒ کے چہرے پر جلالِ مومن عزّتِ مُسلم، وقارِ ایمان برس رہا تھا حجّاج بن یوسف پر اچانک کپکپی طاری ہوگئی اور وہ مارے ہیبت کہنے لگا۔ اے ابُوسعید! (حسن بصری) یہاں تشریف لائیے، پھر اپنے بازو بٹھالیا۔

عام لوگ جو تماشہ دیکھنے آئے تھے حیران و دم بخود رہ گئے۔

حجّاج نے نہایت ادب واحترام سے چند دینی سوالات کئے امام حسن بصریؒ نے اُس کے سوالات کا جواب نہایت وقار و تحمّل سے دیا۔

حجّاج کی آنکھیں کُھل گئیں، کہنے لگا، آپ سیّد العلماء ہیں پھر قیمتی تحفہ تحائف دیکر رُخصت کیا۔

جب حسن بصریؒ باہر نکلے تو حجّاج کے ایک درباری نے پُوچھا، اے ابُوسعید! (حسن بصریؒ) حجّاج نے تو آپ کو قتل کے ارادے سے طلب کیا تھا پھر جب آپ جلّاد کے سامنے کھڑے تھے اُس وقت میں نے دیکھا کہ آپ کے ہونٹ حرکت کر رہے ہیں۔

امام حسن بصریؒ نے کہا میں نے یہ دُعا پڑھی ہے۔

يَا وَلِيَّ نِعْمَتِيْ وَمَلَاذِيْ عِنْدَ كُرْبَتِيْ اِجْعَلْ نِقْمَتَهٗ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلَيَّ كَمَا جَعَلْتَ النَّارَ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ۔ (علیہ الصلوٰۃ والسّلام)

(اے نعمتوں کے والی اور اے میری مصیبت کی پناہ گاہ حجّاج کے اس عذاب کو مجھ پر رحمت و سلامتی بنا دے جیسا کہ آپ نے ابراہیم علیہ السّلام پر آگ کو رحمت و سلامتی بنا دیا تھا۔)

کہا جاتا ہے کہ حجّاج بن یوسف کے ظلم و ستم سے شاید ہی کوئی عالم محفوظ رہا ہو لیکن امام حسن بصریؒ وہ واحد عالم ہیں جنھوں نے ہر بار حجّاج کی نگاہوں میں عزت پائی ہے اور اس کے فتنے سے محفوظ رہے ہیں۔

جب خلیفہ خامس (پانچویں خلیفہ) عمر بن عبدالعزیزؒ کا انتقال ہوا تو خلافت یزید بن عبدالملک کی طرف منتقل ہوگئی۔ یہ غیر محتاط امیر تھا اس نے ملک میں نئی نئی اصطلاحات جاری کیں اور مرحوم خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے عدل و انصاف والے شرعی نظام کو یکسر بدل دیا۔

اس کی نئی اصطلاحات میں ایک یہ بھی عمل تھا کہ وہ ملک عراق پر عمر بن ہبیرہ فزاری کو گورنر مقرر کیا، اس کے بعد ملک فارس کا اقتدار بھی ان کے حوالہ کر دیا۔ یہ نیک نفس امیر تھا اس میں اطاعت شعاری اور خدا ترسی تھی ان کی اس نیک فطرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امیر یزید بن عبدالملک من چاہی فرامین جاری کرتا اور انکو نافذ کرنے کا حکم بھی دیا کرتا

عمر بن ہبیرہ فزاری نے ایک دفعہ امام حسن بصریؒ اور عامر بن شراحیل جو امام شعبیؒ کے نام سے معروف ہیں خدمت میں آیا اور اپنی یہ مصیبت بیان کی کہ امیر یزید بن عبدالملک بکثرت ایسے فرامین روانہ کرتا ہے جن میں بعض فرامین غیر اسلامی اور ظالمانہ ہوا کرتے ہیں کیا میں امیر کی اطاعت میں اُن کو بھی نافذ کر دیا کروں؟ اور کیا میں اپنی امارات کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاؤں گا؟

امام شعبیؒ نے یہ تفصیل سُنکر امیر یزید بن عبدالملک کے بارے میں نرم پہلو اختیار کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ امیر کے احکام کی ممکنہ طور پر اطاعت کرنی چاہیئے اور

حکمت وفراست کو بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے، بغاوت اور اختلاف سے بہرصورت احتیاط ضروری ہے وغیرہ وغیرہ۔

امام حسن بصریؒ خاموش سماعت کر رہے تھے کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جب امیر عمر بن ہُبیرہ نے حسن بصریؒ سے عرض کیا کہ جناب آپ کا کیا مشورہ ہے؟

امام حسن بصریؒ نے بے تکلّف اس طرح کہنا شروع کیا۔

اے ہُبیرہ کے بیٹے اللہ سے یزید کے بارے میں ڈر اور یزید سے اللہ کے بارے میں نہ ڈر۔

اے ہُبیرہ کے بیٹے یہ اچھی طرح جان لے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ یزید کے شر سے تیری حفاظت کرے گا، اور یزید تجھکو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے گا۔

اے ہُبیرہ کے بیٹے یاد رکھ کسی بھی وقت وہ شدید ومضبوط فرشتہ اُترنے والا ہے جو تیرے اقتدار کو چھین کر قبر کی تنگی میں تجھکو دفن کردے گا پھر وہاں نہ یزید بن عبد الملک (تیرا امیر) کام آئے گا اور نہ کوئی اور طاقت، البتہ تیرا وہ عمل سامنے آئے گا جس میں تو نے امیر یزید بن عبد الملک کے پروردگار کی مخالفت کی تھی۔

اے ہُبیرہ کے بیٹے اگر تو اللہ کے ساتھ ہے اور اس کی اطاعت میں ہے تو یہ بات تجھکو یزید بن عبد الملک کے شر سے بچانے کے لئے کافی ہے اور اگر تو یزید بن عبد الملک کے ساتھ اللہ کی نافرمانی میں ہے تو اللہ تجھکو یزید کے حوالہ کر دے گا۔

اے ہُبیرہ کے بیٹے یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ کسی بھی مخلوق کی اطاعت میں اللہ کی نافرمانی نہ ہوگی۔

اس وقت امیر عمر بن ہُبیرہ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ زار وقطار

رُو رہا تھا۔ اس کے بعد اُس نے امام حَسن بصریؒ کے ہاتھ چُومے اور نہایت عزّت واحترام سے اِنھیں رُخصت۔

مجلس برخواست ہونے کے بعد لوگوں نے امام شعبیؒ سے پُوچھا، امیر عمر بن ہبیرہ کے ساتھ آپ دونوں حضرات کی کیا بات چیت رہی؟

امام شعبیؒ نے کہا اللہ کی قسم میں نے ابن ہُبیرہ کو امیر المومنین کے بارے میں نرم گوشہ مشورہ دیا جس میں امیر یزید بن عبدالملک کی مصلحت اور رضامندی ملحوظ تھی لیکن امام حسن بصریؒ نے اپنی نصیحت میں روجہِ اللہ ملحوظ رکھا اور اہلِ علم کا حق ادا کر دیا۔

اللہ نے مجھکو امیر بن ہُبیرہ سے دُور کر دیا اور امام حسن بصریؒ اس کے قریب اور محبوب ہو گئے۔

عِلمی وعملی کمالات :۔

امام حسن بصریؒ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے تھے جبکہ صحابہ کرامؓ کی بڑی تعداد موجود تھی اور پھر ایسے گھر میں اُن کی نشو و نُما ہوئی جو علوم نبوّت کا گہوارہ تھا یعنی اُمُّ المؤمنین سیّدہ اُم سلمہؓ کے مکان اور اُن کی گود میں، اس لئے ان کا دامن علم وعمل فضل وکمال، زُہد وتقویٰ جملہ اخلاقی ورُوحانی فضائل سے مالا مال تھا۔

علّامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ امام حسن بصریؒ جامع کمالات تھے۔ عالم تھے بلند مرتبت، رفیعُ الذّکر فقیہہ تھے، عابد وزاہد، وسیع العلم کے علاوہ فصیح وبلیغ اور حسین وجمیل بھی تھے۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں، امام حسن بصریؒ حافظ، علّامہ، فقیہہ النّفس، کبیرُ الشّان، عدیم النظیر، بلیغ التذکیر تھے۔

علّامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ وہ مشہور عالم تھے۔ اُن کی جلالتِ علمی پر سب عُلمار

کا اتفاق ہے۔

امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ ملک عراق میں کسی عالم کو ان سے افضل نہ پایا۔

امام قتادہؒ عام لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ حسن بصریؒ کا دامن پکڑے رہنا میں نے رائے اور فیصلہ میں ان سے بڑا کسی شخص کو سیّدنا عمر الفاروقؓ کے مشابہ نہ دیکھا۔

امام اعمشؒ کہتے تھے کہ حسن بصریؒ علم وحکمت کے محافظ تھے۔

امام باقرؒ فرماتے تھے کہ حسن بصریؒ کی باتیں انبیاء کرام کی باتوں کے مشابہ ہیں۔

امام عطاء بن ابی رباحؒ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ حسن بصریؒ کی طرف مسائل میں رجوع کیا کرو وہ بہت بڑے عالم و مُقتدا ہیں۔

امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے، حسن بصریؒ سے مسائل پُوچھا کرو کیونکہ انھوں نے علم محفوظ رکھا اور ہم نے بُھلا دیا ہے۔

اگرچہ امام حسن بصریؒ جامع العلوم تھے لیکن اُن کی زندگی زیادہ تر زُہد وقناعت عبادت و ریاضت میں گزری ہے اس لئے ان کے رُوحانی مرتبہ کے مقابلہ میں علمی تفصیلات کم ملتی ہیں۔

امام حسن بصریؒ علم حدیث میں بھی غیر معمولی حیثیت رکھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ میں کئی ایک حضرات سے انھوں نے احادیث نقل کیں ہیں۔

جب وہ مکّۃ المکرّمہ جاتے وہاں اہلِ علم کا ہجوم ہو جاتا، اہلِ مکّہ انھیں تخت پر بٹھا کر احادیثِ رسول سُنا کرتے تھے ان میں امام مجاہدؒ، امام عطاء بن ابی رباحؒ، امام طاؤس بن کیسانؒ جیسے اکابر اہلِ علم شریک ہوتے تھے ان سب کی زبان پر یہی کلمہ ہوتا تھا کہ ہم نے اس شخص (حسن بصریؒ) کا مثل نہیں دیکھا۔

امام حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے عالم و فقیہہ وہ شخص ہے جو زاہد اور متقی ہو اپنے سے بلند مرتبہ والے سے بے نیاز نہ ہو اور اپنے سے کم مرتبہ والے کو حقیر نہ جانتا ہو اور

اللہ نے جو اسکو علم دیا ہے اس کو دُنیاوی منفعت کا ذریعہ نہ بنائے۔

علم باطن :۔

امام حسن بصریؒ اگرچہ علوم اسلامی میں شیخ الاسلام کا درجہ رکھتے تھے لیکن یہ علوم ان کے لئے سرمایہ فخر و امتیاز نہ تھے ان کا حقیقی مزاج و ذوق وہ علوم تھے جو قلب و رُوح سے تعلق رکھتے ہیں، جس کو بعد میں علم تصوف کا نام دیا گیا۔ یہ اس علم کے سرچشمہ و مخزن شمار کئے جاتے ہیں (اس علم کے بارے میں ہماری کتاب "قرآنی تعلیمات" مطالعہ کیجئے) تصوّف کے تمام سلسلے انہی پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں۔

اگرچہ محدّثین کے یہاں حضرت علیؓ سے آپ کا استفادہ رُوحانی ثابت نہیں ہے لیکن علمار تصوف کا اس امر پر اتفاق ہے کہ امام حسن بصریؒ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے فیض یافتہ ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ ارباب طریقت کے نزدیک امام حسن بصریؒ سیّدنا علیؓ کی جانب یقینی منسوب ہیں۔ سلف تا خلف تمام اکابر صوفیہ حضرت حسن بصریؒ کو سلسلۂ تصوّف سرچشمہ اور شیخ الشیوخ تسلیم کرتے ہیں۔

اَخلاقی فضائل :۔

رُوحانی و اخلاقی کمالات کے اعتبار سے امام حسن بصریؒ فضائل اخلاق کی مجسّم تصویر تھے، اگرچہ انھوں نے رسالت کا مقدّس دور نہیں پایا اور صحبت رسولِ اکرمؐ سے مشرف نہ ہو سکے لیکن اخلاقِ نبوّت سے بھرپور حصّہ پایا تھا۔ یہ عطائے خداوندی تھی جو اُنھیں میسّر آئی۔

عام مؤرخین کا بیان ہے کہ طبقہ تابعین میں اُن دنوں اِن جیسا اور کوئی نہ تھا حضرت ابُوہریرہؓ جو بلند مرتبہ صحابی رسولؐ ہیں فرماتے ہیں کہ حسن بصریؒ سے زیادہ کسی

تابعی کو میں نے اصحابِ رسولؐ سے زیادہ مشابہ نہ دیکھا۔ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

امام شعبیؒ جنھوں نے ستّر صحابۂ کرامؓ کو دیکھا اور سُنا ہے اس شرف میں وہ امام حسن بصریؒ سے بھی ممتاز ہیں لیکن اس کے باوجود امام حسن بصریؒ کی بڑی عظمت کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ان کے ایک صاحبزادے نے پُوچھا ابّا جان آپ جیسا سلوک و آداب حسن بصری کے ساتھ کرتے ہیں کسی اور کے ساتھ ایسا نہیں کرتے؟

امام شعبیؒ نے فرمایا، بیٹا میں نے ستّر اصحابِ رسولؐ کو دیکھا ہے حسن بصریؒ کو ان سب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے صُورت و سیرت میں بہت مشابہ پایا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ رُوحانیت کا سرچشمہ قلب کا سُوز و گُداز ہے اسی سے عبادت، ریاضت، زُہد و تقویٰ پیدا ہوتے ہیں، امام حسن بصریؒ کا قلب اسقدر پُرسوز و گداز تھا کہ ان پر ہر وقت حُزن و غمگینی سی چھائی رہتی تھی۔

فرماتے تھے کہ مومن کی ہنسی قلب کی غفلت کا نتیجہ ہے۔ زیادہ ہنسنے سے دِل مُردہ ہوجاتا ہے۔ کلام پاک کی آیات پڑھکر شدّتِ تأثر سے زار زار رُویا کرتے تھے۔

خشیّتِ الٰہی:۔

یونس بن عبید کا بیان ہے کہ جب کوئی اجنبی آدمی حسن بصریؒ کو دیکھتا تو خیال کرتا کہ وہ اپنے کسی عزیز کو دفن کئے ہوئے آرہے ہیں (یعنی متفکر) جب بیٹھتے تو معلوم ہوتا کہ وہ ایسے قیدی ہیں جس کی گردن مارے جانے کا حکم دیا جاچکا ہے اور جب وہ جہنّم و نارِ جہنّم کا ذکر کرتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دوزخ صرف ان کے لئے بنائی گئی ہے۔ یہ سب خشیّتِ الٰہی کے آثار تھے جو ان پر ظاہر ہوا کرتے تھے۔

امام حسن بصریؒ کی مجلس میں عالم آخرت کے علاوہ اور کسی شئے کا ذکر نہ ہوتا تھا امام اشعث کا بیان ہے کہ جب ہم امام حسن بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے ہم سے نہ دنیا کی کوئی بات پوچھی اور نہ کسی بات کی خبر دی حالانکہ یہ زمانہ بڑا پُر آشوب تھا ملک میں ظلم وستم وافراتفری تھی، بس آخرت کا ذکر کرتے رہے۔

امام حُمید کا بیان ہے ایک مرتبہ ہم مکّۃ المکرّمہ میں تھے، امام شعبیؒ نے امام حسن بصری سے تنہائی میں مُلاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی میں نے یہ پیام امام حسن بصریؒ تک پہنچادیا۔ انھوں نے فرمایا، جب دل چاہے آجائیں مُلاقات ہوجائیگی، چنانچہ ایک دن امام شعبیؒ آگئے میں دروازہ پر موجود تھا میں نے کہا اس وقت حسن بصریؒ گھر میں تنہا موجود ہیں اندر آجایئے لیکن ان کی ہمّت نہ پڑی اس لئے انھوں نے کہا کہ میں بھی ساتھ چلوں۔

جس وقت ہم اندر پہونچے اس وقت حسن بصریؒ قبلہ رُخ ایک عجیب عالم میں کہہ رہے ہیں۔

"اِبن آدم تو نیست تھا ہست کیا گیا، تو نے مانگا تجھ کو دے دیا گیا، لیکن جب تیری باری آئی اور تجھ سے مانگا گیا تو، تو نے انکار کردیا، افسوس تو نے کتنا بُرا کام کیا۔"

یہ کہکر وہ بے خبر ہوگئے۔ یہ حالت دیکھکر امام شعبیؒ نے کہا، لوٹ چلو، شیخ اس وقت کسی اور عالم میں ہیں۔

ارشادات وہدایات:۔

(۱) فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے حلقۂ درس میں بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں لیکن ان کی غرض دُنیا ہوا کرتی ہے۔ ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں گلیم پوشوں کا تذکرہ آیا فرمایا، یہ لوگ دل کی گہرائیوں میں عُجب وغرور کے بُت چُھپائے رہتے ہیں اور ظاہری لباس

میں تواضع وانکساری ظاہر کرتے ہیں۔
(٢) اللہ جس بندے کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اس کو اہل وعیال کی پریشانیوں میں مبتلا نہیں کرتا۔
(٣) تواضع کی یہ علامت ہے کہ جس کسی سے بھی ملے اس کو اپنے سے افضل و برتر سمجھے۔
(٤) جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اس سے خدا کے ساتھ اس کی قربت میں اضافہ ہوتا ہے۔
(٥) ایک شخص نے آپ سے اپنے قلب کی قساوت کی شکایت کی، فرمایا اس کو ذکر وفکر کے مقامات میں لے جاؤ۔
(٦) مُردے کے لئے سب سے بُرے خود اس کے گھر والے ہوا کرتے ہیں کہ اس پر روتے چلّاتے ہیں حالانکہ اس کے بدلے میّت کا قرض اُدا کرنا اُن پر آسان نہیں۔
(٧) فرمایا، ایک شخص کی عداوت کے لئے ہزار آدمیوں کی دوستی حاصل نہ کرو۔
(٨) حرص وطمع عالمِ دین کو رُسوا کردیتی ہے۔
(٩) انسان کا علی الاعلان اپنے نفس کو بُرا کہنا درحقیقت اپنی تعریف کرنا ہے۔
(١٠) اپنے بھائیوں کی عزّت کرو تو ہمیشہ اُن کے ساتھ تمہاری دوستی قائم رہے گی۔
(١١) اگر اپنی موت کی رفتار پر نظر ہوتی تو وہ اپنی اُمّیدوں و آرزوؤں کا دشمن ہو جاتا۔
(١٢) فرمایا، فقیہہ وہ عالم ہے جو دُنیا سے کنارہ کش ہو، دین میں بصیرت

رکھتا ہو، اللہ عزوجل کی عبادت پر مداومت رکھتا ہو۔

(۱۳) قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے جس شخص نے مال و زر کو عزت دی اللہ نے اس کو ذلیل کیا۔

(۱۴) عقلمند کی زبان قلب کے پیچھے ہوا کرتی ہے جب وہ کچھ کہنا چاہتا ہے تو پہلے قلب کی طرف رجوع کرتا ہے اور اگر وہ بات اس کے فائدے کی ہوتی ہے تو بات کرتا ہے ورنہ رک جاتا ہے۔

اور جاہل کا قلب اس کی نوک زبان پر رہتا ہے وہ بات کرتے وقت قلب کی طرف رجوع نہیں کرتا جو زبان پر آتا ہے بک دیتا ہے۔

(۱۵) دنیا درحقیقت تمہاری سواری ہے اگر تم اس پر سوار ہو گئے تو وہ تم کو اپنی پیٹھ پر اٹھائے گی اور اگر وہ تم پر سوار ہو گئی تو تمکو ہلاک کر ڈالیگی۔

(۱۶) جب تم کسی شخص سے دشمنی کرنا چاہو تو پہلے اس پر نظر کرو کہ اگر وہ اللہ کا مطیع و فرمانبردار ہے تو اس سے بچو کیونکہ اللہ اس کو کبھی تمہارے قبضہ میں نہ دے گا۔ اور اگر وہ نافرمان ہے تو اس سے عداوت کی ضرورت نہیں، کیونکہ اللہ کی عداوت اس کو کافی ہے، وہ خود ہلاک ہو جائے گا۔

(۱۷) فرمایا، میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا ہے جس نے دنیا چاہی ہو اور اس کو آخرت ملی ہو، اس کے برخلاف جو آخرت چاہتا ہے اسے دنیا بھی ملجاتی ہے۔

(۱۸) اسلام یہ ہے تم اپنے قلب کو اللہ کے حوالہ کردو۔

(۱۹) ایک شخص کے سوال پر فرمایا، تم مجھ سے دنیا و آخرت کے بارے میں سوال کرتے ہو سن لو!

دنیا اور آخرت کی مثال مشرق و مغرب کی طرح ہے تم جس سمت کے

قریب ہو گے دوسری سمت اُسی قدر دُور ہو جائے گی، اب تم خود فیصلہ کر لو کہ کس سمت کے قریب ہونا چاہیئے؟

(۲۰) تم اس دُنیا کا تعارُف چاہتے ہو؟
میں ایسے مقام کا کیا حال بیان کروں جس کا اوّل حصّہ تعب و مشقت ہے اور آخری حصّہ موت و فنا۔

(۲۱) فرمایا، دنیا کی جائز چیزوں کا حساب دینا پڑے گا اور حرام اشیاء پر عقاب ہوگا، جو کوئی ان جائز چیزوں میں مُبتلا ہوا آزمایا گیا، اور جو اِن اشیاء سے محروم ہوا غمزدہ ہوا، دُنیا ہم و غم ہی کا نام ہے۔

وفات حسرت آیات:

بعض خاصانِ خدا کو دُنیا چھوڑنے سے پہلے کچھ اشارات مِل جاتے ہیں اور وہ یقین کر لیتے ہیں کہ وقت آچکا ہے۔ ایسے ہی بعض دوسروں کو بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ مسافر کوچ کرنے والا ہے۔

ایک شخص کو عالمِ رُویا میں امام حسن بصریؒ کی وفات کا اِشارہ مِل گیا تھا وفات سے ایک یوم قبل اُس نے خواب دیکھا کہ ایک پرندہ مسجد کی سب سے خوبصورت اینٹ اٹھا کر لے گیا ہے۔

تعبیرِ خواب کے سب سے بڑے عالم امام ابن سیرینؒ نے اس کی یہ تعبیر دی کہ حسن بصریؒ کا انتقال ہو گیا۔ چند گھنٹے نہ گزرے تھے کہ انتقال کی خبر عام ہو گئی۔

تَغَمَّدَہُ اللّٰہُ بِغُفْرَانِہٖ

زندگی کے آخری لمحات میں کاتب کو بُلا کر لکھوایا۔

حسن اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ

اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

جس نے موت کے وقت صدق دل سے اس کی شہادت دی وہ جنّت میں داخل ہوگا۔

سن وفات ۱۱۰ھ شب جمعہ تھا، یہ آفتاب علم و عمل رُو پوش ہوگیا۔ وقت کے دو بڑے محدّث امام ایوبؒ اور امام حُمید الطویل نے غسل دیا اور اوّل الذّکر نے نماز جنازہ پڑھائی۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

مَراجعُ ومآخذ

(۱) الطبقات الکبریٰ ج ۷ — ابن سعدؒ

(۲) صِفۃُ الصفوہ ج ۳ — ابن الجوزیؒ

(۳) حِلیۃُ الاولیاء ج ۲ — مؤرخ اصفہانیؒ

(۴) وفیات الاعیان ج ۱ — مؤرخ ابن خلکانؒ

(۵) تاریخ خلیفہ بن خیّاط — مؤرخ خلیفہ بن خیاطؒ

وزارۃ المعارف المملکۃ العربیۃ السعودیہ
(مطبوعہ ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۴ء)

لمحاتِ فکر

مَا اَحْسَنَ الْاِسْلَامَ يَزِيْنُهُ الْاِيْمَانُ

وہ اسلام کتنا اچھا ہے جس کو ایمان نے زینت دی

وَمَا اَحْسَنَ الْاِيْمَانَ يَزِيْنُهُ التُّقٰى

اور وہ ایمان کتنا اچھا ہے جس کو تقویٰ نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ التُّقٰى يَزِيْنُهُ الْعِلْمُ

اور وہ تقویٰ کتنا اچھا ہے جس کو علم نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ الْعِلْمَ يَزِيْنُهُ الْعَمَلُ

اور وہ علم کتنا اچھا ہے جس کو عمل نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ الْعَمَلَ يَزِيْنُهُ الرِّفْقُ

اور وہ عمل کتنا اچھا ہے جسکو تواضع نے زینت دی

(محدث رجاء بن حیوہؒ، سنہ ۱۱۲ھ)

سلسلہ
سیرت التابعین
شمارہ ۱۳
سیرت
امام محمد بن سیرین رح
المتوفی سنہ ۱۱۰ھ
مَا رَأَیْتُ رَجُلًا اَفْقَهَ فِیْ وَرَعِهٖ
وَلَا اَوْرَعَ فِیْ فِقْهِهٖ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِیْرِیْنَ
میں نے کسی انسان کو اپنے تقویٰ و طہارت اور
علم و فہم میں محمد بن سیرین رح سے بڑا نہ پایا۔
(مورق العجلی رح)

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ

خاندانی تعارف:۔

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے والد حضرت سیرین رحمہ اللہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے آزاد کردہ غلام تھے۔

حضرت سیرین رحمہ اللہ لوہے اور پیتل کے برتن بنانے میں مہارت رکھتے تھے اس فن کے ذریعہ انھوں نے بہت کچھ کمایا، اور خوشحال تاجروں میں اِن کا شمار ہونے لگا۔

جب انھیں دُنیا کی آسودہ حالی نصیب ہوگئی تو نکاح کرنے کی فکر ہوئی۔ اُن دنوں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک باندی سیدہ صفیہ رحمہا اللہ اپنے علم و اخلاق، عادات و اطوار میں ممتاز سمجھی جاتی تھیں۔ اس خاتون کو جہاں اخلاق و عادات کا بڑا حصہ ملا تھا اللہ تعالیٰ نے حسن صورت بھی بخشی تھی۔

اس خوبصورتی اور نیک سیرتی کی وجہ سے مدینہ منورہ کی عام خواتین انھیں عزت کی نگاہوں سے دیکھا کرتی تھیں، علاوہ ازیں ازواج مطہرات کو بھی اِن سے غیر معمولی محبت تھی، خاصکر اُمّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سیدہ صفیہ رحمہا اللہ کو بہت چاہتی تھیں۔

حضرت سیرین رحمہ اللہ نے اپنا پیام سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا کہ وہ سیدہ صفیہ رحمہا اللہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو سیدہ صفیہ رحمہا اللہ کو اپنی عزیز بیٹی کی طرح سمجھا کرتے تھے حضرت سیرین رحمہ اللہ کے دین و اخلاق کی تحقیق کرنی مناسب سمجھی، مختلف ذرائع سے

معلومات حاصل کیں پھر حضرت انس بن مالک رض سے جو اُن کے آقا تھے معلومات طلب کیں، حضرت انس رض نے کہا امیرالمومنین، سیرین کے رشتے میں کسی بات کا اندیشہ نہ کیجئے رشتہ قبول فرمالیں۔ میں جہاں تک علم رکھتا ہوں سیرین رح دیندار، نیک سیرت اور خوش اخلاق لڑکا ہے۔ میں اس کو اُس وقت سے جانتا ہوں جبکہ حضرت خالد بن الولید رض نے معرکہ "عین التمر"[1] میں جن چالیس نوجوانوں کو گرفتار کیا تھا اُن میں ایک یہ بھی تھے جو مالِ غنیمت کی تقسیم میں مجھے ملے، میں نے اِن سے خوب منافع حاصل کئے ہیں۔

اس تصدیق پر صدیق اکبر رض نے سیرین کا رشتہ قبول کرلیا اور نہایت اہتمام سے نکاح کا انتظام کیا جو مدینہ منورہ کی کسی بھی نوجوان لڑکی کے نکاح میں کیا جاتا ہو۔

محفل نکاح میں اکابر صحابہ رض کی کثرت شریک تھی اِن میں اُٹھارہ ۱۸ بدری[2] صحابہ رض بھی شامل تھے، اُمت کے سب سے بڑے قاری سیدنا اُبی بن کعب رض نے خطبۂ نکاح پڑھا اور دُعا کی جس پر اہلِ مجلس نے آمین کہی۔

ازواج مطہرات میں تین اُمہات المومنین رض نے سیّدہ صفیہ رض کو لباسِ عروسی سے آراستہ کیا اور خوشبوؤں میں بسا کر نوشہ کے گھر رخصت کیا۔

ولادت:

سیّدنا عثمان بن عفان رض کی خلافت میں دو۲ سال باقی تھے کہ مبارک نکاح کا مبارک پھل ظاہر ہوا، حضرت سیرین رح کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام "محمد" رکھا گیا جو

---

[1] "عین التمر" شہر کوفہ (عراق) کے ایک شہر کا نام تھا جسکو فتح کرنے کیلئے صدیق اکبر رض نے خالد بن ولید رض کو روانہ کیا تھا

[2] بدری صحابہ رض وہ حضرات کہلاتے ہیں جنھوں نے ۲ھ جنگ بدر میں حصّہ لیا ہے۔ ان کی کل تعداد تین سو تیرہ ۳۱۳ ہے۔ یہ حضرات طبقۂ صحابہ رض میں اُونچے درجے کے شمار کئے جاتے ہیں۔ اِن سب کی مغفرت کا اللہ نے وعدہ کیا ہے۔ (بخاری ج ۵ ص ۹۹)

مستقبل قریب میں کبارِ تابعین میں شمار کیا گیا۔

محمد بن سیرینؒ کی پرورش ایسے ماحول میں ہوئی جہاں تقویٰ و طہارت، دین و دیانت سے پورا گھر معمور تھا۔ خود ماں کی گود کتاب اللہ و سنّت رسول اللہ کا مکتب تھا۔

سیّدہ صفیہؒ نے جو ازواجِ مطہرات اور عظیم صحابیات سے استفادہ کیا تھا۔ صاحبزادے محمد کی تربیت اُسی نہج پر کی جس کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ مستقبل میں محمد بن سیرینؒ کو وہ خاص علم بھی نصیب ہوا جو طبقۂ انبیاء میں سیّدنا یوسف علیہ السّلام کو ملا ہے۔

خوابوں کی تعبیر میں وہ "یوسف ثانی" کے لقب سے یاد کئے گئے۔

(تعبیر خواب بیاض خاص صہ ۱۹ جولائی ۱۹۷۸ء)

درس و تدریس:۔

حضرت محمد بن سیرینؒ نے جب ہوش سنبھالا اس وقت مسجد نبوی شریف میں بعض اکابر صحابہ سیّدنا زید بن ثابتؓ، انس بن مالکؓ، عمران بن الحصینؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عبّاسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت ابوہریرہؓ کے درس و وعظ کے سلسلے جاری تھے، حضرت محمد بن سیرینؒ نے ان بزرگوں کے حلقوں سے خوب استفادہ کیا پھر اپنے ماں باپ کے ساتھ شہر بصرہ (عراق) منتقل ہو گئے اور اس کو اپنا وطن قرار دے لیا۔

اس وقت شہر بصرہ علم و دین کا مرکز ہونے کے علاوہ عظیم اسلامی چھاؤنی بھی تھا جہاں سے مجاہدین معرکہ جہاد کے لئے اقطاع عالم روانہ کئے جاتے تھے۔

حضرت محمد سیرینؒ نے اپنے مشاغل دو حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصّہ علمی درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کے لئے۔ دوسرا حصّہ محنت و تجارت کے لئے۔

حضرت محمد بن سیرینؒ اکلِ حلال کا خصوصی اہتمام رکھتے تھے، حرام تو حرام ہی ہے مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرتے۔ اُن کی ساری زندگی زُہد و تقویٰ سے

معمور رہی ہے۔

طلوع فجر سے پہلے مسجد میں آجاتے وہاں نماز فجر کے بعد سورج بلند ہونے تک درس و تدریس وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھتے، پھر گھر آکر تجارت کرنے بازار نکل جاتے۔ یہ تو اُن کے دن کی مشغولیت تھی رات کا یہ حال تھا کہ آدھی رات آرام کرتے پھر عبادت کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

نوافل میں قرآن اسقدر کثرت سے پڑھتے کہ رات ختم ہونے آتی، تلاوتِ قرآن کے وقت خشیتِ الہٰی سے زار و قطار روتے یہاں تک کہ آواز بلند ہو جاتی، اہلِ خانہ حتیٰ کہ پڑوسیوں کے قلوب اِن کی سوز و بکا رسے پھٹنے لگتے، ہر رات یہی معمول تھا۔

حضرت محمد بن سیرینؒ کی تجارت برائے تجارت نہ تھی وہ تو ایک رزقِ حلال کا عنوان تھا، بازار میں جب بھی داخل ہوتے نصیحت وارشاد کا سلسلہ جاری ہو جاتا تجارت و معاملت کے مسائل اور شرعی طور و طریقے ارشاد فرمایا کرتے، صورتِ حال ایسی قائم ہو گئی تھی کہ بازار کے تاجر جب بھی اِنھیں دیکھتے ان کی زبانوں پر ذکر اللہ اور تسبیح جاری ہو جاتی۔

اللہ نے اِنھیں صُورت و سیرت کے ساتھ عزّت و شہرت بھی عطا کی تھی راہ کے چلنے والے اِنھیں دیکھکر ادب و احترام میں کھڑے ہو جاتے، ان کی عملی زندگی ایک مستقل رہنما و مرشد کی سی تھی۔

رزق حلال کا اسقدر اہتمام تھا کہ تجارت میں معمولی سی لغزش کو بھی برداشت نہ کرتے تھے، مالِ تجارت کا ہر ہر عیب ظاہر کر دیا کرتے۔

ایک دفعہ چالیس ہزار درہم کا تیل خریدا، جب اسکا ایک برتن کھولا تو اس میں مرا پھٹا ہوا چوہا نکلا، اپنے دل میں خیال کیا کہ جہاں یہ تیل سینچا گیا وہ تو ایک جگہ ہوتی ہے چوہے کی نجاست تو سارے تیل میں سرایت کر گئی ہے تیل کے بقیہ برتن بھی اس سے متاثر ہیں اگر

میں تیل کے یہ سارے برتن فروخت کرنے والے کو واپس کردوں تو ممکن ہے وہ دوسروں کو فروخت کردے اور ناواقف تاجر اس ناپاک تیل کو عوام میں فروخت کردیں، عام لوگ ناپاک تیل استعمال کریں گے۔ بہتر ہے اس کو ضائع کردیا جائے، چنانچہ شرعی طور پر ضائع کردیا گیا۔

ایک آزمائش:۔

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی تجارت کا یہ وہ وقت تھا کہ تجارت خسارے میں چل رہی تھی اور تیل کے مالک کو چالیس ہزار درہم ادا کرنے تھے ان کے یہاں سرمایہ نہ تھا، تیل والے کا تقاضہ شدید ہوگیا آخر اس نے عدالت میں مرافعہ پیش کردیا،

عدالت نے حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ کو رقم ادا کرنے تک جیل میں بند کردیا، جیل کا قیام طویل ہوگیا تب بھی رقم کا انتظام نہ ہوسکا، جیل کے ذمّہ دار ہر روز محمّد بن سیرین رحمہ اللہ کی عادات واطوار کا مشاہدہ کرتے، جیل میں دیگر ساتھیوں کے ساتھ اُن کا حسنِ سلوک، اخلاق وکردار، اور رات کے آخری حصّے میں اِن کی تلاوتِ قرآن اور کثرت نمازوں کا حال اور مُناجاتِ الٰہی میں سُوز وگداز کی کیفیت ان لوگوں کو ہر شب متأثر کرتی تھی۔

جیل کے ذمّہ دار کو ایک دن شدّت سے یہ احساس ہوا کہ حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ ایک ناگہانی مُصیبت کے تحت جیل میں محبُوس ہیں عرصہ ہوچکا بیوی بچّوں سے دُور ہیں کیوں نہ اُنھیں رات میں اپنے گھر جانے کی اجازت دے دی جائے اور دن میں وہ جیل آجایا کریں۔

چنانچہ حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے کہا گیا، حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے کہا، واللہ میں حاکم وقت کی خیانت میں آپ کا تعاون نہیں کرسکتا اِلّا یہ کہ حاکم وقت آپ کو اس کی اجازت دیدے؟ آخر کار رقم ادا ہونے تک جیل ہی میں رہنا پسند کیا۔

اُنہی دنوں کی بات ہے کہ خادمِ رسول اللہؐ حضرت انس بن مالکؓ موت کی سکرات میں تھے انھوں نے اپنی زندگی میں یہ وصیّت کی تھی کہ میرا غُسل اور صلوٰۃ جنازہ محمد بن سیرینؒ ادا کریں گے، لوگوں نے حاکمِ شہر سے گزارش کی کہ حضرت محمد بن سیرینؒ کو چند گھنٹوں کے لئے جیل سے رہائی دی جائے تاکہ حضرت انس بن مالکؓ کی وصیّت پوری کی جاسکے۔

حاکمِ شہر نے اجازت دے دی،

حضرت محمد بن سیرینؒ نے حضرت انسؓ کی وصیّت پوری کی، غسل وکفن دیکر نماز جنازہ اَدا کی پھر جیل خانہ آگئے اپنے گھروالوں کو دیکھنے تک نہ گئے۔

اس کے بعد ایک عرصہ تک جیل ہی میں رہے جب رقم اَدا ہوگئی تو رہائی پائی۔

حضرت محمد بن سیرینؒ اُن عظیم مسلمانوں میں شامل ہیں جنھوں نے اپنی زندگی میں نہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حق ضائع کیا اور نہ عام مسلمانوں کے حقوق میں خیانت کی ہے اپنی دُنیاوی زندگی کو تقویٰ وطہارت میں صرف کی اور آخرت کی فوز و فلاح کو سمیٹ لیا۔

اَللّٰھم تقبّل حَسَنَاتہٗ وَارْفَعْ دَرَجَاتہٗ

عظیم حوصلہ:-

حضرت محمد بن سیرینؒ کی اس پاکیزہ زندگی میں ایک چھوٹا سا واقعہ لیکن حقیقت میں نہایت عظیم ولاثانی قصّہ ہے جو پیش آیا۔

ایک شخص نے اِن پر دو درہم (مساوی آٹھ آنے) کا جھُوٹا دعویٰ کردیا کہ انکے ذمّہ واجب ہیں لیکن یہ اَدا کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ حضرت محمد بن سیرینؒ نے پھر انکار کردیا۔

اُس شخص نے کہا کیا تم قسم کھا سکتے ہو؟ (اُس کو یقین تھا کہ محمد بن سیرینؒ دو درہم کے لئے قسم نہیں کھائیں گے)۔ لیکن محمد بن سیرینؒ نے قسم کھالی، واللہ! میرے

ذمّے تیرا ایک درہم بھی نہیں ہے۔

لوگوں کو تعجب ہوا کہ صرف دو درہم کے لئے اللہ کی قسم کھالی حالانکہ ابھی چند دن پہلے چالیس ہزار درہم کا ناپاک تیل محض اس لئے ضائع کردیا تھا کہ فروخت کرنے والا دوسروں کو فروخت کردے گا (جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں آچکی ہے) حضرت محمد بن سیرینؒ نے کہا، ہاں! ہاں! میں ضرور قسم کھاؤں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے اور میرے ادا کردینے پر وہ مال حرام کھانے کا مرتکب ہوگا میں نہیں چاہتا کہ کوئی مسلمان حرام مال کھائے اس لئے میں نے قسم کھا کر اس کو اکلِ حرام سے بچالیا۔

مجلسِ خیر:۔

حضرت محمد بن سیرینؒ کی مجلس سراپا خیر ہی خیر ہوا کرتی اس میں کسی کی غیبت یا برائی تو کجا دنیا کا فضول تذکرہ بھی نہ ہوتا، مجلس کا سارا وقت ذکر وفکر، وعظ ونصیحت میں گزرتا، اگر کسی اجنبی آدمی نے کسی کا برائی سے ذکر کردیا تو حضرت محمد بن سیرینؒ فوری اس کا ذکرِ خیر کردیتے اور بات برائی سے بھلائی کی طرف پلٹ جاتی۔

ایک شخص نے مجلس میں حجّاج[1] بن یوسف کا ذکر چھیڑ دیا، حضرت محمد بن سیرینؒ نے فوری ٹوکا اور فرمایا بس بس، حجّاج تو دنیا سے رخصت ہوگیا وہ اپنے کئے کا وہاں پائے گا اور تمکو اپنے کئے کا جواب دینا ہوگا وہاں تمہارے اپنے جرم خود تمکو حجّاج کے ظلم سے زیادہ بھاری نظر آئیں گے تم اپنی فکر کرو اور یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حجّاج کے ظلم کا بدلہ اس کو دیں گے، اور جو لوگ حجّاج پر ظلم کررہے ہیں ان کو بھی اسکا بدلہ ملیگا، خبردار! پھر کبھی کسی کی برائی کا تذکرہ نہ کرنا۔

[1] حجّاج بن یوسف الثقفی خاندانِ بنو امیہ کے حکمرانوں میں ایک حکمران تھا جس کی سختی وظلم زیادتی سے رعایا پریشان تھی خاصکر علماء وصلحاء ان کے ظلم وستم سے تنگ آگئے تھے۔ ۹۵ھ میں فوت ہوا۔

حضرت محمد بن سیرین چونکہ ایک بڑے تاجر تھے تجارت کا تجربہ بھی خوب پایا تھا، تاجروں کو اکثر کہا کرتے،

تمہارے نصیب میں جسقدر بھی لکھا ہے اس کو حلال طریقہ سے حاصل کرو اور یہ بھی یاد رکھو کہ جس مال کو حرام طریقہ سے حاصل کرنا چاہو گے تمکو صرف وہی ملیگا جو تمہارا مقدّر ہے، پھر حرام طلب کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟

جرأت وحق گوئی:۔

خاندانِ بنو اُمیّہ کے خلفاء و اُمراء کو بھی وعظ ونصیحت کرنا نہیں بھولتے کلمۂ حق کی اشاعت میں بخل کرنا بہت بڑا جرم سمجھا کرتے اور یہ فرمایا کرتے کہ علماء کو آخرت میں جواب دہی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

عراق کے مشہور ونیک نام گورنر عمر بن ہبیرہ الفزاریؒ نے ایک دفعہ امام محمد بن سیرینؒ سے گزارش کی کہ وہ ملاقات کرنا چاہتے ہیں براہِ کرم زحمتِ سفر فرمائیں؟

امام محمد بن سیرینؒ اپنے ایک بھتیجے کے ساتھ عراق گئے، گورنر نے نہایت عزّت واکرام سے استقبال کیا اور دربار میں اپنے بازو بٹھالیا، ادب واحترام سے چند دینی وسیاسی سوالات کئے۔ حضرت ابن سیرینؒ نے نہایت تشفی بخش جواب دیئے آخر میں امیر نے پوچھا جنابِ عالی اپنے شہر بصرہ کے عام انسانوں کا کیا حال ہے؟

امام محمد بن سیرینؒ نے برجستہ کہا جس وقت میں اپنے شہر سے چلا ہوں آپکی رعایا ظلم وستم کی چکّی میں پس رہی تھی اور آپ حاکمِ اعلیٰ ان کے حال سے بے خبر ہیں۔ اس موقعہ پر حضرت محمد بن سیرینؒ کے بھتیجے نے اشارہ کیا کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں غور کریں؟

بھتیجے کو اُسی وقت ٹوکا، فرمایا صاحبزادے تم سے دریافت نہیں کیا گیا، سوال

تو مجھ سے کیا گیا ہے، مجھکو حق بات کی بہرحال شہادت دینی ہے۔
وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۲۸۳)
اور جو کوئی حق بات چھپائے اُس کا قلب گنہگار ہے۔

جب مجلس برخاست ہوئی تو امیر عمر بن ہبیرہ نے اُسی آداب و احترام سے حضرت محمد بن سیرینؒ کو رخصت کیا پھر خادم کے ذریعہ اُن کی جائے قیام پر تین ہزار دینار (مساوی ایک لاکھ اسی ہزار روپئے) پیش کئے۔

امام ابن سیرینؒ نے قبول کرنے سے معذرت کر دی۔

بھتیجے نے کہا، چچا جان امیر کا مخلصانہ ہدیہ ہے آپ کیوں انکار کر رہے ہو؟

فرمایا، صاحبزادے! امیر نے مجھ میں کوئی خیر محسوس کی ہے اس سے متأثر ہو کر یہ ہدیہ دینا چاہا ہے، اگر میں اُس خیر کا اہل ہوں جیسا کہ امیر نے گمان کیا ہے تو میرے لئے اس کا قبول کرنا مناسب نہیں کیونکہ خیر مجھکو حاصل ہے اور اللہ اہلِ خیر کے لئے کافی ہے۔

اور اگر وہ خیر مجھ میں نہیں ہے محض امیر کا خیال و گمان ہے تو پھر اس کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں (کیونکہ ہدیہ کا قبول کرنا اس بات کی علامت ہوگی کہ میں اُس خیر کا اہل ہوں حالانکہ وہ خیر مجھ میں نہیں ہے)۔

فضل و کمال:۔

امام محمد بن سیرین کے فضل و کمال کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ طویل مدّت سرتاج تابعین حضرت حسن بصریؒ کی صحبت میں رہے ہیں۔

ان جیسے بزرگوں کے فیضِ صحبت نے امام ابن سیرینؒ کو پیکرِ علم و عمل بنا دیا۔

علّامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ ابن سیرینؒ بلند و بالا فقیہہ و امام، ثقہ، کثیر العلم، امام تفسیر زُہد و تقویٰ کے عظیم مینار تھے۔

علّامہ حافظ ذہبیؒ بھی ایسے ہی لکھتے ہیں کہ وہ جملہ علوم میں یکساں کمال رکھتے تھے۔

علّامہ نوویؒ لکھتے ہیں، ابن سیرینؒ علم تفسیر و حدیث و فقہ کے علاوہ تعبیرِ خواب کے امام سمجھے جاتے ہیں۔

علّامہ ابن حجرؒ بھی انھیں "امام الحدیث" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

امام ابن سیرینؒ اس وسعتِ علم کے باوجود علوم اسلامیہ میں بڑے محتاط تھے، سماعِ حدیث و روایت حدیث میں انتہائی احتیاط برتتے تھے، معمولی درجہ کے اشخاص سے تحصیلِ علم اور نقل حدیث کو خلافِ احتیاط عمل سمجھا کرتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے۔

> علم، دین ہے اس لئے اِس کو حاصل کرنے سے پہلے اُس شخص کو اچھی طرح پرکھ لو جس سے علم حاصل کرنا ہے۔ (کیونکہ دین، اہلِ دین ہی سے ملتا ہے)

بے مثال احتیاط:۔

حدیث میں اس بات کا پورا پورا اہتمام کرتے تھے کہ الفاظِ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مِنْ وَعَنْ نقل کریں۔ صرف معنیٰ و مفہوم کو ادا کرنا کافی نہیں سمجھتے۔ الفاظِ حدیث میں کچھ شبہ ہوا تو حدیث کو نقل نہیں کرتے، کتاب دیکھکر ہی بیان کرتے۔

امام ابن سیرینؒ کی یہ احتیاط اپنے عہد کے علاوہ آنے والے زمانے کے سب علماء کیلئے "راہ نما" دلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔

جب حدیث شریف روایت کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ کسی چیز سے خوف کر رہے ہیں۔ دراصل یہ قولِ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ادب و احترام کی حالت ہوا کرتی تھی۔

امام بخاریؒ کے بارے میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انھوں نے اپنی عظیم کتاب "بُخاری شریف" میں ایک حدیث بھی بے وضو درج نہیں کی[1] اور لکھنے کی ہر مجلس سے پہلے غسل بھی کر لیا کرتے تھے۔

بُخاری شریف میں جملہ احادیث (۷۲۵۷) درج ہیں۔

الغرض نقل حدیث میں امام ابن سیرینؒ کی اس احتیاط پر اہلِ علم اِن کو صادق القول اور اُن کی روایات کو معتبر و مقبول سمجھا کرتے تھے۔

ھشام بن حسان کہتے ہیں کہ میں نے انسانوں میں سب سے زیادہ سچّا ابن سیرین کو پایا۔

شعیب بن حجاب کا بیان ہے کہ امام شعبیؒ ہم لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ تم لوگ ابن سیرینؒ کا دامن تھام لو۔

ابن عون کہتے ہیں کہ مجھے تین عُلمار کا مثل نہ مل سکا، عراق میں ابن سیرینؒ، حجاز میں قاسم بن محمدؒ (سیّدنا صدّیق اکبرؓ کے پوترے) اور مُلک شام میں رجار بن حیوٰۃؒ، اور پھر ابن سیرینؒ ان میں سب سے فائق تھے۔

ماں کی خدمت:-

امام ابن سیرینؒ اپنی ماں کے بڑے مطیع و خدمت گزار تھے اِن کی بہن کا بیان ہے کہ ماں حجازی تھیں اس لئے انھیں رنگین اور نفیس کپڑوں کا بڑا شوق تھا۔ امام ابن سیرینؒ ماں کی خواہش کا اسقدر اہتمام کرتے تھے کہ جب کپڑا خریدتے تو محض کپڑے کی لطافت اور خوبصورتی دیکھتے اس کی مضبوطی کا کچھ بھی خیال نہ کرتے،

---

[1] راقم الحروف پر بھی اللہ عظیم کا کرم ہوا کہ اُس نے ناچیز کی جُملہ تصانیف کو باوضو اندرونِ مسجد مُرتّب کرنیکی توفیق ایسے طور پر دی کہ کوئی کلمہ خارجِ مسجد نہ لکھا گیا، اور پھر کرم بالائے کرم یہ کہ بعض کتابوں کا آغاز و اختتام بیت اللہ شریف (مکۃ المکرمہ) میں ہوا۔ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ الآیۃ

اپنی ماں کے کپڑے خود دھویا کرتے، اس خدمت میں اپنے بہن بھائی کو شریک نہ ہونے دیتے۔

ماں کے مقابلہ میں اپنی آواز بلند نہ کرتے، جب ماں سے باتیں کرتے تو اس آہستگی کے ساتھ جیسے کوئی راز کی بات کر رہے ہوں۔

ابن عون کا بیان ہے کہ ابن سیرین رحمہ اللہ جس وقت اپنی ماں کے سامنے ہوتے تو ان کی آواز اتنی پست ہوتی تھی کہ ناواقف آدمی انھیں بیمار خیال کرتا۔

سنہ۱۱۰ھ مرض الموت میں مبتلا ہوئے آخر عمر میں چالیس ہزار درہم کے مقروض ہو گئے تھے اس کی بڑی فکر تھی، آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے ادائیگی کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی، اس سعادت مندی پر انھیں خوب دعائیں دیں۔

اولاد کی تعداد کے بارے میں لکھا جاتا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں تیس۳۰ عدد پیدا ہوئے لیکن سوائے عبداللہ کے سب کے سب حیات ہی میں فوت ہو گئیں۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی زندگی کا یہ تلخ حادثہ تھا لیکن اس کو انھوں نے کبھی محسوس ہونے نہ دیا۔

فرمایا کرتے، لِلّٰهِ مَآ اَعْطٰى لِلّٰهِ مَآ اَخَذَ۔ اللہ ہی نے دیا اللہ ہی نے لیا۔

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔

وفات:

اللہ ابن سیرین رحمہ اللہ پر اپنا فضل و کرم دائم و قائم رکھے، زہد و قناعت کے ایسے پاکیزہ نقوش چھوڑے ہیں جو اہل دولت و ثروت کے علاوہ آنے والے اہل علم و تقویٰ کے لئے راہ نما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ستتر۷۷ سال کی عمر پائی، زندگی کے آخری ایام میں دنیا کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے تھے، زاد آخرت کا بھرپور حصہ پایا، ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ اَللّٰهُمَّ

حَسَنَاتَہٗ، وَارْفَعْ دَرَجَاتَہٗ۔

شہر بصرہ کی عبادت گزار خواتین میں سیّدہ حفصہ بنت راشد مشہور ومعروف صاحب دل ولی اللہ خاتون تھیں بیان کرتی ہیں کہ ہمارے پڑوس میں مروان المحمّلی ایک عبادت گزار شب بیدار بزرگ تھے اُن دنوں ان کا بھی انتقال ہو گیا تھا میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ بہت ہی خوش وخرّم ہیں پُوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کیساتھ کیا معاملہ کیا؟

مروان المحمّلیؒ نے کہا مجھکو معاف کر دیا گیا اور اصحابؓ الیمین میں رکھا گیا۔ پھر میں نے پُوچھا اسکے بعد کیا ہوا؟ فرمایا، کہ مقرّبینِ الٰہی میں شامل کر دیا گیا ہوں۔ میں نے پُوچھا وہاں آپنے کِن کِن کو دیکھا ہے؟

فرمایا، حسن البصریؒ اور محمد بن سیرینؒ کو۔

اللّٰھمّ ثبّتنا بالقول الثّابت فی الحیٰوۃ الدّنیا وَ فی الاٰخرۃ۔ واحشرنا مع الّذین انعمت علیھم من النّبیین والصّدّیقین والشّھدآء والصّالحین وانت ارحم الرّاحمین۔

مراجع و مآخذ

(۱) الطبقاتُ الکُبریٰ ج ۳۔۴۔۶۔۷۔۸ ابن سعدؒ

(۲) صِفۃُ الصّفوہ ج ۳ ابن الجوزیؒ ⁂ (۳) تاریخ بغداد ج ۵ خطیب البغدادیؒ

(۴) حلیۃُ الاولیآء ج ۲ مؤرخ اصفہانیؒ ⁂ (۵) وفیاتُ الاعیان ج ۴ ابن خلّکانؒ

لہ حشر کے دن انسانی آبادی کے کُل تین طبقات ہوں گے۔
پہلا طبقہ عرش عظیم کے دائیں جانب ہوگا اِنکو اصحابُ الیمین کہا جاتاہے یہ سب اہلِ جنّت ہوں گے۔
دوسرا طبقہ عرشِ عظیم کے بائیں جانب ہوگا، انکو اصحابُ الشِّمال کہا جاتاہے یہ سب اہلِ جہنّم ہوں گے۔
تیسرا طبقہ خاصانِ خدا کا ہوگا جنکو المقرّبون کہا جاتاہے یہ مبارک لوگ اصحابُ الیمین کے بلندترین درجے والے ہوں گے۔
(انکا قیام عرشِ عظیم کے سامنے ہوگا۔ ابن کثیر) سورۃُ الواقعہ آیت ۷

مَا اَحْسَنَ الْاِسْلَامَ یَزِیْنُہُ الْاِیْمَانُ
وہ اسلام کتنا اچھا ہے جس کو ایمان نے زینت دی

وَمَا اَحْسَنَ الْاِیْمَانَ یَزِیْنُہُ التُّقیٰ
اور وہ ایمان کتنا اچھا ہے جس کو تقویٰ نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ التُّقیٰ یَزِیْنُہُ الْعِلْمُ
اور وہ تقویٰ کتنا اچھا ہے جس کو علم نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ الْعِلْمَ یَزِیْنُہُ الْعَمَلُ
اور وہ علم کتنا اچھا ہے جس کو عمل نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ الْعَمَلَ یَزِیْنُہُ الرِّفْقُ
اور وہ عمل کتنا اچھا ہے جسکو تواضع نے زینت دی

(محدث رجاء بن حیوہ رحمہ اللہ، ۱۱۲ھ)

سیرت

امام عطاء بن ابی رباحؒ

المتوفی سنہ ۱۱۴ھ

لَمْ تَدَعْ لَهَا سَبِيلًا لِتَرْتَعَ فِيمَا لَا يَنْفَعُ

(المؤرخون)

انھوں نے اپنے نفس کو آزاد نہیں چھوڑا تھا
کہ وہ جہاں چاہے چرے پھرے۔

امام عطاءؒ بن اَبی رَباحؒ

تعارُف:-

شیخ عطاء بن ابی رَباحؒ مکۃ المکرمہ کی ایک شریف نیک دل خاتون کے حبشی غلام تھے دورانِ غلامی تحصیل علم میں مشغول ہو گئے، اپنے دن رات کے اوقات کو تین حصّوں میں تقسیم کر لیا تھا۔

ایک حِصّہ اپنی آقا کی خدمت اور وفاداری کے لیے، دوسرا حِصّہ اپنے خالق و مالک کی عبادت کے لئے، تیسرا حصّہ تحصیل علم کیلئے۔

اُس وقت صحابہ کرام میں جو بزرگ موجود تھے اُن کی خدمت میں حاضری دیتے اور اُن کے علم و فضل سے استفادہ کرتے، ان بزرگوں میں حضرت ابُوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ، حضرت عبدُاللہ بن زُبیرؓ سے خصُوصی علم و فہم پایا اور احادیثِ رسول کا ذخیرہ حاصل کیا۔

مکۃ المکرّمہ کی وہ خوش نصیب خاتون جس کے یہ غلام تھے اس نے دیکھا کہ یہ غلام علم و فضل کے لئے وقف ہو چکا ہے تو اس توقع پر کہ مستقبل میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے "نورِ ہدایت" اور "مرکزِ علم" ثابت ہو گا اللہ واسطے آزاد کر دیا۔ پھر کیا تھا عطاء بن ابی رَباحؒ نے اپنا مسکن و مدرسہ و مصلّٰی "مسجدالحرام" بیتُ اللہ شریف کو قرار دے لیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ کامل بیس سال مسجدالحرام کی چٹائی عطاء بن ابی رباحؒ کا فرش رہی ہے۔

عِلم و فضل، تقویٰ و طہارت میں وہ مقام پایا جو قیاس و گمان سے آگے تھا،

بہت کم علماء کو یہ مقام نصیب ہوا ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

ایک مرتبہ صحابی رسول عبداللہ بن عمرؓ ادائے عمرہ کے لئے مکۃ المکرمہ آئے، لوگوں کا ہجوم ہو گیا، مقامی علماء اور عامۃ الناس مختلف سوالات اور مسائل دریافت کرنے کے لئے بے چین تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بلند آواز سے فرمایا، اے مکۃ المکرمہ کے رہنے والو تم پر تعجب ہے کہ مجھ سے استفادہ کرنے اور مسائل دریافت کرنے کے لئے ہجوم کر رہے ہو حالانکہ تم میں شیخ عطاء بن ابی رباحؒ موجود ہیں ان کی موجودگی میں تمہیں اور کسی سے فتویٰ لینے کی ضرورت نہیں۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ شیخ عطاء بن ابی رباحؒ نے علم و فضل کا یہ مقام اپنی دو پاکیزہ عادت سے پایا تھا۔

پہلی بات تو یہ کہ انھوں نے اپنی خواہش پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ نفس کو یہ موقعہ ہی نہیں دیتے کہ وہ کسی فضول کام میں مشغول ہو۔

مؤرخین کے خوبصورت الفاظ یہ ہیں۔

فَلَمْ تَدَعْ لَهَا سَبِيلًا لِتَرْتَعَ فِيمَا لَا يَنْفَعُ۔

(انھوں نے اپنے نفس کو یہ موقعہ ہی نہ دیا کہ وہ جہاں چاہے چرے پھرے)

دوسری بات یہ تھی کہ انھوں نے اپنے اوقات کو اپنا قیدی بنا لیا تھا وقت کے کسی حصے کو فضول اور بیکار کاموں میں صرف ہونے نہیں دیتے۔

امام عطاء بن ابی رباحؒ کی شان و عظمت:

۹۷ھ کا واقعہ ہے۔ شاہانِ بنو امیہ کا نامور بادشاہ سلیمان بن عبدالملک اپنے پایۂ تخت دمشق (ملک شام) سے حج بیت اللہ کے ارادے سے نکلا، ساتھ میں شاہی خاندان کے افراد کے علاوہ رؤساء و امراء اور اہلِ علم کی بڑی تعداد شریک تھی۔

حجاج بیت اللہ کا یہ قافلہ بڑے ذوق و شوق سے رواں دواں تھا۔ بیت اللہ

کے اس سفر میں چھوٹا بڑا، آقا و غلام، کالا گورا، جوان بوڑھا، عربی عجمی سب یکساں حالت میں تھے۔ سب کے سب ایک لباس، ایک ہیئت لبیک اللّٰھم لبیک کہتے ہوئے حرم مکی میں داخل ہو رہے تھے۔ خود خلیفہ سلیمان بن عبدالملک احرام کی دو چادروں میں ننگے سر، ننگے پیر، بغیر کسی امتیاز و حشم و خدم وارفتہ حال بیت اللہ کا چکر لگا رہا تھا۔

اس وقت کا منظر بھی عجیب و غریب تھا کہ بادشاہ و رعایا میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا، سب کے سب بیت اللہ کی عظمت کے آگے سر جھکائے باادب واحترام توبہ و استغفار کرتے اپنے ربّ کریم کی رحمت و مغفرت کے طلبگار تھے۔

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے پیچھے اس کے دو بیٹے بدر کامل کی شکل میں رواں دواں تھے۔ بیت اللہ کا طواف ختم ہوا، خلیفہ نے بیت اللہ کے خدّام سے پوچھا تمہارے آقا و مولیٰ کہاں ہیں؟

دونوں شاہزادوں کو تعجب ہوا کہ ابّا جان کے علاوہ اور بھی کوئی آقا و مولیٰ ہے؟

خدّام نے کہا ہاں وہ مسجد الحرام کی مغربی سمت ایک کونے میں نماز ادا کر رہے ہیں۔

خلیفہ اس جانب چلا، شہزادے بھی ساتھ تھے، حرم شریف کا عملہ خلیفہ کے راستے میں انتظام کرنے لگا، خلیفہ نے اچانک انھیں روک دیا پھر عام آدمی کی طرح سب کے ساتھ چلنے لگا اور کہنے لگا کہ یہاں آقا و غلام، چھوٹا بڑا سب یکساں ہیں۔ یہاں صرف اللہ عظیم ہی کی عظمت و شان ہے سب کے سب اس کے محتاج ہیں وہ غنی ہے قابلِ حمد ہے۔

خلیفہ اس شیخ کے قریب پہنچا جو نماز میں مشغول تھے اور پیچھے بیٹھ گیا شیخ کے اطراف کا ہجوم بھی دائیں بائیں جانب بیٹھ گیا۔

شہزادوں نے ایسا منظر پہلی دفعہ دیکھا کہ خلیفۃ المسلمین سلیمان بن عبدالملک ایک بوڑھے، سیاہ فام، پستہ قد، نحیف ضعیف حبشی نژاد انسان کی ملاقات و زیارت

کے لئے مشتاق ہے اور بے چینی سے انتظار کر رہا ہے۔

جب اس بوڑھے شیخ نے نماز ختم کی تو خلیفہ آگے بڑھا اور اُنھیں نہایت ادب واحترام سے سلام کیا اور خیریت دریافت کی، بوڑھے شیخ نے سلام کا جواب دیا اور دُعا دی۔

پھر خلیفہ نے حج کے سلسلے میں چند سوالات کئے جسکو بوڑھے شیخ نے برجستہ جواب دیا، شہزادوں کے حیرت کی انتہا نہ تھی کہ بوڑھا شیخ ہر سوال کے جواب پر قَالَ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہہ رہا تھا۔

دونوں شہزادے اس تجسّس میں پڑگئے کہ آخر یہ کون بزرگ ہے؟ کیا یہ صحابی رسول اللہؐ ہیں یا کسی صحابی کے شاگرد؟

جب بات ختم ہوگئی تو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے بوڑھے شیخ کی دست بوسی کی اور شکریہ ادا کیا پھر اپنے دونوں بیٹوں سے کہا، اُٹھو اور شیخ سے مصافحہ کرو اور دُعا لو؟

دونوں شاہزادوں نے ادب واحترام سے سلام کیا اور دُعا کی گزارش کی بوڑھے شیخ نے سلام کا جواب دیا اور دُعائیں دیں، اس کے بعد باپ بیٹے اُٹھ گئے تاکہ حج کے بقیہ مناسک پورے کریں۔

مفتی بیت اللہ الحرام:۔

ابھی یہ صفا و مروہ کے درمیان رواں دواں تھے کہ حرم شریف کا عملہ یہ ندا لگا رہا تھا، لوگو! یہاں صرف شیخ عطاء بن ابی رباحؒ کا فتویٰ جاری ہے کوئی دوسرا اس کا حق نہیں رکھتا کہ وہ احکام حج بیان کرے، خبردار! خبردار! خبردار!

اس وقت دونوں شہزادے اپنے باپ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک سے دریافت کرنے لگے۔

ابّا جان! یہ عطاء بن ابی رباحؒ کون ہیں؟ ان کی شخصیت تو معمولی انسانوں سے بھی کمتر ہے؟ خلیفۃُ المسلمین کی موجودگی میں ایسا اعلان کیا آپ کی توہین و بے وقعتی نہیں؟

علاوہ ازیں جب ہم اس شیخ کے ہاں بیٹھے تھے تو انھوں نے نہ ہمارا اکرام کیا اور نہ شاہی آداب بجالائے، بھلا آپ کی موجودگی میں اِنکی کیا حیثیت ہوگی؟

خلیفہ نے کہا۔ بچّو! تم انھیں نہیں جانتے، یہ شیخ عطاء بن ابی رباحؒ ہیں اس وقت اُمّت کے سب سے بڑے عالم سیّدنا عبداللہ بن عباسؓ کے خصوصی شاگرد اور اُن کے عُلوم کے وارث ہیں، مسجد الحرام کے مفتی و امام، رُوئے زمین پر اس وقت ان سے بڑا کوئی عالم نہیں۔

پدری نصیحت:۔

اس کے بعد خلیفہ نے اس موقعہ پر اپنے بچّوں کو وہ نصیحت کی جو ایک مخلص و فکر مند باپ اپنے بیٹوں کو کیا کرتا ہے،

بچّو! علم حاصل کرو، علم ہی ایک معمولی انسان کو عزّت والا بنا دیتا ہے۔ غلام و بے قدر آدمی کو بادشاہوں کے درجے سے بلند کر دیتا ہے، اُس کا تذکرہ مرنے کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ لوگ اس کی تقلید میں اپنی آخرت دُرست کر لیتے ہیں اُس کو دُنیا بھر کے انسانوں کی دُعائیں ملا کرتی ہیں وہ جیسا دنیا میں باعزّت ہوتا ہے آخرت میں بھی اُسکو سرفرازی نصیب رہتی ہے۔

ایک عظیم نصیحت:۔

شیخ محمد بن سوقہؒ جو شہر کوفہ کے بڑے عالم اور عابد گزرے ہیں اپنی ملاقات کرنے والوں کی ایک جماعت سے کہہ رہے تھے، عزیزو! کیا میں تمکو وہ بات نہ

بتاؤں جس نے مجھکو بھرپور نفع دیا ہے؟
لوگوں نے کہا ضرور ارشاد فرمائیں، ہماری یہاں حاضری کا یہی تو مقصد ہے۔
فرمایا، ایک دن شیخ عطاء بن ابی رباحؒ نے مجھکو خصوصی نصیحت کی تھی۔
برادر زادے! ہم سے پہلے جتنے بھی بزرگ گزرے ہیں وہ فضول کلام کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔
میں نے عرض کی فضول کلام کیا ہوتا ہے؟
فرمایا، وہ حضرات ہر اس کلام کو فضول سمجھا کرتے تھے جو قرآن حکیم اور احادیث رسول اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے علاوہ ہوا کرتا ہو۔
یہ کہکر شیخ محمد بن سوقہ خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا کیا تمکو اس میں شک ہے؟ قرآن حکیم نے ہمیں یہی حقیقت بتلائی ہے۔

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝ (سورہ انفطار آیت ۱۰ تا ۱۲)

ترجمہ: اور تم پر (تمہارے سارے اعمال) یاد رکھنے والے لکھنے والے معزز فرشتے مقرر ہیں جو تمہارے سارے اعمال کو جانتے ہیں۔

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝ سورہ قٓ آیت ۱۷، ۱۸

ترجمہ: دو لکھنے والے فرشتے انسانوں کے دائیں بائیں بیٹھے ہر عمل محفوظ کر رہے ہیں، کوئی لفظ اُس کی زبان سے نہیں نکلتا جس کو محفوظ کرنے کیلئے ایک بیدار فرشتہ موجود نہ ہو۔

پھر فرمایا کہ کیا مسلمان کو اس بات کا احساس نہیں کہ قیامت میں جب اسکا اعمال نامہ کھولا جائے گا تو اس کے صبح و شام کے اعمال میں اس کے دین سے زیادہ دُنیا کے اعمال نکلیں گے جسکی جزا اُسکو دنیا میں مل چکی ہوگی۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

تعلیم وتربیت:۔

شیخ عطاء بن ابی رباحؒ کے علم وفضل سے جہاں اہل علم محدثین ومفسرین علماء استفادہ کررہے تھے عامۃ الناس بھی فیض پارہے تھے ہر روز ایک عام مجلس ہوا کرتی تھی جس میں مکۃ المکرمہ کے رہنے بسنے والے شریک ہوا کرتے ان میں تاجر پیشہ، زراعت پیشہ، محنت مزدوری کرنے والے ہر طبقہ کے افراد ہوتے، اسطرح شیخ کا علمی حلقہ خواص کے علاوہ عامۃ الناس تک وسیع تر تھا۔

امام ابوحنیفہؒ (ولادت ۸۰ھ وفات ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں، ابتدائے جوانی میں پہلی مرتبہ حج بیت اللہ کے لئے مکۃ المکرمہ گیا تھا وہاں میں نے ادائے مناسکِ حج کے لئے کسی معلم کی خدمات حاصل نہیں کیں جیسا کہ عام طور ہر حاجی حضرات معلم کا انتخاب کرلیتے ہیں تاکہ مناسکِ حج صحیح طرح پورے کئے جا سکیں۔

میں خود اپنے مناسک ادا کررہا تھا تکمیلِ مناسک کے بعد احرام سے فارغ ہونے کے لئے حجام کو طلب کیا اور اس سے حلق (سر مونڈھنے) کی اجرت دریافت کی، حجام نے پہلے تو مجھکو غور سے دیکھا پھر کہا اللہ تمہیں ہدایت دے مناسک (حج کی عبادتیں) چکائے نہیں جاتے، بیٹھ جاؤ جو توفیق ہو دیدینا۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں میں شرمندہ ہوا اور اس کے آگے چپکے سے بیٹھ گیا اس وقت میں جہت قبلہ کی مخالف سمت بیٹھا تھا، حجام نے اشارہ سے کہا قبلہ رُو ہوجاؤ؟ میں فوری قبلہ رُخ ہوگیا۔

میری شرمندگی میں اور اضافہ ہوا کہ ایسے عام مسائل سے بھی واقف نہیں ہوں۔ پھر میں نے اپنے سر کا بایاں حصہ اُسکے آگے کردیا تاکہ وہ اپنا کام شروع کرے کچھ تُرش لہجہ میں کہنے لگا۔ شیخ سر کا دایاں حصہ آگے کرو؟ بال نکالنے کی ابتدار سر کے داہنی طرف سے ہونی چاہیئے۔ میں نے فوری سر کا دایاں حصہ اس کے آگے

کر دیا اور شرم سے پانی پانی ہو گیا اور اس سوچ میں پڑ گیا کہ مجھ سے کیسی کیسی نادانی ہو رہی ہے۔

حجّام نے اپنا کام شروع کر دیا چند لمحات کے بعد پھر ٹوکا، کہنے لگا خاموش کیوں ہو اللہ کا نام لو مناسکِ حج میں زبان پر ذکر اللہ ہونی چاہیئے۔

میں نے فوری سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَر۔ پڑھنا شروع کر دیا، اتنے میں وہ اپنے کام سے فارغ ہو گیا۔ میں نے خوش دلی سے چند درہم دیدیئے، اس نے جزاکم اللہ خیراً کہکر قبول کیا، میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور چلنے ہی لگا تھا کہ بلند آواز سے ٹوکا، شیخ تم پر اللہ کی رحمت ہو کہاں جا رہے ہو پہلے دو رکعت نفل شکریہ کے پڑھ لو پھر واپس ہونا۔

اس وقت میں اپنی غفلت و نادانی سے ذبح ہو چکا، فوری دو رکعت ادا کیئے فراغت کے بعد دل نے چاہا کہ اس کا تعارف حاصل کروں کیسا باخبر حجّام ہے اگر آج یہ نہ ملتا تو میرا حج نا تمام ہی رہ جاتا۔ اللہ اُس کو دُنیا و آخرت کی سرفرازی نصیب کرے عالم بھی ہے خیر خواہ بھی ہے۔

میں اس کے قریب ہوا اور پُوچھا جناب آپ کون ہیں؟ اور یہ علم کن سے حاصل کیا ہے؟

کہا دیسے تم جانتے ہو ہم حجامت کا پیشہ کرنے والے غریب لوگ ہیں، اپنے خالی اوقات میں شیخ حرم عطاء بن ابی رباحؒ کی مجلس میں شریک ہوا کرتے ہیں وہاں ہمکو دین و دُنیا دونوں مل جاتے ہیں، مناسکِ حج کا علم بھی ہمکو وہاں ہی سے ملا ہے۔ اللہ اکبر۔

زُہد و قناعت:۔

شیخ عطاء بن ابی رباحؒ حرم مکّی میں علم و عمل، تقویٰ و طہارت، ایمان و اسلام

کے مینار سمجھے جاتے تھے، حج کے ایّام میں اُن کا حلقہ اسقدر وسیع ہوجاتا تھا کہ مُلاقات کرنا تو درکنار شیخ کو ایک نظر دیکھنا بھی دُشوار ہوجایا کرتا۔

اللہ نے شیخ کو علم و عمل کے علاوہ دُنیا بھی بھرپور عطا کی تھی لیکن شیخ ہمیشہ دُنیا سے دُور رہا کرتے، رُوکھا سُوکھا کھانا، معمولی لباس، نہ ساز نہ سامان نہ دَر نہ دربان کہا جاتا ہے کہ جسم کا کل لباس پانچ درہم سے زیادہ قیمتی نہ ہوا کرتا تھا حالانکہ یہ وہ دُور تھا جس میں خلافت بنواُمیّہ اپنے بامِ عُروج تک پہونچ چکی تھی، شاہانِ بنواُمیّہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کو اپنی سعادت سمجھا کرتے تھے۔ شیخ کیلئے قیمتی تحفے اور ہدایا روانہ کرتے لیکن شیخ اُسکو دیکھنا بھی پسند نہ کرتے وہ سب کا سب حرم شریف کے غریبوں اور طلبہ میں تقسیم ہوجایا کرتا تھا۔

اکثر شاہانِ بنواُمیّہ کی خواہش ہوا کرتی تھی کہ شیخ عطاء بن ابی رباحؒ دارالخلافہ (دمشق) تشریف لائیں اور اپنی تشریف آوری سے دربار کو عزّت بخشیں لیکن شیخ ہر بار معذرت ہی کر دیا کرتے اور اپنے دوستوں سے کہا کرتے، اُمراء سے میل جول رکھنا دین کو خراب کر دیتا ہے حتی الامکان ان لوگوں سے دُور رہنا ہی بہتر ہوا کرتا ہے، اِلّا یہ کہ کوئی امیر آخرت کا فکرمند ہو تو اس سے مُلاقات کرنا مُضر نہیں ہوتا خاص طور پر ایسی صُورت میں کہ اسکی مُلاقات سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع ملتا ہو۔

چنانچہ اِسی غرض کے لئے ایک مرتبہ خلیفۂ وقت ہشام بن عبدالملک کی مُلاقات کے لئے تن تنہا نکل پڑے۔

عثمان بن عطاء خُراسانی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے والد عطاء خُراسانیؒ دمشق (شام) کے لئے نکل رہے تھے میں بھی ساتھ ہو گیا، جب ہم شہر دمشق کے قریب پہونچے رَاہ میں ایک بُوڑھے کالے کلوٹے شخص کو خچّر پر سوار دیکھا، موٹا جھوٹا لباس، اس پر بوسیدہ جُبّہ، سَر پر چھوٹی سی چپکی ہوئی ٹوپی، اپنے خچّر پر آہستہ آہستہ چلا جا رہا ہے یہ خستہ حالت دیکھکر میں ہنس پڑا اور اپنے والد سے کہا ابّا جان یہ کون شخص ہے؟

میرے والد نے نہایت ادب واحترام سے کہا، بیٹا چُپ رہو یہ علماء حجاز کے سردار شیخ عطاء بن ابی رباحؒ ہیں۔

پھر میرے والد شیخ کے قریب ہوئے اپنی سواری سے اُترے اور شیخ کو سلام کیا اور دست بوسی کی پھر معانقہ کیا، مختصر گفتگو کے بعد شیخ کے ساتھ ہو گئے جب قصرِ شاہی پر پہونچے تو میرے والد نے دربان سے اطلاع کروائی کہ مکۃ المکرمہ کے شیخ عطاء بن ابی رباحؒ تشریف لائے ہیں۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک اپنے دوستوں کے ساتھ مشغولِ گفتگو تھا سُنتے ہی ننگے پیر دروازے پر آیا اور شیخ کو سلام کیا اور مرحبا مرحبا کی تکرار کرنے لگا اور بار بار کہنے لگا زہے قسمت زہے نصیب آپ کی زحمت فرمائی کا شکریہ یہ کہتا ہوا قصرِ شاہی میں لے آیا اور شیخ کو تختِ شاہی پر بٹھایا اور خود نیچے بیٹھ گیا زبان پر وہی کلمات مرحبا مرحبا کے جاری تھے شیخ کے آگے بچھا جا رہا تھا۔

شیخ نے خلیفہ کو اپنے بازو بٹھا لیا، ہشام بن عبدالملک کے سارے دوست جو گفتگو میں مشغول تھے یکلخت شیخ کیطرف متوجہ ہو گئے اور ادب واحترام سے ہر ایک نے سلام ومصافحہ کیا، خلیفہ نے شیخ کی خاطر ومدارات کے بعد عرض کیا جناب نے کیسے زحمت فرمائی ہے؟

خیر خواہی:۔

شیخ عطاء بن ابی رباحؒ نے بغیر کسی تمہید وعنوان کہنا شروع کیا۔

امیرالمومنین! حرمین شریفین (مکۃ المکرمہ ومدینۃ المنورہ) کے رہنے والے اہل اللہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں آپ اِن کے لئے سالانہ وظائف جاری کردیں تاکہ وہ سکون کی زندگی بسر کرسکیں۔

خلیفہ نے اپنے کاتب سے کہا اس کو لکھو اور اُنکے وظائف جاری کردو۔

پھر عرض کیا اور فرمائیے؟

شیخ نے کہا امیر المومنین اسلامی سرحدوں پر آپ نے جو فوج متعین کی ہے اُن کے گھر والوں کی مستقل روزی کا انتظام ہونا چاہیئے کیونکہ جب یہ فوت ہو جائیں تو اِن کے گھر والے بے روزگار نہ ہوں۔

خلیفہ نے کاتب سے کہا اس کو بھی لکھ لو اور اسکا انتظام کر دیا جائے۔

پھر عرض کیا اور ارشاد فرمائیں؟

شیخ نے فرمایا، امیر المومنین ملک میں جو غیر مُسلم رعایا آپ کی رعایت و حمایت میں مقیم ہے ان کے سالانہ ٹیکس میں تخفیف ہونی چاہیئے تاکہ آپ کی ہمدردی اور وفاداری میں اضافہ ہو اور وہ آپ کے دشمنوں کا ساتھ نہ دیں۔

خلیفہ نے کاتب سے کہا اسکو بھی جاری کر دیا جائے۔

خلیفہ کو نصیحت:۔

پھر عرض کیا مزید کچھ ارشاد فرمایا جائے؟

شیخ نے فرمایا، ہاں ہاں تم اس کے زیادہ مستحق ہو، دیکھو اپنے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیئے، تم تنہا پیدا ہوئے تنہا روانہ ہوں گے، تنہا حشر ہوگا اور تنہا حساب و کتاب ہو گا۔

اللہ کی قسم ان موقعوں پر تم تنہا ہوں گے، تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا، تمہاری دُنیا کے یہ سارے مددگار غائب رہیں گے۔ تم کسی کو آواز تک نہ دے سکو گے چہ جائیکہ کوئی تمہاری فریادرسی کے لئے آئے۔ امیر المومنین وہ وقت بڑا نفسا نفسی کا ہو گا، سارے اقتدار اور تمام اختیارات صرف اللہ واحد کے تحت ہوں گے۔ دُنیا کے سارے تعلقات پارہ پارہ ہو جائیں گے۔

امیر المومنین اُس دُنیا کی فکر اسی دُنیا میں کرنی ہے یہاں عمل ہے وہاں صرف

حساب ہوگا۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک سرنگوں بیٹھا ہچکیاں لے رونے لگا، شیخ اپنی بات ختم کرکے اُٹھ گئے۔

واقعہ کے نقل کرنے والے عثمان عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ جب شیخ قصرِ شاہی سے باہر آئے صدر دروازے کا شاہی دربان اشرفیوں کی تھیلی لئے کھڑا تھا، شیخ سے عرض کرنے لگا امیرالمومنین نے یہ تھیلی آپ کی نذر کی ہے براہِ کرم قبول فرمائیں؟

شیخ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا، پھر قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی۔

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (سورۃ الشعراء آیت ۱۰۹)

ترجمہ:۔ اور میں تم سے کوئی دُنیوی صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو بس ربّ العالمین کے ذمّہ ہے۔

عثمان بن عطاء خُراسانی کہتے ہیں کہ شیخ قصرِ شاہی میں پھر داخل ہوئے اور اپنا پیام پہنچا دیا اور باہر نکل آئے۔ اللہ کی قسم پانی کا بھی تو ایک قطرہ نہ چکھا۔

کیسا مخلص کیسا خیرخواہ انسان تھا جو صرف اسلام اور مسلمانوں کی خیرخواہی کے لئے مکّۃ المکرّمہ سے دمشق (شام) کا طویل سفر اختیار کیا اور اپنے لئے پانی کا ایک گھونٹ بھی پسند نہ کیا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

اس طرح شیخ نے اپنی ساری زندگی علم وعمل، تقویٰ وطہارت، زُہد وقناعت دعوت وتبلیغ میں بسر کی۔ علاوہ ازیں شترّ حج بیت اللہ اور عمروں کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ یومُ الحج میں جبلِ عرفات پر اُن کی ایک ہی دُعا سُنی گئی،

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ رِضَاكَ وَالۡجَنَّةَ وَاَعُوۡذُبِكَ مِنۡ سَخَطِكَ وَالنَّارِ ۔

ترجمہ :۔ اے اللہ! آپ کی خوشنودی اور جنّت مانگتا ہوں اور آپکی ناراضگی اور جہنّم سے پناہ ۔

فضل و کمال :۔

امام عطاء بن ابی رباحؒ جلیل القدر تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کا زُہد و تقویٰ ضرب المثل سمجھا جاتا تھا۔

علاّمہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ شیخ عطاء بن ابی رباحؒ علم و فقہ میں حُجّت و دلیل کی حیثیت رکھتے تھے، اسلام و ایمان کے کبیر الشّان رُکن تھے۔

علاّمہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ وہ مکّۃُ المکرّمہ کے مفتی عام اور ائمہ کبار ہیں اُن کا شمار بہت بلند و بالا تھا، بڑے بڑے ائمہ ان کے علمی و عملی کمالات کے معترف تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ علم کا خزانہ اُسی شخص کو دیتے ہیں جس کو وہ محبوب رکھتے ہیں، شیخ عطاء بن ابی رباحؒ ان میں ایک ہیں۔

امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ شیخ عطاء بن ابی رباحؒ نے جس وقت انتقال کیا ہے اُس وقت عام لوگوں کی زبانوں پر یہ کلمہ تھا کہ شیخ عطاء بن ابی رباحؒ روئے زمین کا پسندیدہ آدمی ہیں۔

قرآن و حدیث کی خدمت :۔

شیخ عطاء بن ابی رباحؒ ہر روز قرآن حکیم کا درس دیا کرتے تھے، حدیث بیان کرنے میں اتنے محتاط تھے کہ اُس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ حدیث رسول کا اتنا

احترام تھا کہ درس حدیث کے درمیان کسی کا بات چیت کرنا سخت ناگوار ہوا کرتا تھا، ایسے لوگوں پر مجلس ہی میں برہم ہوجاتے جو حدیث کے درس میں اپنی باتیں شروع کردیتے، ایک دفعہ ایک شخص کو اسی خطا پر مجلس سے باہر کردیا۔

شیخ عطاء بن ابی رباحؒ کا حلقۂ درس بڑا وسیع تھا وقت کے ائمہ وارکانِ علم درس میں شریک ہونے کو اپنی عزت سمجھا کرتے تھے، شاگردوں کا کثیر طبقہ تھا ان میں عام علماء کے علاوہ زمانے کے مجتہد فقہاء شامل ہیں۔

اِن کے شاگردوں میں امام ابُوحنیفہؒ، امام اوزاعیؒ، امام زُہریؒ، امام مُجاہدؒ، اِمام ایّوب سختیانیؒ، امام ابن جُریجؒ، امام ابُواسحٰقؒ، اِمام اعمشؒ جیسے اکابر واساطینِ عِلم وفضل شامل ہیں۔

خاندانِ نبوّت کے چشم وچراغ اِمام باقرؒ لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ شیخ عطاء بن ابی رباحؒ سے حدیث لیا کرو۔

امام اعظم ابُوحنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے عطاء بن ابی رباحؒ سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔

صحابۂ کرامؓ میں حضرت ابن عباسؓ وحضرت ابن عمرؓ جب کبھی مکّۃ المکرّمہ آتے اور عام لوگ جب اِن کے پاس جمع ہوجاتے تو فرمایا کرتے تم میں عطاء بن ابی رباحؒ موجود ہیں پھر کسی دوسرے کے یہاں جانے آنے کی ضرورت نہیں۔

مناسکِ حج :۔

حج کے مسائل میں شیخ عطاء بن ابی رباحؒ سے بڑا کوئی اور عالم نہ تھا۔ مناسکِ حج کے یہ امام تسلیم کیے جاتے تھے۔

امام باقرؒ فرمایا کرتے تھے کہ مسائل حج میں اب اِن سے بڑا اور کوئی امام باقی

نہ رہا۔

حج کے زمانے میں مشاعر مقدّسہ میں یہ اعلان کیا جاتا تھا کہ ان ایّام میں سوائے شیخ عطاء بن ابی رباحؒ کے اور کوئی شخص مسائل بیان نہ کرے۔

عبادت و ریاضت:۔

عبادت کا یہ حال تھا کہ کامل بیسؔ سال مسجد کا فرش ان کا بستر رہا ہے تہجّد میں ہر شب کثرت سے قرآن پڑھا کرتے تھے، کثرتِ سجود سے پیشانی پر ایک داغ پڑ گیا تھا جو تاریکی میں بھی چمکتا سا نظر آتا تھا، ان کا کوئی وقت ذکرِ الٰہی سے خالی نہ رہتا۔

جب بولتے تو نہایت تحمّل و اطمینان سے کلام کرتے اور جب کسی کی بات سُنتے تو نہایت توجّہ سے سُنتے، چونکہ آپ کا قیام مکّۃ المکرّمہ میں تھا ہر سال حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوا کرتے ان کے حج اور عمروں کی تعداد ستّرؔ سے زائد بیان کی جاتی ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

امام شافعیؒ کا بیان ہے اس زمانہ میں شیخ عطاء بن ابی رباحؒ سے زائد کوئی متبع سنّت نہ پایا گیا۔

طبیعت میں عزلت پسندی تھی، لوگوں سے ملنا جلنا پسند نہ تھا۔ اپنے آپ کو بالکل ہی ناچیز و حقیر سمجھا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص گھر پر ملاقات کے لئے آتا تو دریافت کرتے کس لئے آئے ہو؟

آنے والا کہتا کہ آپ کی زیارت کے لئے آیا ہوں۔

تو جواب دیتے مجھ جیسے شخص کی زیارت نہیں کی جاتی، پھر فرماتے وہ کتنا عجیب زمانہ ہوگا جس میں مجھ جیسے شخص کی زیارت کے لئے لوگ آیا کرتے ہوں۔

تواضع و انکساری کا مجسّمہ تھے۔

جب کسی مجلس میں بیٹھتے تو طویل سکوت کرتے اور جب کلام کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ان پر الہام ہو رہا ہے۔

سو سال کی عمر پائی، ۱۱۴ھ مکۃ المکرمہ ہی میں انتقال کیا اور جنت المعلیٰ میں اپنا اَبدی ٹھکانہ بنالیا۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَ اَرْضَاہُ

مراجع و مآخذ

(۱) الطبقات الکبریٰ — ابن سعدؒ

(۲) حلیۃ الاولیاء — ابو نعیمؒ

(۳) صفۃ الصفوہ — ابن الجوزیؒ

(۴) وفیات الاعیان — ابن خلکانؒ

(۵) میزان الاعتدال — امام ذہبیؒ

(۶) تہذیب التہذیب — ابن حجرؒ

لمحاتِ فکر

مَا اَحْسَنَ الْاِسْلَامَ یَزِیْنُهُ الْاِیْمَانُ
وہ اسلام کتنا اچھا ہے جس کو ایمان نے زینت دی

وَمَا اَحْسَنَ الْاِیْمَانَ یَزِیْنُهُ التُّقٰی
اور وہ ایمان کتنا اچھا ہے جس کو تقویٰ نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ التُّقٰی یَزِیْنُهُ الْعِلْمُ
اور وہ تقویٰ کتنا اچھا ہے جس کو علم نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ الْعِلْمَ یَزِیْنُهُ الْعَمَلُ
اور وہ علم کتنا اچھا ہے جس کو عمل نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ الْعَمَلَ یَزِیْنُهُ الرِّفْقُ
اور وہ عمل کتنا اچھا ہے جسکو تواضع نے زینت دی

(محدث رجاء بن حیوہ رح، سنہ ۱۱۲ھ)

سلسلہ سیرت التابعین شمارہ ۱۵

سیرت

قاضی ایاس بن معاویہ المزنیؒ

المتوفی سنہ ۱۲۲ھ
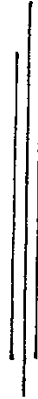
رحم اللہ ایاسا القاضی فقد کان نادرا من نوادر الزمان۔

رحمتیں نازل ہوں قاضی ایاسؒ پر نابغہ روزگار شخصیت تھے۔

(مؤلف)

قاضی ایاس بن معاویہؒ

تعارف :-

قاضی ایاس بن معاویہؒ تابعین کے دورِ اوّل میں شمار کئے جاتے ہیں۔ بکثرت صحابۂ کرامؓ کو پایا اور اُن سے استفادہ بھی کیا ہے۔

ان کی ولادت ۴۶ھ منطقہ یمامہ کے علاقہ نجد میں ہوئی۔ ولادت کے بعد والدین عراق کے شہر بصرہ منتقل ہوگئے جہاں ان کی تعلیم وتربیت جاری رہی۔

بڑوں کا بچپن بھی بڑا ہوا کرتا ہے، یہی حال ایاس بن معاویہؒ کا تھا وہ اپنی کم سنی میں کچھ ایسے ہی ممتاز تھے جیسے جوان ہوکر عزت وشہرت پائی ہے

حاضر جوابی :-

ان کے بچپن کے دورِ تعلیمی کا ایک قصّہ نقل کیا جاتا ہے کہ جس مدرسہ میں وہ تعلیم پاتے تھے اس کا ایک اُستاذ یہودی تھا۔ ایک دن اس کے ہاں اس کے دوست احباب جمع تھے اور وہ سب اسلامی اُمور میں گفتگو کر رہے تھے۔

صاحبزادے ایاس بن معاویہؒ اس مجلس میں کان لگائے بیٹھے تھے لیکن اہلِ مجلس ان سے غافل تھے، اچانک استاذ نے اپنے دوستوں سے کہا مسلمانوں کی حماقت تو دیکھو وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جنّت میں کھانا پینا سب کچھ ہوگا لیکن پیشاب پاخانہ کی ضرورت پیش نہ آئے گی بس کھاتے ہی کھاتے رہیں گے، بیوقوفی کی بھی کوئی حد ہے؟ اس پر دوستوں میں زبردست قہقہہ اُبل پڑا۔

ایاس بن معاویہؒ جو ابھی کمسن بچے تھے اس استہزاء پر بے چین ہوگئے، مجلس

برخواست ہونے سے پہلے اُستاذ سے اجازت چاہی کہ وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟ اُستاذ نے اجازت دے دی۔

کہنے لگے، جناب عالی آپ سے یہ دریافت کرنی ہے کہ ہم لوگ اِس دُنیا میں جو کچھ بھی کھاتے پیتے ہیں کیا وہ سب کا سب پیشاب پاخانہ کی شکل میں نکل جاتا ہے؟

اُستاذ نے کہا ایسا تو نہیں البتہ اس کا کچھ حصّہ پیشاب پاخانہ کی شکل میں نکل جاتا ہے۔

صاجزادے ایاس بن معاویہؒ نے پُوچھا، تو پھر بقیہ حصّہ کہاں جاتا ہے؟

اُستاذ نے کہا وہ خون کی شکل میں جسم کی غذا بن جاتا ہے۔

اِس پر ایاس بن مُعاویہؒ نے بڑے جوش و بیباکی سے کہا جناب جب دُنیا کی غذا کا کچھ حصّہ جسم کی غذا بن جاتا ہے تو اگر جنّت کی غذا کا کل حصّہ جسم کی غذا بن جائے؟ آپ حضرات کو کیوں تعجب ہو رہا ہے؟ ساری مجلس پر سکوت طاری ہو گیا اور ایاس بن مُعاویہؒ باہر نکل آئے۔

ایاس بن مُعاویہؒ کا بچپن سال بہ سال ایسے ہی عجیب و غریب واقعات سے گزر رہا تھا وہ جہاں بھی جاتے اُن کی فہم و ذکاء کا شُہرہ عام ہوا کرتا۔

ایک دفعہ دمشق (ملک شام) جانا ہوا ابھی یہ نوعُمر جوان ہی تھے وہاں ایک سن رسیدہ بزرگ سے حقوق العباد کے مسئلے میں گفتگو ہو گئی لیکن وہ بزرگ اِنکی دلیل و حُجت سے مطمئن نہیں ہوئے اور اپنی بات پر اصرار کیا۔

ایاس بن مُعاویہؒ نے نہایت جُرأت و بلند آواز سے اپنا مقدمہ پیش کیا۔ قاضی نے کہا اے لڑکے اپنی آواز پست کر، تیرا مقابل بزرگ اور بڑی عمر والا ہے۔

ایاس بن معاویہؒ نے برجستہ کہا "لیکن حق اس سے بھی بڑا ہے۔"

قاضی غصّہ میں آگیا اور کہا۔ بس چُپ رہو؟

ایاس بن معاویہؒ نے کہا اگر میں خاموش ہو جاؤں تو میرا مقدمہ کون پیش کرے گا؟

اس پر قاضی کا غضب اور تیز ہو گیا اور کہنے لگا میں تمکو عدالت میں داخل ہونے کے بعد سے ابتک بکواس ہی بکواس کرتا دیکھ رہا ہوں۔

ایاس بن معاویہؒ نے نہایت تحمل سے پھر بلند آواز میں کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ" اور قاضی سے پوچھا کیا یہ بکواس ہے؟

قاضی ہوش میں آیا کہنے لگا، ربِّ کعبہ کی قسم یقیناً یہ کلام حق ہے۔

اس طرح مجلس برخواست ہوئی اور قاضی کو ایاس بن معاویہؒ کی ذکاوت نے بیحد متأثر کر دیا۔

شہرت وعزّت :۔

ایاس بن معاویہؒ اپنی عمر کے ساتھ ساتھ علم وفہم، ذکاوت وحذاقت، نظروفکر میں آگے بڑھ رہے تھے، شہر کے اہلِ علم وفضل کا طبقہ ان کی جانب متوجّہ ہونے لگا اور بہت جلد اس کم عمری میں ملک کے شیوخ واساتذہ نے اِن کی خدمت میں حاضری کو اپنی سعادت سمجھی اس طرح ایاس بن معاویہؒ کا علمی حلقہ وسیع تر ہو گیا۔

اِنہی دنوں میں خاندان بن اُمیّہ کا مشہور خلیفہ عبدالملک بن مروان شہر بصرہ آیا، یہاں اُس نے دیکھا کہ شہر بصرہ کے چار مشہور ومعروف عمر رسیدہ عالم ایک نوجوان کے پیچھے پیچھے ادب واحترام سے چل رہے ہیں۔

عبدالملک بن مروان کو یہ منظر عجیب وغریب لگا، دریافت کیا، کیا اس شہر میں کوئی بزرگ عالم نہیں جو اس لڑکے کے پیچھے لوگ جمع ہو رہے ہے؟

پھر قریب آیا اور پوچھا اے لڑکے تیری عمر کتنی ہے؟

ایاس بن معاویہؒ نے عبدالملک بن مروان کا منشا سمجھ لیا، کہنے لگے اللہ امیر کی

عمر دراز کرے میری عمر اُسامہ بن زیدؓ کی عمر کے برابر ہے جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں اس لشکر کا امیر مقرر کیا تھا جس میں سیّدنا ابُو بکر صدیق و سیّدنا عمر الفارُوق رضی اللہ عنہ شریک تھے۔

(رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیّبہ کے آخری دنوں میں حضرت اُسامہ بن زیدؓ کو جنکی عمر بیس سال سے کم تھی ایک فوجی مہم پر امیر مقرر کیا تھا جس میں بڑی بڑی عمر والے، صاحب علم و فضل صحابہ شریک تھے)

عبدالملک بن مروان کو ایاس بن معاویہؒ کا جواب بہت پسند آیا اور ان کو مبارکباد دی۔

عدالت العالیہ کیلئے اِنتخاب:۔

اس وقت ملک شام و عراق میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت تھی شہر بصرہ کیلئے ایک قاضی عدالت کی ضرورت پیش آئی جو عدل و انصاف اور احکامِ شریعت جاری کرنے میں نہ کسی سے خوف کرتا ہو نہ کسی کی رورعایت۔

جیسا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں لکھا جا چکا ہے ان کے دورِ خلافت کا سب سے بڑا کارنامہ جس کو اسلامی مؤرخین نے سنہری حرفوں میں لکھا ہے "عدل و انصاف" کا قیام تھا، خود امیرُ المومنین عدل و انصاف کے پیکر تھے۔

علاوہ ازیں جس دور میں وہ خلیفہ نامزد ہوئے ہیں وہ دور خلفاء بنواُمیہ ظلم و ستم مفاد پرستی، اقرباء پرستی کی بدترین تصویر بنا ہوا تھا، خلفاء زادے، امیرزادے مَن مانی زندگی بسر کر رہے تھے تو عوام ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلافت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے اسی بدانتظامی کی طرف توجہ دینی تھی۔

شہر بصرہ کی عدالت پر ایک ایسے ہی متدیّن انصاف پسند، مضبوط رائے و فکر

رکھنے والے قاضی کا انتخاب کرنا تھا جو حق کو نافذ کرنے میں انکا مددگار ثابت ہو اس منصب کیلئے انھوں نے دو نام پیش کئے۔

شیخ ایاسؒ بن معاویہ المزنیؒ شیخ قاسمؒ بن ربیعہ الحارثیؒ

عراق کے اپنے گورنر عدی بن ارطاۃ کو پابند کیا کہ اِن دونوں سے مشورہ کرکے ایک کا انتخاب کیا جائے۔

گورنر نے دونوں حضرات سے مشورہ کیا اور امیرُ المومنین کا فیصلہ سُنایا۔

اِس پر ہر ایک نے دوسرے کو اس عظیم منصب کا اہل قرار دیا اور اپنی معذرت کا اظہار کیا۔

جب بات طے نہ ہوئی تو گورنر عدی بن ارطاۃ نے دونوں بزرگوں سے ادب واحترام سے کہا جب تک آپ دونوں کسی ایک کا فیصلہ نہ کریں اُس وقت تک مجلس سے باہر نہ جا سکیں گے، اس وقت مِلّت اور خلافت کی خیرخواہی کا یہی تقاضہ ہے کہ آپ دونوں میں کوئی ایک ذمہ داری قبول کریں۔

حضرت ایاس بن معاویہؒ نے کہا جناب اس بارے میں میں نے تو یہی فیصلہ کیا ہے کہ میں اس منصب کا قطعًا اہل نہیں ہوں البتہ آپ خود عراق کے دونوں فقیہہ حسن بصریؒ اور محمد بن سیرینؒ سے مشورہ کریں ان دونوں حضرات کو اللہ نے جو فہم وبصیرت دی ہے اس وقت روئے زمین پر ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ان دونوں بزرگوں کے یہاں شیخ قاسم بن ربیعۃ الحارثیؒ کی آمدورفت تھی اور خصوصی تعلقات بھی، البتہ حضرت ایاس بن معاویۃ المزنیؒ کا تعلق ورابطہ ان دونوں بزرگوں سے کچھ زائد نہ تھا۔

جب حضرت ایاس بن معاویہؒ نے یہ مشورہ گورنر عدی بن ارطاۃ کو دیا تو شیخ قاسم بن ربیعۃ الحارثیؒ تاڑ گئے کہ ایاسؒ نے مجھکو اس بھنور میں پھنسا دیا کیونکہ جب گورنر اُن حضرات سے مشورہ لیں گے تو طبعی طور پر وہ دونوں بزرگ میرے ہی

انتخاب کا مشورہ دیں گے، اس طرح ایاسؒ قضارت کی ذمّہ داریوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔

فوری کہا، اے امیر! ان دو بزرگوں سے ہمارے بارے میں مشورہ نہ لیں، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے دوست ایاس بن مُعاویہؒ احکامِ دین میں مجھ سے زیادہ فقیہہ اور حق شناس عالم ہیں۔

اور یہ بھی کہا، اے امیر! اگر میں اپنے بیان میں جھوٹا ہوں تو جھوٹے کو قاضی بنانا ویسے بھی درست نہیں، اور اگر میں اپنے بیان میں سچّا ہوں تو افضل کو چھوڑ کر غیر افضل (یعنی مجھکو) قاضی بنانا کیونکر درست ہوگا؟

گورنر کی موجودگی میں جب شیخ قاسم بن ربیعہؒ کا بیان ختم ہوا تو حضرت ایاس بن معاویہؒ نے کہا۔

اے امیر! اللہ آپکو صحیح و مضبوط فیصلے کی توفیق دے حقیقت وہی ہے جو میں نے عرض کی ہے یقیناً میں قضارت کا اہل نہیں ہوں البتّہ میرے دوست قاسم بن ربیعہ جھوٹی قسم کھا کر قضارت کی ذمّہ داریوں سے بچنا چاہتے ہیں پھر جب وہ بچ جائیں گے تو اپنی جھوٹی قسم پر توبہ و استغفار کر لیں گے اس طرح وہ قضارت کی ذمّہ داری سے بچنا چاہتے ہیں، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اُن ہی کو قاضی بنا دیا جائے۔

جب حضرت ایاس بن معاویہؒ کی بات ختم ہوئی تو گورنر عدی بن ارطاۃؒ نے کہا اے ایاسؒ جو شخص اس جیسی نظر و فکر رکھتا ہو وہی زیادہ مستحق ہے کہ اس کو قاضی مقرر کیا جائے لہٰذا میں اپنے اختیاراتِ خلافت سے آپ کو شہر بصرہ کا قاضی نامزد کرتا ہوں اللہ آپ کے ساتھ اپنی تائید و نُصرت جاری رکھے۔ آمین

اس طرح حضرت ایاس بن معاویہ المزنیؒ شہر بصرہ کی عدالت عالیہ کے قاضی قرار پائے پھر مستقبل میں اپنے عظیم کارناموں کی وجہ سے آنے والے انسانوں میں اپنی عدالت و دیانت، حذاقت و صداقت، فراست و ذکاوت میں ضرب المثل ہو گئے

جیسا کہ عرب میں حاتم طائی کی جُود و سخا، احنف بن قیسؒ کا ضبط و تحمّل، عمرو بن معدی کرب کی شجاعت ضربُ المثل بن گئی تھی۔

حکمت و دانائی:۔

اِس طرح قاضی ایاس بن معاویہؒ کے علمی و فکری چرچے ملک میں عام ہونے لگے۔ اہلِ علم و فضل کے علاوہ عامۃُ النّاس کا بھی ہجوم ہونے لگا اس ہجوم میں دو قسم کے لوگ ہوا کرتے تھے۔ ایک طبقہ تو وہ تھا جو علم و دین حاصل کرنے کے لئے ہمہ وقت حاضر باش رہا کرتا اور بعض دوسرے وہ تھے جو ایاس بن معاویہؒ سے بحث و مباحثہ کرنے اور ان کو پریشان کرنے کے لئے مختلف عنوانات سے آتے اور سوالات کرتے۔

ایک دن مجلس میں ایک دیہاتی آیا اور پُوچھا کہ شراب کے حرام ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جبکہ وہ پاک و حلال پھلوں سے تیار کی جاتی ہے، اس میں انگور، کھجور اور پانی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی یہ سب چیزیں تو حلال ہیں؟

قاضی ایاس بن معاویہؒ نے اس دیہاتی سے پُوچھا تمہاری بات ختم ہوگئی یا کچھ باقی ہے؟

اُس نے کہا بس اور کچھ نہیں۔

قاضی ایاس بن مُعاویہؒ نے کہا پہلے میرے چند سوالات کا جواب دو پھر میں تمہارے سوال کا جواب دُوں گا۔

اوّلؔ، اگر میں مُٹھی بھر پانی سے تمہارے چہرے پر ماروں تو کیا تمہیں تکلیف ہوگی؟ اُس نے کہا ہر گز نہیں۔

دُوم، اور اگر مٹھی بھر خاک سے ماروں تو کیا زخم آئے گا؟ کہا، نہیں!

سوّم، اگر میں مُٹھی بھر تنکوں سے ماروں تو کیا اس سے چہرہ زخمی ہوگا؟ کہا ایسا

بھی نہیں۔

چہارم، اگر میں ان سب چیزوں کو خلط ملط کر کے آگ پر پکاؤں پھر اس کا ایک ٹکڑا بناؤں اور اس کو خشک کر کے تمہارے چہرے پر دے ماروں تو کیا تمکو تکلیف ہو گی؟

اس دہقان نے کہا اب تو میں مر ہی جاؤں گا تمہارا یہ مارنا حرام ہوگا۔

قاضی ایاس بن معاویہؒ نے کہا بس شراب کے حرام ہونے کی بھی یہی دلیل ہے جب اس کے سارے پاک اجزاء ملا دیئے جاتے ہیں اور اس کا خمیر تیار کیا جاتا ہے تو اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے اب وہ سب پاک وحلال اجزاء حرام ہو جاتے ہیں۔

اس دہقان نے اس آسان فہم تفہیم پر اطمینان محسوس کیا۔

عدالتی فیصلے:۔

قاضی ایاس بن معاویہؒ کو جب شہر کی عدالت عالیہ کا قاضی مقرر کیا گیا اسوقت ان کے علمی وفکری جوہر یکے بعد دیگر ظاہر ہونے لگے اور اُن کے فیصلوں کی عام شہرت ہونے لگی۔

اہل حقوق کو اُن کے پورے حق ملنے لگے، ظالموں کو ظلم کا مزہ چکھنا پڑا، مظلوموں کی تائید اور نصرت عام ہوئی، ملک میں امن وامان کا دور دورہ شروع ہوا۔

خدا داد ذہانت:۔

ایک مرتبہ قاضی ایاس بن معاویہؒ کی عدالت میں دو شخص آئے ایک نے دعویٰ کیا کہ میں اپنے اس دوست کے ہاں اپنا مال امانت رکھا تھا، جب واپس لینے آیا تو اس نے امانت کا انکار کر دیا کہ میرے ہاں تمہاری کوئی امانت نہیں ہے۔

قاضی ایاسؒ نے اس کے دوست سے امانت کے بارے میں پوچھا اس شخص

نے انکار کردیا اور کہا کہ اگر میرے اس دوست کے ہاں کوئی گواہ ہو تو وہ پیش کرے ورنہ میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں کہ اس کی کوئی امانت میرے یہاں نہیں ہے۔

(ایسے معاملات میں شرعی حکم یہی ہے کہ مدّعی اپنے حق کے لئے ثبوت وگواہی پیش کرے تو اس کو وہ چیز واپس دلادی جاتی ہے ورنہ ثبوت یا گواہ نہ ہونے پر جس پر دعویٰ کیا گیا ہے اس کو اللہ کی قسم کھلائی جاتی ہے کہ میں سچّا ہوں اسکے بعد اسکو بَری (معاف) کردیا جاتا ہے)

قاضی ایاس بن معاویہؒ نے محسوس کیا اور اِن کا اپنا وجدان یہ ظاہر کر رہا تھا کہ مُدّعیٰ علیہ (جس پر دعویٰ کیا گیا) جھوٹ بول رہا ہے اور شرعی حُجّت کا سہارا لیکر اپنے دوست کی امانت ہضم کرنا چاہتا ہے۔ فیصلہ میں جلدی نہیں کی کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کیں اور مُدّعی (دعویٰ کرنے والے) سے کہا تم نے اپنا مال کس مقام پر اپنے دوست کے حوالہ کیا تھا؟

اس نے کہا فلاں مقام پر میں نے اس کو دیا ہے۔

قاضی ایاسؒ نے پوچھا اُس مقام کی کوئی خاص علامت ہے؟

مُدّعی نے کہا ہاں وہاں ایک بڑا درخت تھا جس کے سایہ میں ہم دونوں نے پہلے کھانا کھایا پھر جب چلنے لگے تو میں نے اپنا مال اس کے حوالہ کیا ہے۔

قاضی ایاسؒ نے کہا اِس وقت تم اس درخت کے پاس جاؤ ممکن ہے وہاں تمہیں اصل واقعہ یاد آجائے کہ اپنے اس دوست کے علاوہ کسی اور شخص کو اپنا مال دیا ہو؟ یا اُس جگہ کوئی اور معاملہ کیا ہو؟ اور تم بھول رہے ہو، لہٰذا اب فوری اُس مقام پر پہنچو اور وہاں بیٹھکر غور کرو اور جو بات یاد آجائے واپس آکر عدالت برخواست ہونے سے پہلے پہلے مجھکو مطلع کرنا؟

یہ سُنکر وہ شخص تیزی سے چلا گیا اِدھر قاضی ایاسؒ دوسرے مقدمات میں

مشغول ہو گئے اور مدّعیٰ علیہ عدالت ہی میں بیٹھا رہا۔

اِس عرصہ میں قاضی ایاسؒ کبھی کبھی مخفی طور پر اُسکو کن انکھیوں سے دیکھ لیا کرتے تھے جب یہ اطمینان ہو گیا کہ مدّعیٰ علیہ مطمئن ہو گیا ہے تو اچانک اُس کی طرف متوجہ ہوئے اور پُوچھا کہ کیا تمہارا وہ دوست اُس مقام تک پہنچ گیا ہو گا؟ اس اچانک سوال پر مدّعیٰ علیہ بغیر سوچے سمجھے فوری بول پڑا۔ جی نہیں! وہ مقام تو یہاں سے بہت دُور ہے۔

بس قاضی ایاسؒ نے دفتر بند کر دیا اور غضبناک آواز میں کہا "اے اللہ کے دشمن تجھکو امانت کا انکار ہے لیکن اُس مقام کا علم ہے جہاں امانت حوالہ کی گئی تھی؟ اللہ کی قسم تو جھوٹا اور خیانت کار انسان ہے"۔

اس غیر متوقع فہمائش پر مدّعیٰ علیہ کے ہوش و حواس گم ہو گئے اور وہ مجبور ہو گیا کہ امانت کا اقرار کر لیا جائے، آخر کار خیانت کا اقرار کر ہی لیا۔ قاضی ایاسؒ نے اس کو قید کر دیا جب اس کا ساتھی واپس آیا تو اُسکا مال حوالہ کر دیا گیا۔

اِس طرح قاضی ایاسؒ نے اپنی خداداد ذہانت سے ایک ایسا مقدمہ حل کر دیا جس کے اسباب معدوم تھے اور حق والا حق سے محروم ہو رہا تھا۔

فَجَزَاہُ اللّٰہُ خَیْرُ الْجَزَاءِ۔

فہم و بصیرت:۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ پیش آیا، دو شخصوں نے ایسے دو کپڑوں کے بارے میں جھگڑا کیا جس کو دکنی زبان میں اُونی شال کہا جاتا ہے، جو اُس زمانے میں دولت مند لوگ اپنے سر اور کندھوں پر ڈال لیا کرتے تھے۔

دونوں شخص قاضی ایاسؒ کی عدالت میں آئے ایک شال تو سبز رنگ کی جدید اور قیمتی تھی دوسری سُرخ رنگ کی مگر پُرانی اور بوسیدہ، ہر ایک سبز اور

قیمتی شال کا مدّعی تھا۔

قاضی اِیاسؒ نے دونوں سے تفصیل دریافت کی۔ پہلے شخص نے کہا میں غسل کرنے حوض پر گیا اور اپنی سبز قیمتی شال اپنے جسم کے کپڑوں کے ساتھ حوض کے کنارے رکھدی اور حوض میں اُتر گیا، یہ دوسرا شخص بھی آیا۔ اُس نے بھی اپنی پُرانی سُرخ شال اپنے کپڑوں کے ساتھ میرے کپڑوں کے قریب رکھدی اور حوض میں اُتر کر میرے نکلنے سے پہلے باہر آگیا اور اپنے کپڑے پہن کر میری سبز رنگ کی قیمتی شال اپنے سَر اور کندھوں پر ڈال لیا اور اپنی پُرانی سُرخ شال میرے کپڑوں میں رکھدی اور چل پڑا اس کے بعد میں باہر آیا تو دیکھا کہ وہ میری سبز شال اُوڑھے جارہا ہے میں نے پیچھا کیا اور اپنی شال طلب کی اس نے انکار کردیا اور کہا کہ شال تو میری ہے۔

قاضی ایاسؒ نے دوسرے سے پُوچھا کہ تمہارا کیا دعویٰ ہے اُس نے کہا یہ سبز رنگ کی شال تو میری ملکیت ہے اور میرے قبضے میں ہے۔ بھلا میں اسکو کیوں دوں یہ تو میں نے ابھی حال ہی خریدی ہے۔

قاضی ایاسؒ نے پہلے شخص سے پُوچھا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ قیمتی سبز شال تمہاری ہے؟

اُس نے کہا میرے ہاں ایسا کوئی ثبوت نہیں کہ میں پیش کروں لیکن اللہ کی قسم یہ شال تو میری ہے۔

قاضی ایاسؒ دونوں کے اپنے اپنے دعویٰ پر خاموش ہوگئے کچھ دیر بعد اپنے خادم سے کہا ایک باریک کنگھی لاؤ اور دونوں کے سروں میں یکے بعد دیگر کنگھی کرو چنانچہ اہتمام سے کنگھی کی گئی ایک کے سر سے سُرخ رنگ کے باریک باریک اُونی بال نکلے اور دوسرے کے سر سے سبز رنگ کے باریک باریک اُونی بال نکلے۔

قاضی ایاسؒ کے دونوں کا فیصلہ اس طرح کردیا کہ جس کے سر سے سُرخ اُونی بال نکلے اس کو تو سُرخ رنگ کی شال دے دی اور جس کے سر سے سبز رنگ کے

اُونی بال نکلے اسکو سبز رنگ کی قیمتی شال حوالہ کی۔

قاضی ایاسؒ کے اس نادر فیصلہ پر مجرم نے اپنی خیانت کا اعتراف کیا اور عدالت میں توبہ کی پھر صاحب حق نے اس کو معاف بھی کر دیا اور مقدمہ خارج کر دیا گیا۔ سچے اور حقانی فیصلے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں کہ مجرم پر رُعب اور خوف طاری ہو جایا کرتا ہے اور جرم کا اقرار کرنے پر طبیعت غالب آجاتی ہے۔

عام طور پر یہ بات مشہور ہو گئی کہ قاضی ایاسؒ کی عدالت میں صرف وہی شخص جائے جو حق پر ہو مجرم و باطل پرست انسان اپنا مقدمہ لے جانے سے گھبرایا کرتا تھا اس طرح ملک میں اَمن و امان، عدل و انصاف، چین و سکون کی عام فضا قائم ہو گئی لوگ اپنے اپنے حقوق پر مطمئن تھے انھیں مُجرموں کی خیانت و چوری، فریب کاری کا اندیشہ نہ تھا۔

تاریخِ اسلامی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی ملک کی عدالتوں پر خدا ترس نیک و انصاف پسند قاضی (جج) رہے ہیں ملک میں اَمن و امان کا دَور دورہ رہا ہے اور بگاڑ و فساد خال خال ہی پیش آیا ہے۔

اور جب عدالتیں مظلوم کا حق نہیں دلواتیں اور مُجرم و ظالموں کو قانون کا سہارا دیکر معاف و بَری قرار دیتی ہیں تو پیشہ ور مُجرم مزید جری و بیباک ہو جاتے ہیں اور ملک کا اَمن و امان دَرہم بَرہم ہو جایا کرتا ہے۔

قاضی ایاسؒ مقدمہ کے صرف قانونی پہلوؤں پر فیصلہ نہیں کرتے تھے بلکہ حق دار کو اس کا حق دلوانے کے لئے اپنی ذہانت و ذکاوت کو بھی کام میں لاتے اور اپنی نورِ بصیرت سے حق و باطل کو محسوس کر لیا کرتے اس کے بعد قانون کا سہارا لے کر مُجرم کو کیفرِ کردار تک پہونچا دیتے، اِن کی اِسی خُدا داد فِطرت و صلاحیت نے شہرِ کُوفہ کے ایک پُر فریب۔ مکّار۔ امانت دار کو طشت اَزبام کر دیا تھا۔

مکّار امانت دار:۔

واقعہ یہ تھا کہ شہر کوفہ میں ایک شخص نے مکروفریب سے عام لوگوں میں اپنی امانت ودیانت، تقویٰ وطہارت کی عام شہرت حاصل کر لی تھی ایک متقی وپرہیز گار کی حیثیت سے اُس کے چرچے ہونے لگے اور عام لوگوں نے اس کو اپنا پیشوا ومقتدیٰ تسلیم کر لیا۔

قدیم زمانے میں مال ودولت رکھنے کے لئے بنکوں اور لاکرس کا انتظام نہ تھا، کسی بھی خانگی ضرورت پر یا بیرونِ وطن سفر کرنے سے پہلے یا یتیموں کا مال محفوظ کرنے کے لئے لوگ امانتدار لوگوں کے پاس اپنا مال ومتاع امانت رکھا کرتے تھے، یہ اُس زمانے کا عام طریقہ تھا۔

ایسے ہی ایک شخص آیا اور اپنا بہت سارا مال اُس نام ونہاد امانتدار کے یہاں رکھوا دیا کچھ عرصہ بعد اپنی امانت واپس لینے آیا لیکن اُس امانت دار نے صاف انکار کر دیا کہ میرے ہاں تمہاری کوئی امانت نہیں، بات آگے بڑھ گئی۔ مظلوم نے اپنا مقدمہ قاضی ایاسؒ کی عدالت میں پیش کر دیا اور تفصیلی واقعہ بیان کیا۔

قاضی ایاسؒ نے مُدّعی سے پُوچھا کیا تمہارے عدالت سے رُجوع کرنے کا علم اُس امانت دار کو ہے؟

اُس نے کہا، ہرگز نہیں۔

قاضی ایاسؒ نے کہا، اچھا اب تم اپنے گھر چلے جاؤ کل اسی وقت عدالت میں آجانا اور کسی سے کچھ بھی تذکرہ نہ کرنا۔ پھر قاضی ایاسؒ نے اپنے ایک خادم کو اُس ظالم وخائن امانتدار کے پاس یہ پیام دیکر روانہ کیا۔

مجھکو معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنے زُہد وتقویٰ کی وجہ سے عامّۃ النّاس میں قابلِ اعتماد اور عزّت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں اور لوگ آپ پر کامل بھروسہ کرتے

ہیں ضرورت کے وقت آپ کے ہاں اپنی دولت وغیرہ بے خوف وخطر امانت رکھوا دیتے ہیں، میرے ہاں بھی چند یتیموں کا مال امانت ہے جن کے کوئی سرپرست نہیں ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان سب کا مال آپ کا یہاں امانت رکھوادوں اور آپ کو ان یتیموں کا قانونی سرپرست بھی قرار دیدوں، اس طرح میں اپنی اس زائد ذمّہ داری سے سبکدوش ہوجاؤں گا۔

براہ کرم مطلع فرمایئے کیا آپ اس ذمّہ داری کو قبول فرمائیں گے؟ اور کیا آپ کے ہاں ایسا کوئی محفوظ مکان بھی ہے؟

قاضی ایاسؒ کا یہ پیام جب خادم نے حوالہ کیا تو شیخ مکّار نے فوری کہا جنابِ عالی میں حاضر ہوں آپ جیسا بھی حکم دیں، یتیموں کے مال کے تحفظ کا آپ نے بہتر انتخاب کیا ہے میں اس کو حفاظت سے رکھوں گا۔

قاضی ایاسؒ نے شیخ مکّار کا شکریہ ادا کیا اور گزارش کی کہ دو دن بعد آپ میرے ہاں تشریف لائیں اس عرصہ میں امانت رکھنے کی جگہ کا بھی انتظام کرلیں اور جب تشریف لائیں تو اپنے ساتھ دو مزدور بھی لیتے آئیں تاکہ یہاں سے مال اُٹھالیا جائے۔

دوسرے دن حسبِ ہدایت وہ پہلا شخص آیا۔ قاضی ایاسؒ نے اُس سے کہا کہ میں نے اُس بوڑھے مکّار کو کل یہاں آنے کو کہا ہے لہٰذا اب تم اُس کے گھر جاؤ اور پھر اپنی امانت دوبارہ طلب کرو اگر وہ انکار کردے تو اُس سے کہنا کہ کل میں قاضی ایاسؒ کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کررہا ہوں اب تم سے عدالت ہی میں بات ہوگی، یہ کہکر واپس ہوجانا۔ (میری مُلاقات کا تذکرہ اُس سے ہرگز نہ کرنا)۔

مظلوم نے قاضی ایاسؒ کی ہدایت کے مُطابق اُس بوڑھے مکّار سے اپنی امانت طلب کی لیکن حسبِ عادت اُس نے امانت کا انکار کردیا اور سختی سے جھڑک بھی

دیا۔ مظلوم نے قاضی ایاسؒ کی عدالت میں رُجوع ہونے کی دھمکی دی اور واپس لوٹنے لگا۔

مظلوم نے اپنی پیٹھ پھیری ہی تھی کہ بُوڑھے مکّار نے آواز دی اچھّا اب قصّہ ختم کرو اور اپنی امانت لے جاؤ میں جھگڑوں کو پسند نہیں کرتا (کیونکہ دوسرے دن قاضی ایاسؒ کے یہاں سے یتیموں کا مال لینا تھا)۔

مظلوم اپنا مال لیکر خوش خوش قاضی ایاسؒ کے پاس آیا اور سارا قصّہ سُنایا اور قاضی ایاسؒ کو دُعائیں دیں۔

دوسرے دن حسب طلب وہ بُوڑھا مکّار اپنے زُہد و تقویٰ کے لباس میں یتیموں کا مال لینے قاضی ایاسؒ کے گھر آیا، اور اپنے ساتھ دُو مزدور بھی لے آیا، لیکن اُس کا یہ آنا اُس کی دائمی ذلّت و رُسوائی کا سبب بنا۔

قاضی ایاسؒ جو اس کی مکّاری و عیّاری سے واقف ہو چکے تھے برسرِ عام اسکی ایسی سرزنش کی کہ وہ سارے شہر میں رُسوا ہوا اور اس کے زُہد و تقدّس کا تار تار بکھر گیا اور شہر میں اس کا لقب "شیخ مکّار" مشہور ہو گیا۔

زُہد و تقویٰ بھی ایمانی اخلاق کی بڑی مظلوم صفات ہیں جہاں اِس کے ذریعہ آسمانِ علم و فضل کے آفتاب و مہتاب بنے ہیں وہاں بہ جور و مکّار بھی جنم پائے ہیں، کتنوں نے اس کے ذریعہ اپنی دُنیا و آخرت بنائی اور کتنوں نے دونوں کو تباہ کر لیا۔

قاضی ایاسؒ کی یہ فہم و ذکاء اور قوّت فیصلہ عطائے خداوندی تھی جس کے ذریعہ پیچیدہ مقدمات میں بہت جلد حقیقت کو پالیتے تھے، قانون کا سہارا تو صرف وہی لوگ لیتے ہیں جو فہم و فراست، تقویٰ و طہارت سے خالی ہیں اور جو لوگ قانونی ظاہر پرستی میں مُبتلا ہیں اور آج دنیا کی بیشتر عدالتیں اسی طرز پر کام کر رہی ہیں قانون کی مُوشگافیاں مجرم اور ظالم کو مزید تقویت پہنچا رہی ہیں مظلوم اور اہلِ حق

دبے جارہے ہیں۔

قاضی ایاسؒ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی تائید و توفیق ہی تھی جو زندگی بھر عدالت کی ذمہ داریوں سے کامیاب سبکدوش ہوتا رہا۔ پھر کہتے ہیں کہ باوجود اپنی کامل حزم واحتیاط ایک مقدمہ میں مجھ سے بھی لغزش ہوگئی۔ حق تو صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کو سزاوار ہے مخلوق کی ہر بلندی میں بہر حال عیب شامل ہیں۔

(نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک اُونٹنی کا نام قصواٰر تھا، جوان تیز رفتار اور چاق و چوبند قسم کی تھی، اُونٹوں کی دوڑ میں ہمیشہ آگے رہتی تھی ایک دفعہ ایک دوڑ میں کم عمر اُونٹ سے پیچھے رہ گئی، صحابہ کرامؓ کو اسکا شکست کھانا ناگوار گزرا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اُونٹنی ہار گئی، آپؐ کو جب اِس کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا سنّت اللہ یہی ہے کہ جو سر اُٹھاتا ہے اس کو پست کر دیا جاتا ہے اور جو تواضع اختیار کرتا ہے اُسکو بلندی نصیب ہوتی ہے۔ الحدیث)

اظہارِ ندامت :۔

بہر حال قاضی ایاسؒ کہتے ہیں کہ میری عدالت میں ایک مقدمہ پیش ہوا، دو شخص ایک باغ کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے پہلے شخص نے اپنی ملکیت کے لئے ایک معتبر گواہ پیش کیا اُس نے گواہی دی کہ باغ تو اسی شخص کا ہے، پھر اُس باغ کے حدودِ اربعہ بھی بیان کیا۔

فیصلہ سے پہلے قاضی ایاسؒ نے اُس کی گواہی کا امتحان لینا چاہا، پوچھا اچھا یہ بتاؤ کہ اُس باغ میں کتنے درخت ہیں؟

چند سکنڈ تو وہ خاموش رہا پھر قاضی ایاسؒ سے سوال کیا، عزیز القدر عالی مرتبت قاضی آپ کتنے سال سے کرسیٔ عدالت پر تشریف فرما ہیں؟

قاضی ایاسؒ نے کہا اتنے اور اتنے سال سے۔

پھر کہنے لگا، آپ کے اس حجرۂ عدالت کی چھت میں کتنی لکڑیاں لگی ہوئی ہیں ؟ قاضی ایاسؒ نے اس غیر متوقع معقول سوال پر فوری کہا میں نہیں جانتا، البتّہ آپ اپنی شہادت میں حق پر ہیں اور میرا سوال ناحق ہے. قاضی ایاسؒ کو اپنی خطا کا شدّت سے احساس ہوا اور معذرت چاہی۔

شہر بصرہ (عراق) کی عدالت عالیہ پر قاضی ایاسؒ کا انتخاب خلیفہ خامس عمر بن عبدالعزیزؒ نے ۹۹ھ کیا تھا، اسلامی مؤرخین خلیفہ کے درخشاں کارناموں میں اس انتخاب کو سرِفہرست قرار دیا ہے۔

قاضی ایاسؒ اپنی فہم و فراست، ذکاوت و حذاقت، صلابت و دیانت، علم و حکمت، فکر و نظر میں نوادراتِ زمانہ میں شمار کئے گئے ہیں۔

لطائف :۔

دو[۱] عورتیں اپنا ایک مقدمہ لیکر قاضی ایاس کی عدالت میں آئیں، جب وہ اپنا دعویٰ بیان کر کے واپس ہوئیں تو قاضی ایاسؒ نے فرمایا:

ایک ان میں شادی شدہ ہے اور دوسری دوشیزہ (غیر شادی شدہ)

دوستوں نے پوچھا، یہ آپ نے کس طرح جانا ؟

فرمایا، شادی شدہ عورت آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کرتی تھی یہ اس کے شادی شدہ ہونے کا ثبوت ہے۔ اور دوشیزہ آنکھیں نیچی کر کے باتیں کرتی تھیں یہ اس کے دوشیزہ ہونے کی علامت ہے۔

ایک[۲] اور عجیب و غریب بات کہا کرتے تھے. فرمایا جس میں کوئی عیب نہیں وہ احمق ہے۔

کسی نے پوچھا آپ میں کیا عیب ہے ؟ کہا فضول گوئی۔

قاضی[۳] ایاسؒ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں نے انسان کی تمام خوبیوں کو آزمایا

ہے اِن سب میں بلند تر خوبی زبان کی سچائی ہے۔

وفات:۔

جب قاضی ایاس بن معاویہؒ کی عمر شریف چھہتّر سال ہونے آئی تو ایک رات اپنے والد مرحوم کو اور خود کو دیکھا کہ دونوں اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہیں اور ایک ساتھ چل رہے ہیں دونوں میں کوئی بھی آگے نہیں ہوتا، اس خواب کے چند دن بعد ایک دن حسبِ معمول اپنے بستر پر لیٹے اور گھر والوں سے کہا جانتے ہو یہ کونسی رات ہے؟ گھر والوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

فرمایا، اس تاریخ اور اس رات میرے والد مرحوم کی چھہتّر سال پوری ہوئی تھی اور وہ اس کی صبح وفات پاگئے، یہ کہکر سوگئے۔ صبح گھر والوں نے انھیں بھی بستر پر میّت پایا۔ فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا یَمُوْتُ وَلَا یَفُوْتُ۔

وفات کے وقت قاضی ایاسؒ کی عمر بھی چھہتّر سال تھی وفات ۱۲۲ھ میں ہوئی۔

اللہ! قاضی ایاسؒ پر رحمتوں کی بارش نازل کرے۔

بڑے نابغۂ روزگار شخص تھے۔

مراجع و مآخذ

(۱) وفیاتُ الاعیان ج ۱ ابن خلکانؒ ⁘ (۲) البیان والتبیین ج ۱ الجاحظؒ

(۳) العقد الفرید ابن عبد ربہؒ ⁘ (۴) حلیۃُ الاولیاء ج ۳ ابو نعیمؒ

(۵) اخبار القضاۃ الوکیعؒ ⁘ (۶) تہذیب التہذیب ابن حجرؒ

مَا اَحْسَنَ الْاِسْلَامَ یَزِیْنُہُ الْاِیْمَانُ

وہ اسلام کتنا اچھا ہے جس کو ایمان نے زینت دی

وَمَا اَحْسَنَ الْاِیْمَانَ یَزِیْنُہُ التُّقٰی

اور وہ ایمان کتنا اچھا ہے جس کو تقویٰ نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ التُّقٰی یَزِیْنُہُ الْعِلْمُ

اور وہ تقویٰ کتنا اچھا ہے جس کو علم نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ الْعِلْمَ یَزِیْنُہُ الْعَمَلُ

اور وہ علم کتنا اچھا ہے جس کو عمل نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ الْعَمَلَ یَزِیْنُہُ الرِّفْقُ

اور وہ عمل کتنا اچھا ہے جسکو تواضع نے زینت دی

(محدث رجاء بن حیوۃ رحمہ اللہ، سنہ ۱۱۲ھ)

سِیرت
امام محمدؐ بن مُسلمؒ
ابن شہابؒ الزُّہری
المتوفی سنہ ۱۲۴ھ

اَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ الحَدِیْثَ مُحَمَّدُ بْنِ مُسْلِمِ ابنِ شِہَابِ الزُّہْرِیؒ

(حافظ ابن حجر عسقلانیؒ)

احادیث رسولؐ کو سب سے پہلے کتابی شکل دینے والے محمد بن مسلم بن شہاب زُہری ہیں۔

تعارف :-

نام محمد تھا، کنیت ابوبکر، والد کا نام مسلم، لیکن وہ اپنے دادا ابن شہاب زہری کے نام سے مشہور ہیں۔ طبقہ محدثین میں اِن کا نام صفحہ اوّل پر آتا ہے یہ اُن کے سرخیل سمجھے جاتے ہیں۔

اِن کے پَردادا (عبداللہ شہاب) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین مخالفوں میں شامل تھے۔ جنگِ بدر اور جنگ اُحد کے مُعرکوں میں مشرکینِ مکّہ کے ساتھ اسلام اور رسولِ اسلام کو مٹانے آئے تھے۔

یہ اُن بے نصیب لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے مشرکینِ مکّہ سے عہد کیا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کردیں گے یا پھر لڑکر خود مرجائیں گے (آخر خود ہلاک و برباد ہوئے)

اِسی دشمنِ خُدا اور رسول کی نسل میں یہ گوہر آبدار محمد بن مُسلم (ابن شہاب زہریؒ) پیدا ہوئے۔ فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ۔

ابن شہاب زہری اُن چند ائمہ اسلام میں ایک ہیں جن کی ذات سے اسلام کے مذہبی عُلوم میں زندگی پیدا ہوئی اور اسکی روشنی سے دنیائے اِسلام منوّر ہوا۔

عِلمی استعداد :-

اپنے زمانے میں علمی کمالات کا ان جیسا کوئی ہم پایہ نہ تھا، تحصیل علم کی استعداد فطری طور پر نصیب تھی، ذہانت، فطانت، ذکاوت، قوّتِ حافظ بے نظیر پائی تھی،

ذہین ایسے تھے کہ کسی مسئلے کو دوبارہ پُوچھنے یا سمجھنے کی ضرورت پیش نہ آتی، حافظہ اتنا قوی تھا ایک مرتبہ جو بات سُن لی وہ ہمیشہ کے لئے لوحِ دل پر نقش ہوگئی، انکے اِس قوّتِ حافظہ کی یہ ادنیٰ مثال ہے کہ صرف اَسّی یوم میں پُورا قرآن حفظ کرلیا، ساری زندگی میں صرف ایک حدیث کے بارے میں کچھ شُبہ پیدا ہوا تھا لیکن تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ انھیں جسطرح یاد تھا ویسے ہی پایا۔ لَآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہ۔

طلب وجستجو:۔

اِس اعلیٰ ذہن وحافظہ کے ساتھ طلب وجستجو کا عجیب حال تھا، علم وفن کا کوئی خزانہ ایسا نہ تھا جس سے انھوں نے استفادہ نہ کیا ہو۔ آٹھ سال تک امام مدینہ سعید بن مسیّبؒ کی خدمت میں رہے اور ان کے تمام عُلوم کو محفوظ کرلیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مدینہ منوّرہ کی گلی گلی میں عُلوم قرآن وحدیث کے مراکز تھے اور یہاں کا بچّہ، جوان، بوڑھا حتّٰی کہ پردہ نشین خواتین بھی علم وہُنر کے زیور سے آراستہ تھیں، ابن شہاب زُہری گھر گھر جاکر سب سے استفادہ کرتے۔

حضرت ابوالزّناد کا بیان ہے کہ ہم ابن شہاب زُہری کے ساتھ عُلماء کے گھروں کا چکر لگاتے ابن شہاب اپنے ساتھ کاغذ وقلم رکھّا کرتے تھے جو کچھ بھی سُنتے اسکو بھی قلم بند کرلیتے۔

حضرت سعید بن ابراہیمؒ کا بیان ہے میں نے اپنے والد سے پُوچھا ابّا جان! ابن شہاب زہری علم میں آپ حضرات پر کیونکر فائق ہوگئے؟

والد نے جواب دیا، وہ علمی مجالس میں سب سے پہلے آتے اور سب سے آگے جگہ پاتے، اُستاذ کی ہر بات نقل کرتے پھر آخر میں ان تمام حضرات سے مراجعت کرتے جو درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اِس طرح ان کا علم مضبوط اور گہرا ہوتا چلا گیا، تحصیل علم میں اپنی حیثیت کا کوئی پاس ولحاظ نہیں رکھتے۔ چھوٹے بڑے حتّٰی کہ

علم والی خواتین سے بھی استفادہ کرنے میں شرم و عار محسوس نہ کرتے تھے۔

جہاں کسی عالمہ خاتون کا پتہ چلتا اس کے ہاں پہونچ جاتے، خود اُن کا بیان ہے کہ ایک دن شیخ قاسم بن محمدؒ نے کہا تم میں تحصیلِ علم کی بڑی حرص ہے، میں تمکو علم کے ایک ظرف کا پتہ دیتا ہوں۔ میں نے کہا ضرور بتایئے؟

شیخ قاسم بن محمدؒ نے کہا شیخ عبدالرحمن کی صاحبزادی کے ہاں جاؤ اُس خاتون نے اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کی آغوش میں پرورش پائی ہے اور اُن سے بہت کچھ سیکھا ہے۔

ابن شہاب کہتے ہیں، میں اُن کے مکان پر گیا اور احادیث سنیں، واقعی وہ علم کا بحرِ بیکراں تھیں۔

علم کی ہمہ گیری و جامعیّت:۔

ابن شہاب زُہریؒ کا فطری ذوق محدود نہ تھا کہ وہ صرف علم حدیث کے طالب علم نہ تھے بلکہ ہر اُس علم سے ویسا ہی تعلّق تھا جیسا کہ علم حدیث کا ذوق و شوق تھا۔

اُستاذ سے وہ جو کچھ بھی سُنتے لکھ لیا کرتے، ابُو الزّناد کا بیان ہے کہ ہم صرف حلال و حرام کے مسائل قلمبند کرتے تھے اور ابن شہاب زُہریؒ اُستاذ کی ہر بات کو نقل کر لیا کرتے، ہمیں جب آئندہ ضرورت پیش آئی تو معلوم ہوا کہ وہ ہم سب سے بڑے عالم ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جُملہ عُلوم میں یکساں جامعیّت رکھتے تھے جس علم پر بھی وہ گفتگو کرتے معلوم ہوتا تھا کہ ان کو اُس علم میں خصوصیّت مہارت ہے۔

امام لیثؒ کا بیان ہے کہ میں نے ابن شہاب زُہریؒ سے زیادہ جامعیّت کسی میں نہ دیکھی، جب وہ ترغیب و ترہیب کی روایات نقل کرتے تو معلوم ہوتا کہ

وہ اِسی کے بڑے عالم ہیں اور جب عرب اور اہل عرب پر روشنی ڈالتے تو معلوم ہوتا کہ یہی اِن کا خاص موضوع ہے۔ اور جب وہ قرآن وحدیث پر بولتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ علوم قرآن وحدیث میں ان سے بڑا عالم اور نہیں۔

امام معمرؒ کا بیان ہے کہ جن جن علوم میں اِن کو درک حاصل تھا ان میں وہ اپنا مثل نہ رکھتے تھے۔

قرآن حکیم:۔

قرآن حکیم کے وہ بہت بڑے عالم وحافظ تھے عُلوم قرآنیہ پر (جن کی تعداد پندرہ ۱۵ لکھی جاتی ہے) ان کی نظر اتنی وسیع تھی کہ کلامُ اللہ اِن کا خاص موضوع بن گیا۔

اِمام نافعؒ جو سیّدنا عبدُ اللہ بن عمرؓ کے خصوصی شاگرد اور اُن کے عُلوم کے محافظ سمجھے جاتے ہیں، ابن شہاب زُہریؒ سے قرآن کا دَورہ کیا کرتے اور اُن کی معلومات سے استفادہ، یہ اِنکا بہت بڑا اعزاز ہے۔

اِمام نافعؒ مدینہ منورہ کے "فقہاءِ سبعہ" میں شامل ہیں جن کو عِلم کا سلسلۃُ الذہب سمجھا جاتا ہے۔

عُلومِ حدیث:۔

جیسا کہ ابن شہاب زُہریؒ کو جُملہ علوم وفنون میں یکساں کمال حاصل تھا لیکن اُن کا خاص ذوق "حدیث وسُنّت" کا علم تھا۔ انھوں نے جس مشقت وسحر خیزی سے یہ علم حاصل کیا اور احادیث کے ایک ایک لفظ کو جس حزم واحتیاط سے محفوظ کیا اسکی شہادت اُس دَور کے سارے محدّثین دیا کرتے ہیں۔

ابن شہاب زہری کا دور وہ زمانہ تھا جس میں احادیثِ رسول اسلامی ممالک

میں پھیل چکے تھے اور جا بجا اُن کی نقل کا سلسلہ چل پڑا تھا، اس ہمہ گیر دوڑ میں ہر کس و ناکس حصّہ لینا اپنی سعادت مندی خیال کر رہا تھا۔ ایسے ہجوم کے وقت اچھے بُرے کی تمیز مشتبہ ہو رہی تھی اور پھر باطل و گمراہ فرقے، خوارج، روافض، شیعہ و اثنا عشریہ، منکرین تقدیر وغیرہ بھی ظاہر ہو چکے تھے جن کی مخفی تبلیغ ہوا کرتی تھی ایسے وقت اِن فرقوں نے اپنے عقائد و نظریات کو خود ساختہ احادیث سے شہرت دینے لگے اور اِن کی تبلیغ عام ہونے لگی۔

اِس پُر فتن ماحول میں جہاں مِلّت اسلامیہ بے چین تھی، اُموی خُلفاء میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ وہ پہلے حکمراں ہیں جنھوں نے اس فتنہ کو شدّت سے محسوس کیا، اِن کی فاروقی نظر مستقبل قریب کے نتائج کو دیکھ رہی تھی وقت کے جلیلُ القدر ائمہ حدیث میں محمد بن مُسلم بن شہاب زُہری (المتوفی ۱۲۴ھ) اور ابو بکر بن حزم رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۰ھ) کو خصوصی زحمت اور ہدایات جاری کیں کہ جسقدر ممکن ہو احادیث صحیحہ کو جمع کر لیا جائے تاکہ مستقبل کے مسلمانوں کو اِن دجّالین و کذّابین کے فتنے سے محفوظ رکھا جاسکے۔

چنانچہ دونوں " ائمہ ہُدیٰ " نے تدوینِ حدیث کا کام شروع کر دیا اور بہت مختصر عرصے میں احادیثِ صحیحہ کا مجموعہ جمع ہو گیا جن کی روایات آج کُتبِ حدیث میں محفوظ ہیں۔

اِسی بنیاد پر امام ابن شہاب زُہری رحمہ اللہ مِلّتِ اسلامیہ کے پہلے "واضع حدیث" کہلائے جاتے ہیں۔

مِلّتِ اسلامیہ کا یہ اتنا بڑا اعزاز تھا جو کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ فجزاہُ اللّٰہُ عَنْ سَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔

اِمام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر زُہری رحمہ اللہ نہ ہوتے تو مدینہ کے سُنن ضائع ہو جاتے وہ بالاتفاق اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رح فرمایا کرتے تھے کہ ابن شہاب زہری رح سے زیادہ سُنن کا جاننے والا کوئی نہیں رہا۔

قوّتِ حافظہ:۔

امام ابن شہاب زُہری رح نے حافظہ بھی ایسا پایا تھا کہ جو کچھ بھی حاصل کیا وہ سب محفوظ ہو گیا۔

خود کہا کرتے تھے، میں نے اپنے سینہ میں جو علم امانت رکھا ہے وہ بُھولا نہیں جاتا۔

اِس کا ثبوت اِس بات سے ملتا ہے کہ ایک مجلس میں سینکڑوں احادیث سُناتے پھر جب کسی ضرورت کے تحت اعادہ کرنے کی ضرورت پڑتی تو مِنْ وَعَنْ ایسے طور پر دُہرا دیتے کہ ایک لفظ کی بھی کمی زیادتی نہ ہوتی۔ یہ ایک معجزانہ کیفیت تھی جو انھیں نصیب رہی ہے۔

ایک مرتبہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے لڑکے کیلئے احادیث لکھنے کی گزارش کی، ابن شہاب زہری رح نے بَرجستہ چار سو احادیث قلمبند کروادیں، ایک ماہ بعد خلیفہ نے امتحاناً کہا کہ وہ مجموعہ گُم ہو گیا ہے براہِ کرم دوبارہ لکھوادیں۔ امام ابن شہاب زہری رح نے وہی احادیث لکھوادیں۔ خلیفہ نے دونوں مجموعوں میں تقابل کیا ایک لفظ کا بھی فرق نہ پایا، اس کے بعد خلیفہ نے پھر کبھی ایسی جراءت نہیں کی۔

علّامہ ابن مدینی فرمایا کرتے تھے کہ حجاز کا سارا علم عمرو بن دینار رح اور ابن شہاب زُہری رح کے درمیان تقسیم ہو گیا، ابن شہاب زُہری رح کی مرویّات دو ہزار دو سَو تک پہنچتی ہیں۔

اِمام زُہری رح کی مرویّات:۔

احادیث کی صحت وقوّت میں راویوں کی کثرت سے کہیں زیادہ اُسکے راویوں کے

عدل وضبط، علم و فہم کی حالت کو معیار صحت قرار دیا جاتا ہے لہٰذا ایسی حدیث جس کے راوی کی معیار صحت کا درجہ بلند تر ہوگا اس کی یہ روایت اُن دو چار راویوں کی روایت سے کہیں زیادہ اُونچا درجہ رکھتی ہوگی جو عدل وضبط میں اس راوی سے کمتر ہوں اس لحاظ سے ابن شہاب زہری رح کی روایات کا جو پایہ تھا اس کا اندازہ اُنکے راویوں سے ہوتا ہے جن سے وہ نقل کرتے ہیں۔

امام عمرو بن دینار رح خود بڑے محدّث و صاحب فضل و کمال ہیں فرماتے ہیں. میں نے زُہری رح سے زیادہ کسی محدّث کی روایات کو اصحّ الاسناد نہیں پایا۔

یہی بات امام احمد بن حنبل رح اور محدّث اسحٰق بن راہویہ رح کہتے ہیں، سند کا یہ سلسلۃ الذہب زُہرِی عَنْ سالم عَنْ عبداللہ بنِ عمر رض عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم تھا۔

امام زہری رح کے اساتذہ :-

چونکہ امام زُہری نے علم کے ہر خرمن سے خوشہ چینی کی ہے اس لئے ان کے اساتذہ و شیوخ کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ صحابۂ کرام رض میں انھوں نے حسب ذیل اصحابِ رسول ؐ سے احادیث سُنی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رض. عبداللہ بن جعفر رض، مسوَر بن مخرمہ رض، انس بن مالک رض، سہل بن سعد رض، سائب بن یزید رض، محمود بن ربیع رض. عبداللہ بن ثعلبہ رض. عبدُ الرّحمٰن بن عامر رض، ابو اُمامہ رض، سعد بن سہل رض .ابو الطُّفیل عامر رض، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

امام زُہری رح کے شاگرد :-

چونکہ اِن کی ذات مرجع خاص و عام ہو چکی تھی اس لئے شاگردوں کی تعداد بھی بے شمار تھی، اُن میں بعض ممتاز تلامیذ کے یہ نام ہیں۔

حضرت عطاء بن ابی رباح، حضرت عمر بن عبدالعزیز رح، حضرت عمرو بن دینار رح،

حضرت صالح بن کیسانؒ، امام یحییٰ بن سعید انصاریؒ، امام ایوب سختیانیؒ، امام عبداللہ بن مُسلم زہریؒ، امام اوزاعیؒ، امام ابن جُریجؒ، امام محمد بن علی بن حسینؒ، امام محمد بن مُنکدرؒ، حضرت منصور بن معتمرؒ، امام موسیٰ بن عقبہؒ، امام ہشام بن عُروہؒ، امام مالک بن انسؒ، امام معمر الزبیدیؒ، امام اسحٰق بن یحییٰ، امام بکر بن وائلؒ وغیرہم رحمۃُ اللہ علیہم وبرکاتہٗ۔

یہ سب کے سب اکابر تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں جن کی ذوات سے سارے عالم میں علم حدیث محفوظ ہوا۔

امام زہریؒ کی فقہ وفتاویٰ:۔

امام زُہریؒ مدینہ منورہ کے اُن فقہاء کرام میں سرفہرست ہیں جنکو "فقہاء سبعہ" کہا جاتا ہے وہ اُس دور کے تمام علماء کے وارث علم بھی سمجھے جاتے تھے۔

جعفر بن ربیعہؒ کا بیان ہے کہ میں نے محدّث عراک بن مالکؒ سے پُوچھا، مدینہ منوّرہ میں سب سے بڑا فقیہہ کون ہے؟

انھوں نے تین نام لئے۔ سعید بن مسیّبؒ، عُروہ بن زُبیرؒ، عبیداللہ بن عبداللہؒ اس کے بعد فرمایا میرے علم میں زُہریؒ ان سب سے بڑے ہیں انھوں نے مدینہ منوّرہ کے "فقہاء سبعہ" کا علم اپنے علم میں شامل کرلیا تھا۔

امام زُہریؒ کے فتاویٰ کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ محمد بن نوحؒ کی فقہی ترتیب نے ان کو تین ضخیم جلدوں میں جمع کیا ہے۔

علم مغازی وسیرت:۔

علم سیرت وغزوات میں تدوین حدیث کی طرح وہ پہلے عالم ہیں ان سے پہلے اس علم پر خصوصی توجّہ نہ دی گئی تھی، تاریخ اسلام میں امام زُہری پہلے عالم ہیں جنھوں نے

مغازی پر مستقل کتاب لکھی۔

امام سُہیلیؒ کے بیان کے مُطابق اِس فن میں اسلام کی یہ پہلی کتاب ہے۔ اس کے بعد علم مغازی و سیرت کا عام رواج ہوگیا۔

اِس علم میں امام زُہریؒ کے دو مشہور زمانہ نادرالوجود شاگرد پیدا ہوئے جنھوں نے اِس علم کو بامِ عُروج تک پہنچا دیا۔ مؤرخ موسیٰ بن عُقبہؒ، مؤرخ محمد بن اسحاقؒ، اور یہ دونوں اسلامی تاریخ کے آفتاب و مہتاب شمار کئے جاتے ہیں۔

اعتراف وعظمتؒ:۔

محدّث ایّوب سختیانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام زُہری سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا، کسی نے پُوچھا کیا حسن بصریؒ سے بھی بڑا؟

فرمایا، ہاں! میں نے ان سے بڑا کوئی نہ پایا۔

امام مکحول شامیؒ جو ملک شام کے محدّث وفقیہہ و امام کی حیثیت رکھتے ہیں اور جنھوں نے تحصیل علم کیلئے تمام اسلامی ممالک کا سفر کیا اور وہاں کے بڑے بڑے علماء سے استفادہ کیا ہے کسی نے پُوچھا، آپ نے سب سے بڑا عالم کس کو پایا؟

جواب دیا، ابن شہاب زہریؒ۔

امام مالکؒ بھی فرماتے تھے، دُنیا میں زُہریؒ کا مثل نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے امام زُہریؒ کو جس فیاضی کے ساتھ علم کی دولت عطا کی تھی اُسی فیاّضی کے ساتھ انھوں نے اِس علم کو تقسیم بھی کیا۔ علم کی اشاعت میں اپنی زندگی صرف کردی۔

خود فرمایا کرتے تھے، تحصیلِ علم و اشاعتِ علم میں میری جیسی مشقّت شاید ہی کسی نے برداشت کی ہو۔ اُن کے شاگردوں کی فہرست سے اُن کی علمی خدمات کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

علمی انہماک میں وہ دُنیا و مافیہا حتّٰی کہ بیوی بچوں تک سے بے خبر ہو جاتے تھے، جب گھر آتے تو کتابوں کے ڈھیر میں گم ہو جاتے، ان کی بیوی نے ایک دن تنگ آکر کہا تھا۔ "خدا کی قسم یہ کتابیں میرے لئے تین سوکنوں سے زیادہ تکلیف دِہ ہیں۔"

ایک مرتبہ چند خواتین مہمان بنکر آئیں اور امام زہریؒ کی بیوی کو بڑی خوش نصیب و مبارک خاتون قرار دیا۔

بیوی صاحبہ نے ان سب کو کتابوں کی اَلماری کے پاس لے گئیں اور ایک ایک کتاب نکالکر کہنے لگیں یہ ساری میری سوکنیں ہیں، بتاؤ اب تمہارا کیا خیال ہے؟

فیاضی و سیر چشمی:-

امام زہریؒ نے اُموی خلفاء میں چھ بادشاہوں کو پایا ہے۔ یہ سب ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ خاص طور پر خلیفہ عبدالملک بن مروان اور ہشام بن عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیزؒ ان کے قدرشناس تھے۔

امام زہری کے یہاں مال و دولت کی آمد و رفت کا کوئی حساب نہ تھا، دولت آتی تھی اور اُسی رفتار سے جاتی بھی تھی۔ طلباء اور مہمانوں پر بے دریغ خرچ کر دیا کرتے، اکثر اوقات مقروض رہا کرتے۔

امام عمرو بن دینارؒ کا بیان ہے کہ میں نے درہم و دینار کو زہریؒ کی نگاہ سے زیادہ کسی کی نگاہ میں بے وقعت نہ دیکھا۔ اس کا یہ انجام ہوا کرتا تھا کہ وہ بے دریغ روپیہ خرچ کر دیتے اور بار بار مقروض ہوتے رہتے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان اور ہشام بن عبدالملک نے کئی بار ان کا قرضہ ادا کیا ہے۔

قرض کی ادائیگی کی انھیں کوئی زیادہ فکر نہ تھی جب چالیس ہزار دینار سے زیادہ قرضہ ہو جاتا تو کچھ ضرور فکر کرتے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی فکر دُور

فرما دیا کرتے تھے۔

اِمام زُہری رح کی ایک اور نادر خدمت :۔

اِمام ابن شہاب زُہری کو احادیثِ رسول کی تدوین کے علاوہ سُننِ صحابہؓ کو بھی جمع کرنے کا نہایت بلند ذوق تھا۔ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ احادیثِ رسول کو نقل کرنے والے جیسے صحابہ کرام رض ہیں ایسے ہی اُن کے معانی و مفہومات کو جاننے والے بھی یہی حضرات ہیں۔ ان حضرات صحابہؓ نے کلامِ رسول کو جیسا سُنا اور سمجھا وہی مُراد اور منشاء نبوی ﷺ تھا، اِس لحاظ سے صحابہ کرام رض کے اقوال و اعمال، عادات و اطوار منشاء نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت تک ہم آہنگ رہے ہیں۔

مدینہ منوّرہ جو مہبطِ وحی اور اسلام کی تکمیلی شکل کا مرکز تھا یہاں کے طور و طریقے، رسم و رواج میں مزاجِ نبوّت سے بڑی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اسی حقیقت کو دورِ تابعین میں "سننِ صحابہ" کا عنوان دیا گیا اور اہلِ مدینہ کے قول و عمل کو حُجّت و دلیل کی حیثیت سے قبول کیا گیا۔

اِمام دار الہجرتین امام مالک رح کے یہاں "عمل اہلِ مدینہ" ایک مستقل عنوان ہے وہ احادیث کے اختلافات کو اسی "عمل اہل مدینہ" کے تعامل سے دُور کرتے ہیں اور اپنے مسلک کو اُنھی روایات سے مضبوط کرتے ہیں جو اہلِ مدینہ کے عمل سے ہم آہنگ ہوں، امام مالک رح کی فقہ میں "عمل اہل مدینہ" ایک مستقل دلیل کی حیثیت سے نظر آتا ہے۔

اِمام ابن شہاب زہری رح نے اس گہری حقیقت کو امام مالک رح سے بہت پہلے پالیا تھا انھوں نے "سُننِ صحابہ" (عمل صحابہ) کو محفوظ کرنے کی ضرورت محسوس کی اور پھر اس سلسلہ میں وہ کام انجام دیا جس میں اُن کا کوئی شریک و سہیم نہیں ملتا۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا لْجَزَاءِ۔

شیخ صالح بن کیسان رح کہتے ہیں کہ وہ تحصیلِ علم میں اِمام زُہری رح کے شریک درس رہے ہیں

یکبار زُہری نے فرمایا، ہمیں سُنن رسول کو محفوظ کر دینا چاہیئے چنانچہ ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سُنن محفوظ کر دیئے۔

سُنن رسول ﷺ کو قلم بند کرنے کے بعد زہری نے کہا، اب صحابہ کرام کے سُنن کو لکھنا چاہیئے، لیکن سُنن صحابہ ہم لوگ جمع نہ کر سکے اور امام زُہری نے یہ کام انجام دیدیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب رہے اور ہم نے موقعہ ضائع کر دیا۔

مدینہ منوّرہ کے سُنن رسول اور سُننِ صحابہ امام زُہری ؒ کی ذات سے محفوظ ہو گئے۔

اِمام شافعی ؒ فرماتے تھے اگر زُہری نہ ہوتے تو مدینہ کے سُنن ضائع ہو جاتے وہ بالاتفاق اپنے زمانے میں سُنن کے سب سے بڑے عالم تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز (خلیفہ خامس ؓ) جنھوں نے اِمام زُہری ؒ اور امام محمد بن حزم ؒ کو احادیث جمع کرنے کا مشورہ دیا تھا فرمایا کرتے تھے کہ:

"اب ابن شہاب زُہری ؒ سے زیادہ سُنن کا جاننے والا کوئی نہیں رہا۔"

۱۲۴ھ میں یہ علم وعمل کا آفتاب رُوپوش ہو گیا۔ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ وَاَرْضَاہُ۔

مراجع و مآخذ

(۱) تہذیب التہذیب ج ۹
(۲) شذرات الذہب ج ۱
(۳) ابن خلکان ج ۱
(۴) تذکرۃ الحفاظ ج ۱
(۵) تہذیب الاسماء ج ۱-۹
(۶) اعلام الموقعین ج ۱
(۷) تاریخ الخلفاء ج ۱

سیرت
امام ربیعۃ الرائےؒ

المتوفی سنہ ۱۳۶ھ

ذَھَبَتْ حَلَاوَۃُ الْفِقْہِ مُنْذُ مَاتَ رَبِیْعَہؒ
(امام مالکؒ)
فہم دین کی حلاوت ربیعہؒ کی وفات پر جاتی رہی۔

تعارف:۔

امام ربیعۃ الرائیؒ کے تذکرے سے پہلے صحابیٔ رسولؐ حضرت ربیع بن زیادہ الحارثیؓ کا تذکرہ ضروری ہے۔ یہ جلیل القدر صحابی شہر خراسان کے امیر اور فاتح شہر سجستان ہیں۔ یہ دونوں شہر بخارا اور سمرقند کے حدود میں تھے۔

جب شہر سجستان فتح ہوا تو کچھ عرصہ بعد حضرت ربیع بن زیادؓ نے اپنی زندگی کا آخری کارنامہ انجام دینے کا فیصلہ کرلیا اور وہ "ماوراء النہر" کے شہروں کو حلقہ بگوش اسلام کرنا تھا جہاں کفر و شرک کی حکومتیں قائم تھیں۔

ماوراء النہر سے نہر سیحون مراد ہے جو شہر سمرقند سے آگے حدود ترکستان میں بڑا دریا تھا۔ (علم فقہ کی کتابوں مشائخ ماوراء النہر کا تذکرہ ملتا ہے اس سے یہی نہر سیحون مراد ہے)

حضرت ربیع بن زیاد الحارثیؓ نے اپنے ایک غلام فرّوخ کو اس مہم میں شامل کرلیا تھا جو نہایت جری و بہادر قسم کا نوجوان تھا۔ پھر جہاد کی تیاری شروع کی، اور مقام و تاریخ کا بھی فیصلہ کرلیا، تاریخ مقررہ پر ماوراء النہر کے شہروں پر حملے شروع کردیئے۔ ان علاقوں میں ایسے گھمسان کے معرکے پیش آئے کہ اسلامی تاریخ نے بڑی شان و آن سے ان معرکوں کو سنہری حرفوں میں نقل کیا ہے۔

ان معرکوں میں حضرت ربیع بن زیادؓ کے غلام فروخ کے کارنامے سرفہرست رہے ہیں۔ یہ بہادر نوجوان خطرات و شدائد سے بے نیاز ہوکر دشمنوں کی صفوں کو پریشان کردیا کرتا، جس سمت بھی نکل جاتا دشمنوں کی یلغاریں بادلوں کی طرح پھٹنے

نگیں، مختصر مدّت میں ماوراء النہر کے سارے شہر اسلام کے زیرِ نگیں آگئے اور کفر وشرک کی طاقتیں پاش پاش ہوگئیں۔

عظیم فاتح ربیع بن زیاد رض نے جب اس نہر کو عبور کر لیا تو وہ اور اُن کا لشکر اور بہادر فروخ نے نہر کے پانی سے پہلا وضو کیا اور نصرتِ الٰہی پر دو رکعت شکرِ الٰہی کے ادا کئے۔ سرزمین ترکستان پر مسلمانوں کا یہ پہلا سجدۂ الٰہی تھا جس کے بعد مستقبل قریب میں ہزارہا ہزار عُبّاد و زُہّاد، علماء و محدّثین اسی سرزمین پر پیدا ہوتے ہیں۔

فاتح عظیم ربیع بن زیاد الحارثی رض نے اپنے نوجوان بہادر غلام فرّوخ کو اس کی شجاعت و بسالت اور عظیم کارناموں پر غلامی سے آزاد کر دیا اور مالِ غنیمت سے بھرپور حصّہ دیا اور پھر اپنی طرف سے بھی خصوصی انعامات دیئے۔

حضرت ربیع بن زیاد الحارثی رض نے اپنی زندگی کے اس آخری مقصد کی تکمیل کے دو سال بعد انتقال کیا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ۔ (سورۂ احزاب آیت ۲۳)

ترجمہ:- مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اُس میں سچّے اُترے۔

بہادر فرّوخ مالِ غنیمت کے ڈھیر لیکر مدینہ منوّرہ روانہ ہوئے اس وقت انکی عمر تیس سال کے قریب تھی یہاں پہنچکر انھوں نے وسط شہر میں ایک کشادہ مکان خریدا اور مدینہ منوّرہ کے ایک شریف و اعلیٰ خاندان کی لڑکی سے نکاح کیا جو علم و عمل میں ممتاز سمجھی جاتی تھی۔

اس ازدواجی زندگی نے بہادر فروخ کو زندگی کی وہ سب خوشیاں فراہم کیں جو ایک انسان اپنی زندگی میں چاہتا ہے بلکہ اس سے کچھ زیادہ بھی، لیکن اُمورِ خانہ داری کی یہ ساری نعمتیں اور عیش و عشرت بہادر فرّوخ کو مقصدِ جہاد سے دُور نہیں کر رہی تھیں

بلکہ ان کا شوقِ جہاد اِن پر غالب ہی ہو رہا تھا انھیں اپنی پچھلی زندگی برابر یاد آتی رہی۔

مدینہ منوّرہ جو مرکزِ اسلام کے علاوہ مرکزِ جہاد بھی تھا ہر روز مجاہدین کے قافلے آتے جاتے نظر آتے اور فتوحاتِ اسلامی کے چرچے ہر روز کانوں میں پڑتے۔

علاوہ ازیں مسجد نبوی شریف کے ائمّہ و خطباء کے ہر جمعہ وعظ و ارشادات مجاہدانہ زندگی کے لئے مسلمانوں کو اُبھار رہے تھے، یہ تذکرے بہادر فرّوخ کو اپنے گھر میں چین سے بیٹھنے نہیں دے رہے تھے آخر انھوں نے فیصلہ کر ہی لیا کہ مجاہدانہ زندگی کا پھر آغاز کرنا چاہیئے۔

گھر آئے عزیزہ رفیقِ حیات سے اِس کا تذکرہ کر دیا، اس مُخلصہ مؤمنہ خاتون نے اپنے عظیم شوہر کو وہ پُرعظمت جواب دیا جو قیامت تک مُسلم خواتین کے لئے عظیم درس رہے گا۔

بیوی کا عظیم حوصلہ:۔

"آپ ضرور جائیے، اِسلام کی سربلندی کے لئے آپ کی خدمات ہمیں ضائع نہ کریں گی، آپ اسلام کی حفاظت کریں اللہ ہماری حفاظت کرے گا۔"

طبعی عذر:۔

لیکن میں ایک کمزور ناتواں خاتون ہوں اس وقت بچّے کی ولادت کا وقت قریب آرہا ہے اس کے بارے میں آپنے کیا سوچا ہے؟ بہادر فرّوخ کو بیوی کا حوصلہ اور پُر اعتماد مشورہ راحت و سکون کا پہاڑ ثابت ہوا، کہا عزیز جان! میں نے اسکا انتظام کر دیا ہے تیئیس[۳] ہزار اشرفیاں[۱]

---

[۱] موجودہ دَور ۱۳۹۲ھ میں ایک اشرفی مساوی کم و بیش ستّر روپیہ ہے اسطرح تیئس[۲] ہزار اشرفیوں کے اکیس[۱] لاکھ روپئے ہوئے۔

ہیں ان کو اپنے پاس رکھو اور ضرورت کے وقت اِن سے استفادہ کرلیا کرو انشاء اللہ مقصد کی تکمیل کے بعد گھر آؤنگا اور اگر اس راہ میں شہید ہو جاؤں تو صبر و ہمّت سے کام لینا، صبر ہی سارے مصائب کا واحد حل ہے۔

یہ کہکر پُر اُمّید عزیز بیوی کو اَلوداع کہا اور بُخارا و سمرقند اور اس کے اطراف و اکناف کے شہروں کو فتح کرنے کی مہم میں مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو گئے۔

ولادتؒ :-

اِدھر اس رُخصتی کو چند ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ بیوی کو چاند سا بیٹا پیدا ہوا، جس کو دیکھکر ماں اور عزیزوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہونے لگیں، شوہر کی رُخصتی کا دُکھ درد اس طرح غائب ہوا جیسا بادل دُور دُور تک چھٹ جاتے ہیں۔

ماں نے بچّے کا نام رَبِیعَہ رکھا، نورِ چشم کی نشو و نما دن بدن اس تیزی سے بڑھنے لگی گویا دن ہفتہ اور ہفتہ ماہ برابر ہو رہا تھا چند ماہ میں بچّے نے وہ نشو و نما پائی جو سال دو سال کے بچّے پایا کرتے ہیں۔

تعلیم و تربیتؒ :-

حوصلہ مند عقلمند ماں نے یہ طے کیا کہ وہ تیسؔ ہزار دینار کی خطیر رقم بچّے کی تعلیم و تربیت پر خرچ کی جانی چاہیئے، چنانچہ مدینہ منورہ کے اہلِ علم و فضل علماء سے مشورہ کر کے ننھے رَبِیعَہ کو تین سال کی عمر میں مدرسہ شریک کروا دیا گیا۔

رَبِیعَہ کو جب مدرسہ کی زندگی ملی تو اُن کے فطری جوہر جلا اُٹھے، فہم و ذکاء ظاہر ہونے لگی مزاج میں نُدرت و پاکیزی آئی، وہ عام بچوں کی طرح نہ تھے، بچّے کی اس درخشاں حالت پر عقلمند ماں نے نیک سیرت و نیک کردار علماء و اساتذہ کی خدمات حاصل کیں اور بے دریغ صرفہ کرنا شروع کیا، معلّمین کو بڑی بڑی تنخواہیں

اور سہولتیں فراہم کیں۔

مختصر مدّت میں ربیعہؒ نے لکھنے پڑھنے میں مہارت حاصل کرلی، پھر قرآن حکیم کے حفظ کی سعادت پائی، اس کے بعد علم حدیث میں مشغول ہوگئے، وقت کے نامور محدّثین کرام کی خدمات میں اپنے آپ کو حاضر باش غلام کی طرح مقید کرلیا۔

حوصلہ مند ماں نے اِن ایّام میں علم اور اہلِ علم پر بے دریغ صرف کیا اور علم وحکمت کی ہر ہر ضرورت کو فراہم کیا، جُوں جُوں علم بڑھتا جاتا علماء واساتذہ پر ویسا ہی صرفہ کرتیں۔

ربیعہؒ نے ان عظیم اساتذہ میں طبقۂ صحابہ کے جلیل القدر صحابی سیدنا انس بن مالکؓ اور تابعین اوّلین میں حضرت سعید بن المسیّبؒ، امام مکحول شامیؒ، محدّث سلمہ بن دینارؒ کی صحبت وخدمت کو لازم کرلیا اور علوم حدیث میں ایسا کمال حاصل کیا جو چند ہی خوش نصیب انسانوں کو نصیب ہوا ہے۔

مختصر مدّت میں حضرت ربیعہؒ کے علمی چرچے عام ہوگئے اور شاگردوں کا اتنی کثرت سے ہجوم ہونے لگا کہ مدینہ منوّرہ میں اِن کی درس گاہ سے بڑی دوسری درسگاہ نہ تھی، دِن کا نصف حصّہ اپنے اہلِ خانہ اور اپنی عظیم ماں کی خدمت کے لئے رکھّا اور بقیّہ نصف حصّہ مسجد نبوی شریف میں درس وتدریس وعظ ونصیحت، دعوت وتبلیغ کے لئے وقف کرلیا، اِن دِنوں صاحبزادہ ربیعہؒ کی شہرت وحیثیت اس حد تک پہنچ چکی تھی جس کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔

شوہر کا انتظار:۔

عظیم ماں اپنے عزیز شوہر فروخ کی واپسی میں مہینے نہیں سالہا سال شمار کررہی تھیں، تاخیر درتاخیر ہوتے ہی رہی، طویل عرصہ گذرگیا، متضاد خبروں نے تشویش پیدا کردی، بعضوں نے کہا وہ ابھی زمین کے دُور دراز علاقوں میں مشغولِ جہاد ہیں، بعضوں نے

کہا کہ وہ دشمنوں کے ہاں قید و بند کی حالت میں گرفتار رہیں، دیگر بعض نے کہا کہ وہ راہ جہاد میں شہید ہو چکے ہیں، اس غیر یقینی صورتِ حال سے ربیعہؒ کی ماں کا یہ احساس شدید ہونے لگا کہ وہ اپنی مُراد کو پا چکے ہیں، یعنی شہید ہو چکے ہیں لیکن حوصلہ مند بیوی نے صبر و ہمت کو جانے نہ دیا اور اللہ سے یہی آس لگائے رہی کہ وہ کبھی نہ کبھی آ ہی جائیں گے۔

بہادر فرّوخ کی آمد:۔

گرمیوں کے دن تھے چاندنی رات میں ایک نووارد اسلحہ سے لیس مجاہد مدینہ منوّرہ آیا لیکن اس کو اپنا مکان شناخت کرنے میں دُشواری محسوس ہو رہی تھی وہ دائیں بائیں طرف جاتا پھر واپس ہو جاتا، اپنے مکان کا محلِ وقوع تو اس کو یاد تھا لیکن محلہ کی جدید تعمیرات اور عمارات کی وجہ سے اس کو اپنا مکان سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

یہ اس لئے بھی کہ اس کو راہِ جہاد میں اپنے وطن سے نکلے تیس ۳۰ سال کا عرصہ ہو رہا تھا، اس طویل عرصے میں شہر مدینہ کے حُدود طویل و عریض ہو چکے تھے وہ اس غور و فکر میں پڑ گیا کہ اپنا خریدہ مکان اور اپنی نیک و حوصلہ مند بیوی کو اس شہر میں چھوڑ گیا تھا، کیا وہ وفات پا چکی ہے؟ یا کسی دوسری جگہ منتقل ہو گئی ہے؟ اور اس کو ہونے والے بچّے کا کیا ہوا؟

مختلف وساوس میں وہ ایک کنارے خاموش کھڑا تھا لوگ آگے پیچھے سے گزر رہے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مدینہ منوّرہ میں شب و روز مجاہدین کی آمد و رفت کثرت سے ہوا کرتی تھی، عام لوگ کسی نووارد پر خصوصی توجہ نہیں دیا کرتے تھے۔

بہادُر فرّوخ کھڑے کھڑے اپنے مکان کا محل وقوع غور کر رہے تھے کہ قریب ہی ایک شکستہ مکان نظر آیا، غور کیا تو اپنا ہی مکان محسوس ہوا، دروازہ خستہ پستہ تھا، کھول کر داخل ہو گئے، صحن میں آہٹ پا کر نوجوان ربیعہؒ اپنے حجرے سے باہر نکلے اور

سخت و تُند لہجہ میں آواز دی، ارے کون ہے؟ ارے کون ہے؟ اللہ سے خوف کر، بے اجازت کیوں داخل ہوا،

یہ کہکر ربیعہؒ آگے بڑھے اور اُن پر حملہ کرنا ہی چاہا تھا کہ ماں اس شور پر اپنے کمرے سے نکلی اور چند ہی لمحات میں اپنے شوہر کو پہچان لیا۔

بیٹے سے کہا ربیعہؒ آگے نہ بڑھو یہ تمہارے والد ہیں جو تمکو تیس۳۰ سال پہلے چھوڑ گئے تھے۔ یہ سُنتے ہی بہادر فرّوخ آگے بڑھے اور اپنے لختِ جگر کو سینے سے لگا لیا،

ربیعہؒ نے بھی اپنے باپ کے ہاتھ چُومے اور معانقہ کیا، ماں نے اپنے شوہر کو سلام کیا اور عزت و اکرام سے اندرونِ خانہ لے آئی، سارا گھر خوشیوں اور مسرّتوں سے بھر گیا پڑوسیوں نے بھی آکر مبارکباد دی۔

تیس۳۰ ہزار دینار کا انجام :-

رات کے آخری حصّے تک ایک دوسرے کی تفصیلات کا ذکر ہوتا رہا، تیس۳۰ سالہ مدّت کیا کچھ کم تھی جسکا تذکرہ ختم ہوجاتا، غم و مصیبت، راحت و سکون کے تذکرے جاری تھے، اثنائے گفتگو بیوی کو بار بار یہ خیال آتا رہا اگر شوہر نامدار اُس کثیر رقم کے بارے میں دریافت کریں جو چلتے وقت اس تاکید کے ساتھ دی گئی تھی کہ احتیاط و کفایت شعاری سے اس کو خرچ کرنا تو میں اس کا کیا جواب دوں؟ جبکہ ساری رقم صاحبزادے ربیعہؒ کی تعلیم و تربیت پر خرچ ہو چکی ہے۔ اگر میں یہ بات کہدوں تو کیا اُنھیں یقین بھی آئے گا؟ اور کیا تیس۳۰ ہزار دینار (مساوی اکیس لاکھ روپئے) صرف ایک بچّے کی تعلیم و تربیت پر خرچ کی جاتی ہے؟ میں اسکا کیا جواب دوں؟

اس قسم کے مختلف وساوس اُمّ ربیعہؒ کے دل کو پریشان کر رہے تھے اور وہ سوچ و فکر میں پڑ گئیں۔

شوہر نے اس غیر شعوری کیفیت کو محسوس کیا اور اپنی جیب سے چار۴ ہزار

دینار نکالے اور پھر عزیز بیوی سے کہا لو یہ رقم اپنی اس بقیہ رقم میں شامل کرلو جو تمہیں دی گئی تھی۔

لاؤ اس کل رقم سے ہم کوئی بڑا باغ یا زمین خریدیں جو ہمارے مستقبل کے روزگار کا سبب بنے؟

اس تجویز پر عقلمند بیوی نے سکوت اختیار کیا اور کوئی جواب نہیں دیا، فرّوخ نے اپنی بات پھر دہرائی، کہنے لگیں میں نے اس رقم کو اُسی مصرف میں لگایا ہے جس میں مشغول کرنا چاہیئے تھا۔ انشاء اللہ بہت جلد اس امانت کو پیش کردونگی۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ مؤذّن نے فجر کی اذان پڑھنی شروع کی۔ بات ختم ہوگئی فرّوخ نے طہارت ووضو سے فارغ ہو کر صاحبزادے ربیعہؒ کو آواز دی۔ کہا گیا کہ وہ اذانِ فجر سے بہت پہلے مسجد نبوی شریف جا چکے ہیں۔

فرّوخ تیزی سے مسجد پہونچے دیکھا کہ نماز ختم ہو چکی ہے، اپنی فرض نماز ادا کی پھر روضۂ اقدس پر آئے اور خدمتِ اقدس میں سلام عرض کیا پھر ریاضُ الجنّہ (مسجد نبوی شریف کا وہ حصّہ جس کو جنّت کی کیاری کہا جاتا ہے) آئے جہاں دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔

صاحبزادے ربیعہؒ کا مقام:۔

سُورج بلند ہونے تک دُعا وذکر میں مشغول رہے، نماز اشراق پڑھ کر واپس ہو رہے تھے دیکھا کہ مسجد نبوی شریف کا ایک بڑا حصّہ انسانوں سے پُر ہو چکا ہے اتنا بڑا علمی حلقہ فروخ نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔

حاضرین میں عامّۃُ النّاس کے علاوہ بڑی تعداد اہل علم وفضل اور معمّر حضرات کی تھی، یہ سب ایک جوان سال شیخ کے اطراف احاطہ کئے ہوئے دوزانو بیٹھے ہیں اور شیخ احادیثِ نبویؐ کا درس دے رہے ہیں۔

مجلس پُر وقار طور پر متوجہ ہے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد لکھنے میں مشغول ہے اور شیخ کے ایک ایک کلمے کو قیمتی موتیوں کی طرح محفوظ کر رہے ہیں، فرّوخ کو اس علمی منظر نے بیحد متأثر کر دیا، چاہا کہ آگے بڑھکر دیکھے کہ یہ کون شیخ ہیں لیکن لوگوں کی کثرت اور ہجوم کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکے اور دُور ہی دُور سے اس پُرعظمت مجلس کا نظارہ کرتے رہے کچھ دیر بعد مجلس برخواست ہوئی تو دیکھا کہ شیخ موصوف کو رخصت کرنے کے لئے سارا مجمع ٹوٹ پڑا ہے پھر بھی قریب ہونیکا موقعہ نہ ملا، جب وہ شیخ مسجد نبوی شریف سے باہر ہو گئے تو ایک شخص سے پُوچھا یہ شیخ کون ہیں؟

اُس نے تعجّب سے فروخ کو دیکھا اور کہا کیا آپ مدینہ منوّرہ کے رہنے والے نہیں؟

فرّوخ نے کہا کیوں نہیں میرا یہی وطن ہے۔ پھر اُس شخص نے پُوچھا کیا مدینہ منوّرہ میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو شیخ کو نہ جانتا ہو؟

فرّوخ نے کہا مجھے معاف کیجئے میں یقیناً نہیں جانتا. گزشتہ کئی سال سے بیرونِ وطن تھا کل ہی رات مدینہ منوّرہ پہنچا ہوں۔

اس شخص نے کہا تو پھر آپ بیٹھ جائیے میں تفصیل سے عرض کرتا ہوں جس شیخ کے بارے میں آپ دریافت کر رہے ہیں وہ ایک جلیلُ القدر تابعی اور مدینہ منوّرہ کے سب سے کم عمر محدّث و فقیہہ ہیں۔

فرّوخ نے کہا، ماشاءاللہ، سبحان اللہ کیا عظیم مقام والے ہیں۔

اُس شخص نے مزید کہا کہ ان کی مجلس کے شاگردوں میں امام ابُوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام یحیٰی بن سعید انصاریؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعیؒ، امام لیث بن سعدؒ اور اسی درجے کے دیگر ائمہ حدیث شریک ہیں۔

علاوہ ازیں مجلس کے یہ شیخ نہایت کریمُ النفس، سخی القلب عظیم عادات و اطوار

کے حامل بھی ہیں اللہ نے انھیں جہاں اپنے علم و فضل سے نوازا ہے دُنیا کی مال وجاہ سے بھی سرفراز کیا ہے اس کے باوجود شیخ کی زُہد و قناعت کا یہ حال ہے کہ اپنی ذات پر خرچ کرتا ہوا کبھی دیکھا نہ گیا۔

فرّوخ نے کہا شیخ کا کیا نام ہے؟

اُس شخص نے کہا "رَبیعۃُ الرّائے"۔

فرّوخ نے کہا ربیعۃُ الرّائے ؟

کہا ہاں! اصل نام تو رَبیعہؒ ہے لیکن مدینہ منوّرہ اور اطراف واکناف کے عُلماء اُنھیں ربیعۃُ الرّائے کے نام سے یاد کرتے ہیں کیونکہ شیخ میں فہم قرآنی وحدیث دانی کی اتنی بڑی صلاحیت ہے کہ اگر کوئی مسئلہ قرآن وحدیث میں نہیں ملتا تو امام ربیعہؒ سے رُجوع کیا جاتا ہے وہ اپنی وہبی فہم وبصیرت سے اس کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں نکال لیتے ہیں۔ اس قوّتِ اجتہاد کی بدولت اِنھیں ربیعۃُ الرّائے کا لقب دیا گیا۔ (رائے کے معنی اجتہاد)۔

فرّوخ نے کہا جناب آپ نے شیخ کا نسب بیان نہیں کیا؟

اُس شخص نے کہا، اِن کا پُورا نام ربیعہ بن فرّوخ ہے۔ اور کنیّت ابُوعبدُالرحمٰن، یہ جب بطنِ مادر میں تین ماہ کے تھے اُن دنوں اِن کے باپ فرّوخ جہاد بُخارا وسمرقند کی مہم میں حِصّہ لینے مجاہدین کے ساتھ روانہ ہوگئے تھے۔ طویل عرصہ ہو رہا ہے معلوم نہیں وہ باحیات ہیں یا راہ جہاد میں شہید ہوگئے ہیں۔

یہ تفصیل بیان کرکے وہ شخص روانہ ہوگیا۔

فرّوخ کہتے ہیں کہ اثنائے گفتگو میری آنکھوں سے آنسُو گر رہے تھے لیکن اُس شخص نے نہ اس کا سبب جانا اور نہ دریافت کیا، میں اپنے گھر آیا میری آنکھ سے آنسُو جاری تھے بیوی نے یہ حالت دیکھ کر پُوچھا خیر تو ہے کیا بات پیش آئی؟

میں نے کہا، عزیز جان! کچھ نہیں سب خیر ہی خیر ہے۔ میں نے اپنے بیٹے ربیعہؒ

کو علم و فضل، عزّت و اکرام کے اتنے بلند مقام پر دیکھا جس کا میں تصوّر بھی نہیں کر سکتا، میں حیران ہوں کہ میرا یہ بیٹا کتنا عظیم المرتبت ہو چکا ہے بادشاہوں کو بھی یہ عزّت نصیب نہ ہوئی۔

عقلمند وفا شعار بیوی نے اپنے نامدار شوہر فرّوخ کے اس بے پناہ تأثر کو محسوس کیا اور ماحول کی اس زرخیزی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہنے لگی۔

جناب تیس ۳۰ ہزار دینار بہتر ہیں یا بیٹے کی یہ سرمدی عزّت و مرتبت؟

فرّوخ نے کہا، اللہ کی قسم یہ تو کیا دُنیا جہاں کی تمام مال و دولت سے یہ کہیں زیادہ بلند تر اور عزیز تر ہے۔

عقلمند بیوی نے کہا تو بس آپ سُن لیں میں نے آپ کی ساری امانت تیس ۳۰ ہزار دینار کو اسی بچے کی تعلیم و تربیت پر صرف کیا ہے کیا آپ کو یہ پسند ہے؟

مُجاہد فرّوخ نے کہا بیشک بیشک! اللہ تمکو جزائے خیر دے تم نے صرف مجھ پر ہی احسان نہیں کیا بلکہ ملّتِ اسلامیہ پر احسان کیا ہے، اللہ تمہیں دُنیا و آخرت میں عزّت و سرفرازی عطا کرے۔ آمین

خدمتِ حدیث:

امام ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کی عام شہرت اُن کے فقہی کمال کی وجہ سے ہے لیکن وہ علم حدیث کے بھی مُمتاز محدّثین میں شامل ہیں۔

علاّمہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ انھیں ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ امام اور حافظ حدیث کے نام سے یاد کرتے ہیں، اُن کی حدیث دانی ان کے ہمعصر محدّثین میں مسلّم تھی۔

ایک مرتبہ محدّث عبدالعزیز بن ابی سلمہ عراق گئے، عراقیوں نے ان سے کہا کیا آپ نے ربیعۃُ الرّائے رحمۃ اللہ علیہ کی حدیثیں سُنی ہیں؟ انھوں نے کہا تم لوگ اُنکو ربیعۃ الرّائے

کہتے ہو؟ خدا کی قسم میں نے ان سے زیادہ کسی کو سُنّت پر حاوی نہیں دیکھا، حدیث میں اِن کے درجہ کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ امام یحییٰ بن سعیدؒ جو ان کے شاگرد ہیں امام ربیعہؒ کی زندگی ہی میں صاحب درس محدّث ہو گئے تھے۔ امام ربیعہؒ کی عدم موجودگی میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔

اِن کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا اس میں مدینہ منوّرہ کے علاوہ باہر کے علماء و محدّثین اور عمائد و شرفاء شریک ہوا کرتے تھے ان کے اِس درس کی فضیلت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ امام مالکؒ جیسا محدّث و فقیہہ و امام اور ملک شام کے امام و فقیہہ امام اوزاعیؒ اور امیرالمومنین فی الحدیث امام شعبہؒ اور امام یحییٰ انصاریؒ جیسے اکابر اور ملّتِ اسلامی کے ارکان ان کے حلقہ کے فیض یافتہ تھے۔ اور امام الائمہؒ اِمام اعظم ابو حنیفہؒ بھی تو اِن کے علم کے خوشہ چین رہے ہیں۔

خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ شمار کیا گیا تو چالیس بڑے بڑے عمامہ پوش اہلِ علم انکے حلقہ درس میں شریک تھے۔

شاگردوں کی اجمالی فہرست:۔

امام دارالہجرہ امام مالکؒ، امام یحییٰ بن سعید القطانؒ، امام سفیان ثوریؒ، ملک شام کے امام اوزاعیؒ، مصر کے امام لیث بن سعدؒ، امام ابن عُیینہؒ، امام سلیمان بن ہلالؒ، امیرالمومنین فی الحدیث امام شعبہؒ اور امام الائمہؒ امام اعظم ابُوحنیفہؒ جن کے فقہ کی آج ⅔ مسلم آبادی پیروی کرتی ہے شامل ہیں۔

محدّث عبیدُاللہ بن عمرؒ کہا کرتے تھے کہ ربیعہؒ ہماری مشکلات کے عُقدہ کُشا ہیں۔
شیخ معاذ بن معاذؒ کا بیان ہے کہ محدّث سوار بن عبداللہ کہتے تھے کہ میں نے ربیعہؒ سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ میں نے اِن سے پُوچھا کیا امام حسن بصریؒ اور امام ابن سیرینؒ سے بھی بڑا؟

فرمایا، ہاں! اپنے دور میں ان سے بڑا اور کوئی عالم نہ تھا۔

امام ربیعہؒ کے عام شاگردوں کی فہرست نہایت طویل ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ امام ربیعہؒ کے اساتذہ خود ان کے وسعتِ علم کے قائل تھے۔

زہد و عبادت:۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ علم و درس و تدریس میں مشغول رہنے والا عبادت و ریاضت میں کم مشغول رہا ہے، ممکن ہے یہ بات کسی ایک پر صادق آئی ہو لیکن امام ربیعہؒ کی زندگی اس کمزور نظریہ سے بالکل مختلف تھی وہ دن میں علم و درس کے شہوار تھے تو رات کو عبادت گزار، شب بیدار عابد بھی تھے۔

امام ربیعہؒ مال و دولت کی جانب سے بڑے بے نیاز تھے، سلاطین و امراء کا احسان لینا پسند نہ تھا۔ عام لوگوں کا ہدیہ تو وہ لے لیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ان کے ہدیہ میں خلوص و پیار ہوتا ہے امیر اگر دیتا بھی ہو تو اس کا اثر دیکھنا چاہتا ہے۔

ایک مرتبہ امیر سفاح عباسی نے ایک بڑی رقم پیش کی، امام ربیعہؒ نے اسے قبول نہ کیا۔

ایک ادبی لطیفہ:۔

امام ربیعہؒ بڑے گویا اور لسان بھی تھے جب بولنے لگتے تو بہت دور نکل جاتے، الفاظ کی کثرت ہو جاتی۔ ایک دن ایسے ہی مجلس میں کلام کر رہے تھے ایک دیہاتی آیا اور خاموش بیٹھ گیا اور دیر تک سنتا رہا۔ امام ربیعہؒ نے خیال کیا کہ یہ کلام سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ ویسے بھی عربی اہلِ دیہات کی فصاحت و بلاغت مشہور و مسلّم تھی۔

امام ربیعہؒ نے غالباً داد لینے کے لئے اُس اعرابی سے سوال کیا، تم لوگوں کے ہاں فصاحت و بلاغت کی کیا تعریف ہے؟

اعرابی نے برجستہ جواب دیا، "ادائے معنیٰ کیساتھ الفاظ میں اختصار ہو۔"

پھر امام ربیعہؒ نے پوچھا اور "عاجز بیانی" کسے کہتے ہیں؟

اعرابی نے جواب دیا، "جس میں تم مبتلا ہو۔" جواب پر ربیعہؒ شرمندہ ہوئے۔

وفات :۔

امام ربیعہؒ کی سن وفات کے بارے میں دو روایت ہیں ایک یہ کہ ۱۳۰ھ تھا، دوسری روایت ۱۳۶ھ، اور یہی روایت زیادہ مستند ہے۔

جنّتُ البقیع مدینہ منوّرہ میں آسودہ خواب ہیں۔ اَللّٰھُمَّ بَرِّدْ مَضْجَعَہٗ وَنَوِّرْ قَبْرَہٗ۔

امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے فہمِ دین کی حلاوت امام ربیعہؒ کی وفات پر جاتی رہی۔

مراجع و مآخذ

(۱) تذکرۃُ الحفّاظ ج ۱ ص ۱۴۸ ✤ (۲) تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۰

(۳) میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۳۶ ✤ (۴) تاریخ الطبری، تذکرہ ربیعۃ الرّائے۔

(۵) حلیۃُ الاولیاء ج ۳ ص ۲۵۹۔

وزارۃ المعارف المملکۃ العربیۃ السعودیہ

مطبوعہ ۱۴۱۵ھ م ۱۹۹۴ء

مَا اَحْسَنَ الْاِسْلَامَ يَزِيْنُهُ الْاِيْمَانُ

وہ اسلام کتنا اچھا ہے جس کو ایمان نے زینت دی

وَمَا اَحْسَنَ الْاِيْمَانَ يَزِيْنُهُ التُّقٰى

اور وہ ایمان کتنا اچھا ہے جس کو تقویٰ نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ التُّقٰى يَزِيْنُهُ الْعِلْمُ

اور وہ تقویٰ کتنا اچھا ہے جس کو علم نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ الْعِلْمَ يَزِيْنُهُ الْعَمَلُ

اور وہ علم کتنا اچھا ہے جس کو عمل نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ الْعَمَلَ يَزِيْنُهُ الرِّفْقُ

اور وہ عمل کتنا اچھا ہے جسکو تواضع نے زینت دی

(محدث رجاء بن حیوہ رح، سنہ ۱۱۲ھ)

سیرت
امام سلمہ بن دینارؒ
(ابو حازم الاعرج)

المتوفی سنہ ۱۴۰ھ

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا الْحِكْمَةُ أَقْرَبُ إِلَى فِيهِ مِنْ أَبِي حَازِمٍ
(عبدالرحمٰن بن زیدؒ)

حکمت و دانائی ابو حازم سے زیادہ کسی اور میں نہیں دیکھی۔

امام سلمہ بن دینار "ابو حازمؒ"

تعارف:۔

سلمہ نام تھا اور ابو حازم کنیت، والد کا نام دینار، پیر میں کچھ لنگ تھا اس نسبت سے انھیں اعرج کہا گیا، باپ دینار ایرانی النسل تھے اور ماں ملک رُوم کی تھیں۔ اس لحاظ سے شیخ سلمہ بن دینار عجمی النسل تھے۔

کسی معرکہ میں یہ قید ہو کر قبیلہ مخزومی کے ایک شخص کے غلام ہو گئے تھے اسی نسبت سے انھیں بھی مخزومی کہا گیا، شیخ کا پورا نام یہ تھا "سلمہ بن دینار ابو حازم المخزومیؒ"

فضل و کمال:۔

شیخ سلمہ بن دینارؒ اگرچہ عجمی نژاد تھے لیکن اسلام اور اہلِ اسلام کے فیض تعلیم و تربیت نے انھیں مدینۃ الرسول کے شیوخ و عُبّاد و زُہّاد کی صف میں لا کھڑا کر دیا تھا۔
حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ عالم، حافظ، عابد، زاہد، واعظ اور مدینہ منوّرہ کے شیخ تھے۔

امام نوویؒ بھی ان کی جلالتِ علمی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ شیخ سلمہ بن دینار کی مدح و ثنا پر سب کا اتفاق ہے۔

علم حدیث و فقہ:۔

احادیث کے بڑے حافظ تھے علم حدیث میں بھرپور حصّہ پایا، علّامہ ابن سعدؒ

لکھتے ہیں وہ ثقہ، کثیر الحدیث عالم تھے۔ حدیث میں انھوں نے بعض صحابہ کرامؓ سے روایات نقل کیں ہیں، لیکن ان کی بیشتر روایات کا سلسلہ اکابر تابعین سے متعلق ہے۔

علم حدیث کے اساتذہ میں خصوصیت سے امام سعید بن مسیبؒ سے استفادہ کیا، امام سعید بن مسیبؒ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم وحافظ حدیث تھے ان کی مسلسل صحبت نے شیخ سلمہ بن دینار کو اپنے زمانے کا امام بنا دیا تھا۔

حافظ ذہبیؒ اور علامہ نوویؒ انھیں فقہاء مدینہ میں شمار کرتے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ النفس عالم تھے ان کے تفقہ کی ایک سند یہ بھی ہے کہ وہ مدینۃ المنورہ کے قاضی رہے ہیں۔

علاوہ ازیں وہ خوش بیان واعظ بھی تھے ان کی مجلس میں اکثر ہجوم دیکھا گیا ہے۔

زہد وعبادت:۔

ان کا شمار صلحائے مدینہ میں ہوتا تھا، محدث ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ مدینہ کے عابد وزاہد لوگوں میں شمار ہوتے تھے ان کے نام کے ساتھ عموماً زاہد کا لقب استعمال کیا جاتا تھا۔

شیخ سلمہ بن دینارؒ دنیا اور اہل دنیا سے بہت کم تعلق رکھتے تھے، امراء وسلاطین کے آستانوں پر اپنا سایہ بھی ڈالنا پسند نہ کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ امراء اور سلاطین سے ملاقات سے نفع سے زیادہ مضر ثابت ہوئی ہے

ان کے عہد میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا دور دورہ تھا ایک مرتبہ خلیفہ نے امام زہریؒ کی وساطت سے شیخ سلمہؒ کو اپنے یہاں طلب کیا امام زہریؒ نے جب اسکا ذکر کیا تو فرمایا، خلیفہ سے میری کوئی حاجت وابستہ نہیں اگر ان کو مجھ سے کوئی ضرورت

ہو تو انھیں خود آنا چاہیئے۔ یہ کہکر زہری کو رخصت کر دیا۔
خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کو جب یہ پیام مِلا خاموش ہوگیا، یہ اس کے سلامتی مزاج کی علامت تھی۔

حِکمت و دانائی:۔

علمی و اخلاقی کمالات کے ساتھ انھیں حکمت و موعظت کا بھی حصّہ نصیب تھا۔
شیخ عبدالرحمٰن بن زید کا بیان ہے کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کی زبان سے ابوحازمؒ (سلمہ بن دینار) جیسی حکمت و موعظت قریب تر ہو۔
محدّث ابن خزیمہؒ کا بیان ہے کہ حکمت و مواعظ میں انکا کوئی مثل نہ تھا۔
آپ کی بعض حکیمانہ نصیحت سے آپ کی حکمت و دانائی کا اندازہ ہوتا ہے۔
فرماتے ہیں:
وہ تمام اعمال جن کی وجہ سے موت کا آنا گراں گزرتا ہے اُن کو چھوڑ دو، پھر جس وقت بھی موت آجائے تمکو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔
جو بندہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان فرائض و تعلقات کو اچھے اور درست رکھتا ہے تو اللہ اُس کے اور دوسرے بندوں کے تعلقات کو درست رکھتا ہے۔ اور جو بندہ اپنے اور اللہ کے فرائض میں کوتاہی کرتا ہے تو اللہ اس کے اور دوسرے بندوں کے درمیانی فرائض میں کوتاہی پیدا کر دیتا ہے۔
ایک ذات سے تعلقات خوشگوار رکھنا بہت سے لوگوں کے ساتھ تعلقات خوشگوار رکھنے سے زیادہ آسان ہے۔
(یعنی اگر صرف ایک اللہ سے تعلقات خوشگوار ہوں تو ساری دنیا سے تعلقات خوشگوار ہو جائیں گے)
ایک مرتبہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے آپ سے پوچھا کہ میں حکومت کی

ذمہ داریوں کے مواخذہ سے کس طرح بچ سکتا ہوں؟

فرمایا، بہت آسان ہے۔ ہر چیز کو جائز طریقہ سے لو اور جائز مصرف میں اس کو صرف کر دو۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے کہا، یہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو خواہشاتِ نفس سے بچنے کی اللہ نے توفیق دی ہو۔

شیخ سلمہ بن دینارؒ کا ایک عظیم مکالمہ:

۹۰ھ میں خلفاء بنو امیہ کا نامور خلیفہ سلیمان بن عبدالملک حج بیت اللہ کیلئے دمشق (ملک شام) سے روانہ ہوا۔ ہمراہ شاہی خاندان کے افراد کے علاوہ اہلِ علم و فضل کی ایک بڑی جماعت بھی تھی جنھوں نے ندائے ابراہیمی کی تعمیل میں حج بیت اللہ کا ارادہ کر لیا تھا اس عظیم قافلے کی پہلی منزل مدینہ منوّرہ تھی جہاں سلام بحضور خیر الانام کی سعادت حاصل کرنی تھی۔

خلیفہ و علماء و فقہاء و محدثین نے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر ادب و احترام سے سلام عرض کیا اور زیارتِ نبوی سے مشرف ہوئے۔

زیارتِ پاک سے فارغ ہو کر خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اہلِ شہر کو ملاقات کا موقعہ دیا۔ اہلِ شہر جوق در جوق ملاقات کرنے آئے لیکن مدینہ منوّرہ کے قاضی و امام شیخ سلمہ بن دینارؒ ملاقات کرنے والوں میں شامل نہ تھے۔

ملاقات اور ضروری امور سے فراغت کے بعد خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ شہر پاک میں چند یوم قیام کرنا چاہیئے تاکہ یہاں کے فضائل و برکات حاصل کئے جاسکیں۔

خلیفہ کی تجویز پر سب نے اتفاق کیا، اس طرح حجاج بیت اللہ کا یہ تاریخی قافلہ چند دنوں کے لئے مدینہ منوّرہ میں مقیم ہو گیا۔

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے ساتھیوں میں یہ بھی تجویز رکھی کہ جیسے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے اسی طرح انسانی قلوب کو بھی زنگ لگ جاتا ہے ہمارے قلوب کی صفائی کے لئے نیک صحبت ضروری ہے، قلوب کا یہ زنگ آخرت سے غفلت اور ذکر اللہ سے بے لطفی کی علامت ہے۔

کیا مدینہ منوّرہ میں ایسی کوئی شخصیّت ہے جس کی تعلیم و صحبت سے ہم استفادہ کریں؟

لوگوں نے کہا، امیرالمومنین مدینہ منوّرہ میں سب سے بڑے عالم شیخ سلمہ بن دینارؒ ہیں جنھوں نے صحابۂ کرام رضی کی صحبت پائی ہے اس وقت اُن کی حیثیت امام و مُقتدا کی ہے، اقطاعِ عالم سے علماء و محدّثین ان کی خدمت میں آیا کرتے ہیں۔ کثرتِ ہجوم کی وجہ سے وہ کہیں مُلاقات وغیرہ کے لئے باہر نہیں جاتے مسجد نبوی شریف اُن کی مستقل قیام گاہ ہے، امیرالمومنین کی یاد فرمائی پر ممکن ہے وہ تشریف لائیں؟

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے قاصد کو روانہ کیا، اُس نے نہایت اَدب و احترام سے خلیفہ کا پیام پہونچایا اور زحمت فرمائی کی دعوت دی۔

شیخ سلمہ بن دینارؒ قاصد کے ہمراہ رَوانہ ہوئے، خلیفہ نے اپنے محل میں شیخ کا نہایت عزّت کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اپنے قریب بٹھایا اور ناز و محبّت میں اس طرح شکایت کی۔

مَا هٰذَا الْجَفَاءُ يَا اَبَا حَازِمٍ۔ (جناب ایسی بے رُخی کیوں؟)

شیخ سلمہ بن دینارؒ نے تعجّب سے فرمایا، کیا ظلم کیسی بے رُخی؟

سلیمان بن عبدالملک نے کہا یہاں میری آمد پر اہلِ شہر مُلاقات کے لئے آئے لیکن جناب نے زحمت نہ فرمائی؟

شیخ نے فرمایا، امیرالمومنین بے رُخی تو اُس وقت کہی جائے گی جب آپ کی تشریف آوری کا مجھکو علم ہوتا اور پھر مُلاقات نہ کرتا، آپ کی تشریف آوری کا آج ہی

علم ہوا جبکہ آپ نے خود یاد کیا۔ میں آپ کی یاد فرمائی کا شکرگزار ہوں۔
خلیفہ نے شرمندہ ہوکر اپنے ارکانِ دولت سے کہا، شیخ کا اعتذار صحیح ہے حقیقت یہی ہے کہ میں نے الزام دینے میں عجلت کی، براہِ کرم معاف فرمادیں۔
شیخ نے خلیفہ کی معذرت قبول کی۔
پھر خلیفہ نے کہا، جناب سے چند اُمور دریافت کرنے ہیں اجازت ہو تو عرض کروں ؟ شیخ نے فرمایا، ضرور! ضرور!
خلیفہ نے کہا: یہ کیا بات ہے کہ ہم موت کو پسند نہیں کرتے ؟
شیخ نے فرمایا: یہ اس لئے کہ ہم نے اپنی دنیا آباد کرلی ہے اور آخرت کو ویران بنادیا ہے، لہٰذا آبادی سے ویرانی کیطرف جانا پسند نہیں ہوتا۔
خلیفہ نے کہا: بیشک یہی بات ہے، پھر کہنے لگا جناب ہم کس طرح جانیں کہ آخرت میں ہمارا کتنا ذخیرہ موجود ہوگا ؟
شیخ نے فرمایا: اپنی زندگی کے اعمال کو کتاب اللہ پر پیش کرو تمہیں معلوم ہوجائے گا۔
خلیفہ نے کہا: کس آیت میں اس کا ذکر ہے ؟
شیخ نے فرمایا: اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ وَّ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۝
(سورہ انفطار آیت ۱۳، ۱۴)
ترجمہ :۔ نیکی کرنے والے نعمتوں والی جنّت میں ہوں گے اور گناہ کرنے والے دہکتی آگ میں۔
خلیفہ نے کہا: اگر ایسا ہی ہے تو اللہ کی رحمت کہاں رہی ؟
شیخ نے فرمایا: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (سورۂ اعراف آیت ۵۶)
ترجمہ :۔ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔
خلیفہ نے کہا: قیامت کے دن اللہ کے حضور کیسے حاضری ہوگی ؟

شیخ نے فرمایا: نیک لوگ تو اس طرح آئیں گے جیسے طویل سفر کے بعد آدمی خوشی خوشی اپنے گھر آتا ہے۔ اور گنہگار اس طرح جیسا بھگوڑا غلام اپنے آقا کے پاس زبردستی لایا جاتا ہے۔

اس مرحلہ پر خلیفہ رُو پڑا اس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور آواز بلند ہوگئی۔

خلیفہ نے کہا: جناب پھر ہماری اصلاح کی کیا صورت ہے؟

شیخ نے فرمایا: اپنی شان و عزت کو ترک کر دو اور اچھے اخلاق و تواضع سے اپنے آپ کو زینت دو۔

خلیفہ نے کہا: یہ مال و دولت جو ہمارے یہاں ہے اس میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

شیخ نے فرمایا: جب تم حق کے مطابق اس کو حاصل کرو اور اس کو اس کے محل میں خرچ کرو اور اس کی تقسیم میں انصاف سے کام لو، انشاء اللہ تعالیٰ اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

خلیفہ نے کہا: جناب یہ بتائیے کہ سب سے بہتر انسان کون ہے؟

شیخ نے فرمایا: وہ جو تقویٰ اور پاس داری کا لحاظ کرنے والا ہو۔

خلیفہ نے کہا: سب سے بہتر کونسی بات ہے؟

شیخ نے فرمایا: جس شخص سے خوف و اندیشہ ہو اُس کو حق بات سُنانا۔

خلیفہ نے کہا: وہ کونسی دُعا ہے جو جلد قبول ہو جاتی ہے؟

شیخ نے فرمایا: نیک آدمی کی دُعا نیک لوگوں کے لئے۔

خلیفہ نے کہا: بہترین صدقہ کیا ہے؟

شیخ نے فرمایا: غریب کا وہ صدقہ جو مصیبت زدہ فقیر کو ملے۔

خلیفہ نے کہا: عقلمند انسان کون ہے؟

شیخ نے فرمایا: وہ شخص جو عبادتِ الٰہی پر قدرت پایا اور اس پر عمل کیا پھر

دوسروں کو اس کی رہنمائی کی۔

خلیفہ نے کہا: اور بے وقوف کون ہے؟

شیخ نے فرمایا: وہ شخص جو اپنے گنہگار دوست کی ناجائز خواہش پوری کرتا ہو گویا اُس نے اپنی آخرت کو دوسرے کی دُنیا کیلئے فروخت کر دیا۔

خلیفہ نے کہا: جناب کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ آپ ہمارے ساتھ رہیں تاکہ ہم آپ سے استفادہ کریں اور آپ بھی ہم سے نفع پائیں؟

شیخ نے فرمایا: امیرُالمومنین اللہ کی پناہ! ایسی کوئی تمنّا نہیں ہے۔

خلیفہ نے کہا: ایسا کیوں؟

شیخ نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میں آپ کی دولت و ریاست کی طرف مائل ہو جاؤں پھر مجھکو اللہ حیات و موت کا دُہرا مزا چکھائے۔

خلیفہ نے کہا: اگر ایسا ممکن نہیں تو پھر آپ اپنی شخصی ضروریات کا اظہار فرمائیں؟

شیخ نے اِس پر سکوت اختیار کیا اور کوئی جواب نہ دیا۔

خلیفہ نے اپنی گزارش پھر دُہرائی، جناب آپ بے تکلف اپنی حاجت ظاہر فرمائیں خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو؟

شیخ نے فرمایا: سُنو! میری اوّل و آخر یہی حاجت ہے کہ آپ مجھے اندیشہ نارِ جہنّم سے بچا دیں اور جنّت میں داخلہ دِلوا دیں؟

خلیفہ نے کہا: یہ اختیار تو میرے بس کا نہیں ہے۔

شیخ نے فرمایا: تو پھر آپ سے اور کوئی حاجت نہیں ہے۔

خلیفہ نے کہا: میرے لئے دُعاءِ خیر فرما دیں؟

شیخ نے فرمایا: اے اللہ آپ کا بندہ سلیمان بن عبدالملک آپ کے مقبول بندوں میں شامل ہے تو اس کو دُنیا و آخرت کی بھرپور سعادت نصیب فرما اور اگر

اُس کا شمار آپ کے مردود بندوں میں ہے تو اُس کی اصلاح فرما اور اس کو اپنی مرضیات کی توفیق دے۔

حاضرین میں ایک شخص بول پڑا، اے شیخ امیرالمومنین کی شان میں آپ کی جرأت بہت بے باک ہوگئی ہے۔ نصیحت و وصیّت میں امیرالمومنین کا پاس و ادب ملحوظ نہ رکھا۔ آپ نے امیرالمومنین کو دشمنانِ خدا کی فہرست میں شمار کیا اور اُن کی اصلاح کی دُعا کی۔

شیخ نے فرمایا: برادر زادے آپ نے انصاف سے کام نہ لیا اللہ تعالیٰ نے خود علماءِ اُمّت سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ ہر جگہ کلمۂ حق ظاہر کر دیا کریں۔

لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ (سورہ آل عمران آیت ۱۸۷)

پھر خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا:

امیرالمومنین گذشتہ اُمّتوں میں جو لوگ تھے وہ اسی صورت میں خیر و عافیت میں رہے ہیں جبکہ اُن کے امیر لوگ علماءِ کرام کے یہاں دین حاصل کرنے ذوق و شوق سے آیا کرتے تھے پھر کچھ عرصہ بعد کم ظرف و بُرے لوگ علم دین حاصل کرنے لگے اور انھوں نے اہلِ دُنیا سے دُنیا طلبی کی اور اس کے لئے اُن کی خدمت میں اپنی آمد و رفت جاری رکھی تو امیر لوگ علماء سے بے نیاز ہوگئے جس کے نتیجے میں خود ذلیل و خوار ہوئے اور اللہ کی نظرِ کرم سے محروم بھی، اگر یہ علماء اہلِ دُنیا کی دولت و حشمت سے بے نیاز رہتے تو اُمّت کے یہ اُمراء ان کے علم و عمل کے محتاج ہوتے اور انکی خدمت میں اپنی حاضری کو سعادت مندی سمجھتے، لیکن ایسا نہ ہوا عُلماء نے اُمراء کی رضا و خوشنودی چاہی خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اس طرح دُنیا میں اہلِ علم کی قدر دانی جاتی رہی اور لوگ آخرت سے غافل ہوگئے۔ خلیفہ نے کہا بیشک شیخ نے سچّی بات کہی۔ فجزاکم اللہ خیرالجزاء۔

خلیفہ نے کہا: براہِ کرم اپنی نصیحت میں اور اضافہ کیجئے، اللہ کی قسم علم و حکمت کی

یہ باتیں میں نے کسی سے نہ سُنی ہیں۔

شیخ نے فرمایا: اگر آپ میں قبولِ حق کی صلاحیّت موجود ہے تو یہ مختصر باتیں ہدایت ونصیحت کے لئے کافی ہیں، اور اگر ایسا نہیں تو پھر میں اپنا تیر بے نشانہ کیوں چلاؤں؟

خلیفہ نے کہا: اللہ کی قسم میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ آپکی ہر نصیحت قبول کرلوں۔

شیخ نے فرمایا: تو پھر ٹھیک ہے سُنو! اپنی آخری نصیحت عرض کرتا ہوں۔

اللہ کی عظمت وجلال کا ہر وقت استحضار رکھو اور اس بات سے دُور رہو کہ وہ تمکو ایسے عمل میں دیکھے جسکو وہ پسند نہیں کرتا ہے، اور اس بات سے بھی بچو کہ وہ تمکو بے عمل دیکھے۔

اس نصیحت کے بعد شیخ سلمہ بن دینارؒ نے سلام کیا اور رُخصت ہو گئے۔

سُلطانی نذرانہ:۔

ابھی شیخ گھر بھی نہ پہنچے تھے کہ امیر المومنین سلیمان بن عبد الملک کے خادم کو اپنے دروزاے پر کھڑا پایا۔ خادم نے اشرفیوں سے بھری تھیلی پیش کی اور کہا امیرُ المومنین نے آپ کی خدمت میں یہ ہدیہ پیش کیا ہے اور قبول کرلینے کی گزارش کی ہے اور آئندہ بھی قبول کرنے کی توقع ظاہر کی ہے۔

شیخؒ نے امیر المومنین کا قیمتی ہدیہ واپس کردیا اور لکھا:

امیر المومنین میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ آپ کے سوالات فضول ہوں اور میرا جواب باطل ہوجائے۔

امیر المومنین جب میں آپ کے لئے یہ بات پسند نہیں کرتا تو اپنے لئے کیوں پسند کروں؟

امیر المومنین آپ کے مرسلہ دینار اگر مسلمانوں کے بیتُ المال سے

میرا حق تھا تو کیا دوسرے مسلمانوں کو بھی اتنا حصّہ دیا جاتا ہے؟

مسلمانوں کے بیتُ المال میں سب کا حصّہ برابر برابر ہونا چاہیئے۔

وَالسّلامُ علیکُم

ضروری ہدایات:۔

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے مرفعہ کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے مزید اصرار نہیں کیا اور ہدیہ واپس لے لیا

شیخ سلمہ بن دینارؒ کا وجود باسعود عام مسلمانوں خاص طور پر علوم دین کے طلبہ اور اپنی صلاح وفلاح چاہنے والوں کے لئے چشمہ جاری تھا اس بارے میں دوست واجنبی کا فرق نہ تھا سب پر عنایات عام تھیں۔

ایک دن شہر کے ممتاز عالم دین شیخ عبدالرحمٰن بن جریرؒ اپنے صاحبزادے کے ساتھ آئے سلام وخیر خیریت کے بعد دینی وعلمی مذاکرہ شروع ہوا، اثنائے گفتگو شیخ عبدالرحمٰن نے سوال کیا؟

فتوح الٰہی[1] جو اہلِ دین کی خاص اصطلاح ہے اس کا حصول کیونکر ممکن ہے؟

(فتوح الٰہی بیداریٔ قلب کو کہتے ہیں)

---

[1] سورہ انعام پارہ ۸ کی آیت ۱۲۶ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک خاص نعمت "شرح صدر" کا ذکر فرمایا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے "سو جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا وہ اپنے رب کے نور پر چل رہا ہے۔ سو بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جنکے قلوب اللہ کے ذکر کی طرف سخت ہیں۔"

آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت تلاوت کی گئی تو ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہؐ یہ شرح صدر کیا چیز ہے؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا جب دل میں نور داخل ہو۔

ہم نے عرض کی اس کی کیا علامت ہے؟

ارشاد فرمایا، دارُ الخُلُود (آخرت) کی طرف رغبت اور استقامت ہونا اور دارُ الغُرُور (دنیا) کی طرف بے التفاتی اور موت کی طرف آمادگی۔ (معالم التنزیل) ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف (اقبالؔ)

شیخ نے کہا قلوب کی حفاظت کرنے سے گناہ دُور ہو جاتے ہیں اور جب یہ کیفیت راسخ ہو جاتی ہے تو فتوح الٰہی نصیب ہونے لگتی ہے۔ اے عبدُالرحمٰن دُنیا کی تھوڑی سی مشغولیت آخرت کے کثیر حصّہ سے محروم کر دیتی ہے۔

اور جو نعمت تمکو اللہ کی رضا و خوشنودی کے قریب نہ کرے وہ عذاب و مصیبت ہے۔

شیخ عبدُالرحمٰن بن جریرؒ کے صاحبزادے نے سوال کیا، جناب! ہمارے بزرگ اور رہنما کثرت سے ہیں، ہم کن کی پیروی کریں؟

شیخ نے فرمایا، صاحبزادے! اُس عالم کی پیروی کرو جو تنہائیوں میں اللہ سے ڈرتا ہو اور گناہوں سے پرہیز کرتا ہو اور جس نے اپنی جوانی صاف رکھی ہو۔

صاحبزادے! یہ یاد رکھو کہ طالب علم کا ہر نیا دن اُس کی خواہش اور اس کے علم میں ٹکراؤ پیدا کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے علم کو اپنی خواہشِ نفس پر غالب کرتا ہے تو وہ دن اُس کے لئے نعمت و منفعت کا دن ہے اور اگر اس کی خواہشِ نفس اسکے علم پر غالب آگئی تو یہ دن اُس کیلئے خسارہ ہے۔

شیخ عبدُالرحمٰنؒ نے کہا، شیخ آپ اکثر شکرِ الٰہی اُدا کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ شکر کی کیا حقیقت ہے؟

شیخ سلمہ بن دینارؒ نے فرمایا، ہمارے ہر عُضو کا ہم پر ایک حق ہے جس کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔

آنکھوں کا شکر یہ ہے کہ جب تم نے کوئی خیر و بھلائی دیکھی تو اُس کو ظاہر کر دیا کرو اور اگر اس سے کوئی بُرائی دیکھی تو اُسکو چھپا دو۔

کانوں کا شکر یہ ہے کہ اگر ان سے خیر کی باتیں سُنی ہوں تو ان کو محفوظ کر لو اور اگر بُرائی سُنی ہو تو اس کو دفن کر دو۔

ہاتھوں کا یہ شکر ہے کہ جو چیز تمہاری نہیں اس کو ہاتھ نہ لگاؤ اور کسی کے

حق کو نہ روکو۔

اور اے عبدالرحمٰن یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ جو شخص صرف زبان سے شکر ادا کرتا ہے اور اس کا دیگر ذرائع سے حق ادا نہیں کرتا اس کی مثال اُس شخص جیسی ہے جس کے یہاں قیمتی لباس ہے لیکن وہ صرف اُس کے ایک کونے کو تھامے ہوئے ہے اس کو استعمال نہیں کرتا، اس کا یہ عمل نہ اسکو گرمی سے بچائے گا اور نہ سردی سے۔

شیخ سلمہ بن دینارؒ جیسے ایک اُستاذ، معلّم، محدّث وفقیہ ومُرشد تھے میدانِ جہاد کے بھی مُجاہد تھے اپنے مشغول ترین اوقات میں قتال فی سبیل اللہ کے لئے بھی وقت نکالا کرتے تھے۔

ایسے ہی ایک موقعہ پر مُلک رُوم کے شہروں کی طرف مُجاہدین کے ساتھ ہو گئے لشکرِ اسلام جب پہلی منزل پر پہنچا تو مشورہ دیا کہ دشمن پر حملہ کرنے سے کچھ وقت آرام لینا چاہیئے تاکہ فوج تازہ دم ہو جائے۔

تعلیم وتربیت:۔

اس مختصر وقت میں شیخ نے اپنی تعلیم وتربیت کا کام شروع کر دیا۔

فوج میں خاندانِ بنواُمیہ کا ایک امیر بھی تھا اس نے اپنے خادم کے ذریعہ شیخ کو یہ پیام پہونچایا کہ آپ میرے ہاں تشریف لائیں تاکہ آپ کے دینی مذاکرے سے میں بھی مستفید ہوں۔

شیخ نے جواباً کہا جناب عالی! میں نے اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ علم کو دروازوں پر نہیں لے جاتے، میں یہ گمان نہیں کروں گا کہ آپ اس عمل کو میرے لئے پسند کریں؟ اگر جناب کو استفادہ کرنا ہو تو براہِ کرم میرے یہاں آجائیں۔

والسّلامُ علیکم

جب یہ پیام امیر نے سُنا تو فوری حاضر ہوا اور سلام و مُصافحہ کے بعد کہنے لگا۔
"اے ابُو حازمؒ آپ کے مشورے و ہدایت کی ہم نے پیروی کی اب آپکی عزت وعظمت ہم نے پہلے سے کہیں زیادہ محسوس کی، اللہ تعالیٰ آپکو دُنیا و آخرت کی جزائے خیر دے، ہم آپ کی ہدایات کے پہلے سے کہیں زیادہ محتاج ہیں"۔
امیر کی اس سعادت مندی پر شیخ کے علم و عرفان کا چشمہ پھُوٹ پڑا دیر تک افادات کا سلسلہ جاری رہا جن میں چند ایک نصائح یہ بھی تھیں۔
(۱) جن اعمال کے نتائج کو تم آخرت میں اپنے لئے پسند کرتے ہوں اُن اعمال کا اس دُنیا میں پاس ولحاظ رکھو۔
(۲) اور جن اعمال کے نتائج کو تم آخرت میں پسند نہ کرتے ہوں دُنیا میں اُن اعمال سے دُور رہو۔
(۳) غور کرنے کی بات ہے اگر آپ کے نزدیک باطل شئی مرغوب ہو جائے تو باطل پرست مُنافق قسم کے لوگ تمہارے یہاں ہجُوم کریں گے۔
(۴) اگر حق و سچائی تمہیں مرغوب ہونگی تو حق پرست و نیک لوگ تمہارے اطراف ہونگے اور نیکی و سچائی میں تمہاری مدد کریں گے۔
اب تم خود فیصلہ کرلو کہ کیا اختیار کرنا چاہیئے؟ یہ کہکر مجلس برخواست کی پھر معرکۂ جہاد کا کام شروع کردیا۔ فجزاہ اللہ جزاءً موفوراً۔

دعوت و تبلیغ کا انمول طریقہ:۔

شیخ کی مجلس اور ارشادات کا وقت مختصر ہوا کرتا تھا۔ اہم اور پُر مغز بات کرنیکی عادت تھی، بات کو طول نہیں دیا کرتے، سُننے والوں کی طبیعت ابھی سیر نہ ہونے پاتی اچانک بات ختم کردیتے۔ اکثر اوقات اہل مجلس تشنگی محسوس کرتے جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کرتا کہ لوگ دوسری مجلس کے انتظار میں رہا کرتے، وعظ و نصیحت کا یہ انمول طریقہ تھا جو شیخ

سلمہ بن دینارؒ کی زندگی میں ملتا ہے۔

شیخ کی موت کا وقت جب قریب آیا حاضرین میں ایک صاحب نے پوچھا۔

ابوحازمؒ آپ کا کیا حال ہے؟

فرمایا، اگر ہم نجات پا جائیں اس شر سے جو دنیا میں ہم نے کیا ہے تو ہمکو آخرت میں کوئی نقصان نہیں۔ پھر قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا۔ (سورہ مریم آیت ۹۶)

ترجمہ:۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ اُن کیلئے محبت پیدا کردے گا۔

آیت کو بار بار دُھراتے رہے اسی حالت میں رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے ۱۴۰ھ تھا۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

مراجع وماخذ

(۱) طبقات خلیفہ ص۲۶۴ ✣ (۲) تاریخ البخاری ج۲ ص۷۸

(۳) حلیۃ الاولیاء ج۳ ص۲۲۹ ✣ (۴) تہذیب التہذیب ج۴ ص۱۴۳

(۵) تہذیب ابن عساکر ج۶ ص۲۱۶۔

سلسلہ سیرت التابعین
شمارہ ١٩

سیرت

امام سلیمان بن مہرانؒ

اعمش

المتوفی سنہ ١٤٨ھ

اَلْاَغْنِیَآءُ فِیْ مَجْلِسِہٖ فُقَرَآءُ

(امام شعرانیؒ)

امیر لوگ اُن کی مجلس میں بے قیمت معلوم ہوتے تھے۔

امام سلیمان بن مہران "اعمش" رحمہ اللہ

تعارف:۔

سلیمان بن مہران نام تھا لیکن اعمش کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے والد مہران عجمی النسل تھے۔ آبائی وطن طبرستان (روس) تھا۔

حضرت اعمش سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ۱۰ محرم سنہ ۶۱ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اعمش کو کوفہ کے ایک امیر نے خرید کر آزاد کر دیا تھا، اسی نسبت سے وہ غلام کہلائے گئے۔

اگرچہ اعمش کی زندگی کا آغاز غلامی سے ہوا لیکن ان میں علم و فہم کی فطری استعداد موجود تھی۔ یہ ان کی خوش بختی تھی کہ ان کی نشوونما مرکز علم شہر کوفہ میں ہوئی جہاں اہل علم صحابہ کے علاوہ کبار تابعین کی کثرت مقیم تھی، آگے چلکر وہ کوفہ کی مسند علم وارشاد کی زینت بنے ہیں۔

ان کے علمی و عملی فضائل پر تمام مورخین متفق ہیں۔ ائمہ ہدیٰ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ، علامہ ذہبی رحمہ اللہ ان کو عابد و زاہد، علامۃ الاسلام، شیخ الاسلام کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔

محدث عیسیٰ بن یونس لکھتے ہیں کہ ہم نے اور ہم سے پہلے لوگوں نے اعمش رحمہ اللہ کا مثل نہیں دیکھا۔

امام اعمش رحمہ اللہ کو جملہ علوم اسلامی میں یکساں درک حاصل تھا۔

محدث ابن عیینہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اعمش رحمہ اللہ کتاب اللہ کے بڑے قاری اور اور احادیث نبویہ کے بڑے حافظ اور علم فرائض کے ماہر تھے۔

قرآنی ذوق :۔

قرآن حکیم کے ساتھ انھیں خاص ذوق تھا، علوم قرآنی میں وہ "رأس العلم" شمار کئے گئے ہیں۔ محدث ہشیم رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ شہر کوفہ میں ان سے بڑا قاری قرآن اور کوئی نہ تھا۔

قرآن حکیم کا مستقل درس دیا کرتے تھے۔ قرأت میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیرو تھے۔ امام اعمش کی قرأت اسقدر مستند اور درست تھی کہ ان کی قرأت پر لوگ اپنی قرأت درست کر لیتے۔

حدیث نبوی :۔

احادیث رسول میں ان کی معلومات کا اتنا وسیع ذخیرہ تھا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کو شیخ الاسلام لکھا ہے۔

علامہ ابن مدائنی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں چھ حضرات ایسے ہیں جنھوں نے احادیث رسول کو چار بڑے شہروں میں محفوظ کر دیا تھا۔

۱:۔ مکۃ المکرمہ میں امام مالک بن دینار رحمہ اللہ

۲:۔ مدینۃ المنورہ میں امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ

۳:۔ بصرہ میں امام قتادہ رحمہ اللہ و امام یحییٰ بن کثیر رحمہ اللہ۔

۴:۔ کوفہ میں امام ابو اسحٰق سبیعی رحمہ اللہ اور امام اعمش رحمہ اللہ۔

محدث ابوبکر عیاش رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ امام اعمش کو سید المحدثین کہا کرتے تھے۔

امام اعمش رحمہ اللہ کی مرویات ہزاروں تک پہونچتی ہیں۔ ابن مدائنی کے بیان کے مطابق یہ تعداد تیرہ سو ہے۔ بعض دیگر روایات کے مطابق چار ہزار احادیث ہیں۔

امام ابن شہاب رحمہ اللہ زہری رحمہ اللہ اپنی معلومات کے تحت اس وقت اہل عراق کے

علم وفضل کے قائل نہ تھے وہ کہتے تھے کہ حدیث ملک عراق سے رخصت ہوگیا۔ ان کے ایک دوست حضرت اسحٰق بن راشد نے ایک مرتبہ امام زہری رحمہ اللہ سے کہا کہ شہر کوفہ میں قبیلہ اسد کا ایک غلام ہے جس کو چار ہزار احادیث یاد ہیں۔

امام زہری رحمہ اللہ نے تعجب سے پوچھا۔ چار ہزار؟

حضرت اسحٰق رحمہ اللہ نے کہا ہاں! چار ہزار، اگر آپ چاہیں تو اس کا کچھ حصہ لاکر آپ کو سناؤں۔ چنانچہ انھوں نے امام اعمش رحمہ اللہ کی مرویات کا کچھ حصہ امام زہری رحمہ اللہ کو سنایا۔ زہری رحمہ اللہ نہایت حیرت سے سنتے جاتے اور ان کا تاثر بڑھتا ہی جاتا رہا اختتام پر کہا۔ "اللہ کی قسم علم اس کو کہتے ہیں۔" مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ کسی کے پاس علم کا اتنا بڑا ذخیرہ بھی محفوظ ہوگا۔

امام شعبہ رحمہ اللہ جن کو امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا ہے امام اعمش کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ جو علمی تشفی اعمش رحمہ اللہ سے ہوئی وہ کسی اور سے نہیں ہوئی۔

محدث قاسم بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ شہر کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایات کا جاننے والا امام اعمش سے زیادہ اور کوئی نہیں تھا۔

امام اعمش رحمہ اللہ کی روایات کا درجہ :۔

احادیث میں راویوں کے علم وفہم، قوتِ حفظ کے لحاظ سے مختلف درجات ہوا کرتے ہیں۔ کلام نبوی جو اپنی ذات میں بلند وبالا مقام پر قائم ہے لیکن راویوں کے سلسلہ کے لحاظ سے اسکا درجہ مختلف ہوجایا کرتا ہے۔ ایک تو وہ بھی ہے جس کے بیان کرنے والے علم وفہم میں عام حالت رکھتے ہیں۔ لیکن اسی حدیث کا دوسرا سلسلہ ایسے راویوں سے وابستہ ہے جو اپنے علم وفہم، حزم واحتیاط، صحت یادداشت میں پہلے سلسلے کے راویوں سے ممتاز ہیں ایسی صورت میں دوسری روایت کا درجہ پہلی روایت سے مختلف ہوجائیگا، اگرچہ حدیث نبوی ایک ہی ہے۔

امام اَعمش ؒ کی روایات کا بیشتر حصّہ ایسے ہی راویوں سے وابستہ ہے جو اپنے علم وفہم، ذکاء، وحفظ میں ممتاز ہیں۔ محدّثین کرام کی اصطلاح میں امام اعمش ؒ کی روایات کو عام طور پر "مُصْحَف" کہا جاتا ہے۔ (قرآن جیسا مجموعہ)۔

ابن عمّار کہتے ہیں کہ محدّثین میں اَعمش سے زیادہ ثقہ تر کوئی نہ پایا۔

اس علم وفضل کے باوجود امام اَعمش نقل روایات میں بڑے محتاط تھے، زیادہ احادیث کا بیان کرنا اچھا نہ سمجھتے تھے، جو بھی حدیث نقل کرتے نہایت حزم واحتیاط سے کہ کوئی کلمہ چھوٹنے نہ پائے۔

اُن راویوں کی سرزنش کرتے جو نقل روایات میں جری ہوا کرتے ہیں۔

محدّثین ؒ کے مَراتبؒ پر نظر:

اِمام اَعمش ؒ کے سلسلے حدیث میں اُن کے فضل وکمال کی ایک سَند یہ بھی ہے کہ وہ اپنے زمانے کے محدثین پر خصوصی نظر رکھا کرتے تھے۔ اُن کی بیان کردہ روایات کو ناقدانہ نظروں سے دیکھتے اور بَرملا تبصرہ بھی کر دیا کرتے۔

اَبُو بکر بن عیاش کا بیان ہے کہ ہم لوگ تحصیلِ علم کے لئے وقت کے دیگر محدّثین کے پاس بھی جایا کرتے تھے اور پھر اِمام اعمش کے ہاں آتے۔ وہ ہم سے سوال کرتے کس کے پاس سے آئے ہو؟

ہم جواب دیتے فلاں راوی کے پاس گئے تھے۔ یہ سُنکر فرماتے وہ تو ایسا ہے۔ پھر پُوچھتے اس کے بعد؟

ہم جواب دیتے فلاں کے پاس۔ فرماتے وہ تو ویسا ہے۔

اس کے بعد پھر دریافت کرتے، اس کے بعد؟

ہم کہتے فلاں شخص کے پاس۔ فرماتے وہ تو ایسا ویسا آدمی ہے۔

بعض مؤرخین نے ایسا، ویسا کی تعبیروں میں مثالیں بھی نقل کیں ہیں۔ (جس کو ہم نے یہاں درج کرنا مناسب نہ سمجھا)۔

علم حدیث میں جرح وتعدیل (اسماء الرجال) ایک مستقل علم ہے جس سے روایت اور راوی کی حیثیت ممتاز سے ممتاز تر، اور ضعیف سے ضعیف تر ظاہر ہوجایا کرتی ہے۔ علوم حدیث میں یہ علم "اشرفُ العلوم" کی حیثیت رکھتا ہے۔

محدّثین کرام جو "حدیثِ رسول" کی صحت وحفاظت کے لئے من اللہ پیدا ہوئے ہیں اِسی علم کے ذریعہ راویوں پر نقدو تبصرہ کیا ہے۔ یہ غیبت یا بُہتان نہیں جو حرام عمل ہیں، بلکہ "کلام رسول" کو دیگر تمام اقوال والفاظ سے ممتاز کردینا مقصود ہوا کرتا ہے۔

اِمام اَعمَش رح اس بارے میں نہایت جری و بیباک واقع ہوئے ہیں۔ وہ عظمت حدیث کے مقابلہ میں کسی بھی اِزالۂ عزّت کو خاطر میں نہ لایا کرتے۔

جرأت و بیباکی کا واقعہ:۔

مشہور اُموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے ایک مرتبہ ان کو خط لکھا کہ آپ کے ہاں سیّدنا عثمان رض کی فضیلت میں جو روایات موجود ہیں اسی طرح (سیّدنا) علی رض کی تنقیص میں جو روایات محفوظ ہوں انھیں لکھکر میرے ہاں روانہ کردیجئے۔

امام اَعمَش رح نے خلیفہ کا یہ خط قاصد کی موجودگی ہی میں بکری کو کھلادیا، اور قاصد سے کہا خلیفہ کو کہدینا کہ یہ آپ کی تحریر کا جواب ہے۔ قاصد اور حاضرین اس جرأت و بیباکی پر دم بخود رہ گئے۔

اس کے بعد قاصد نے دوبارہ اِصرار کیا کہ خلیفہ کی تحریر کا جواب بہرحال دیدیجئے؟ تو یہ جواب لکھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اما بعد! اگر سیّدنا عثمان رض کی ذات میں سارے انسانوں کی خوبیاں

جمع ہوں تو بھی اس سے تمہاری ذات کو کوئی نفع نہیں پہونچ سکتا۔ اسی طرح اگر سیّدنا علی رضؓ کی ذات میں دُنیا بھر کی بُرائیاں جمع ہوں تو اس سے تمکو کوئی نقصان نہیں۔ تمکو تو صرف اپنی فکر کرنی ضروری ہے۔ والسّلام

خط پڑھکر خلیفہ بھی بے بس ہو گیا۔

علمِ فقہ و فرائض:۔

اِمام اَعمش رحؒ کو علم فقہ میں کامل بصیرت تھی خاصکر علم فرائض (میراث) میں مسلّم حیثیت حاصل تھی۔ محدّث ابن عُیینہ رحؒ کا بیان ہے کہ علم فرائض میں وہ امامت کا درجہ رکھتے تھے۔

اِن سے پہلے اِمام ابراہیم نخعی رحؒ اس علم کے سب سے بڑے عالم تسلیم کئے جاتے تھے اور اہل علم اُن کی طرف رُجوع کیا کرتے تھے اِن کی وفات کے بعد امام اَعمش رحؒ کی ذات میں یہ علم منحصر ہو گیا۔

عبادت و ریاضت:۔

علم کے ساتھ عمل میں بھی وہی درجہ رکھتے تھے۔ مشہور ناقد حدیث یحییٰ بن سعید قطّان کا بیان ہے کہ وہ علم کی اس بلند منصبی کے ساتھ زاہد و عابد شب بیدار بھی تھے جب وہ عبادت میں مشغول ہو جاتے تو کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ کب فارغ ہوں گے۔ صحابۂ کرام رضؓ کی کیفیت عبادت اُن کی زندگی میں نظر آتی تھی۔

صحابۂ کرام رضؓ کے بارے میں مورخین لکھتے ہیں:

بِالنَّهَارِ فُرْسَانٌ وَبِاللَّيْلِ رُهْبَانٌ۔ دن کے مجاہد اور رات کے عبادت گزار، علامہ خُریبی رحؒ کا بیان ہے کہ اَعمش رحؒ نے اپنے بعد کسی کو بڑا

عبادت گزار نہیں چھوڑا۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ علم نافع اور عمل صالح دونوں کے سردار تھے۔

محدّث وکیع بن جرّاحؒ کہتے ہیں کہ ان میں نماز باجماعت کا اسقدر اہتمام تھا کہ ستّر سال کی عمر میں بھی تکبیرِ اُولیٰ فوت نہ ہوئی۔

تلاوتِ قرآن کا معمول ساری عبادتوں پر غالب تھا، ہر سات دن میں ایک ختم کر لیا کرتے اور رمضانُ المبارک کے دنوں میں ہر تین دن میں ایک ختم اور آخری عشرہ کی راتوں میں ہر رات ایک قرآن ختم کرنے کا معمول تھا۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

زہد و قناعت:۔

اِمام اعمشؒ خاصانِ خُدا کیطرح دولتِ دُنیا سے بالکل تہی دست تھے خود ان کا اپنا احساس تھا کہ وہ تہی دست ہیں اِس کے باوجود اُمراء و اربابِ دولت سے نہ صرف بے نیاز تھے بلکہ اُن کو خود محتاج و ضرورتمند سمجھا کرتے۔

محدّث عیسیٰ بن یونسؒ کا بیان ہے، میں نے باوجود اس فقر و احتیاج اُمراء و سلاطین کو کسی کی نگاہ میں اُن سے زیادہ حقیر نہ پایا۔

اِمام شعرانیؒ لکھتے ہیں اعمشؒ کو پیٹ بھر روٹی میسّر نہ تھی لیکن اُن کی مجلس میں دولت مند اور اُمراء سب سے بڑے فقیر معلوم ہوتے تھے۔

(شیخ سعدیؒ نے اس حقیقت کو اس طرح ظاہر کیا ہے۔" آں راکہ غنی تراند محتاج تراند"۔ جو لوگ جتنے بڑے دولت مند ہیں اُسی قدر محتاج تر بھی ہیں)

یہ دراصل اُن کی غنیٰ نفس کا اثر تھا جو مادّی دولت و ثروت کو شرمندہ کر رہا تھا، اُن کی مجلس میں جو بھی آتا اپنے آپ کو محتاج و تہی دست محسوس کرتا تھا۔ حدیث میں غنیٰ کی حقیقی تعریف "غنی النفس" کی گئی ہے (یعنی دل کی امیری)۔

اِمام اَعمش ؒ کا قلب غِنیٰ النَّفس سے معمور تھا یہی وجہ تھی کہ جو کچھ آتا اُسی وقت صرف بھی ہو جاتا۔

محدّث ابُوبکر بن عیاش ؒ کا بیان ہے کہ ہم لوگ جب بھی اَعمش کے پاس آتے وہ ہمیں کچھ نہ کچھ کھلاتے تھے۔

وَفات:

اِن تمام ظاہری و باطنی فضائل کے باوجود وہ اپنی ذات کو بالکل حقیر و ہیچ سمجھتے تھے، فرمایا کرتے: میں اس سے بھی کہیں فروتر ہوں کہ لوگ میرے جنازے میں شرکت کریں۔

۱۴۸ھ میں وفات پائی۔

اَللّٰھُمَّ اَسْکِنْہُ فِیْ جَنَّاتِ نَعِیْمٍ وَ اَنْشُرْ عَلَیْہِ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ۔

مراجع و مآخذ

(۱) طبقات ابن سعدؒ ج ۶
(۲) تہذیب التہذیب ج ۱، ۴
(۳) تذکرۃ الحفّاظ ج ۱
(۴) تاریخ خطیب بغدادی ج ۹
(۵) طبقات کبریٰ امام شعرانیؒ ج ۱

مَا اَحْسَنَ الْاِسْلَامَ یَزِیْنُہُ الْاِیْمَانُ
وہ اسلام کتنا اچھا ہے جس کو ایمان نے زینت دی

وَمَا اَحْسَنَ الْاِیْمَانَ یَزِیْنُہُ التُّقٰی
اور وہ ایمان کتنا اچھا ہے جس کو تقویٰ نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ التُّقٰی یَزِیْنُہُ الْعِلْمُ
اور وہ تقویٰ کتنا اچھا ہے جس کو علم نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ الْعِلْمَ یَزِیْنُہُ الْعَمَلُ
اور وہ علم کتنا اچھا ہے جس کو عمل نے زینت دی ہو

وَمَا اَحْسَنَ الْعَمَلَ یَزِیْنُہُ الرِّفْقُ
اور وہ عمل کتنا اچھا ہے جسکو تواضع نے زینت دی

(محدّث رجاء بن حیوہ رحمہ، سنہ ۱۱۲ھ)

سلسلہ سیرت التابعین شمارہ ۲۰

سیرت
امام عامر بن عبداللہ التمیمیؒ

اِنْتَهَى الزُّهْدُ اِلٰى ثَمَانِيَةٍ فِي
مُقَدِّمَتِهِمْ عَامِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ التَّمِيْمِيُّؒ
(علقمہ بن مرثدؒ)

طبقہ تابعین میں زُہد و قناعت آٹھ حضرات پر ختم ہوئی
جن میں سرفہرست عامر بن عبداللہ تمیمیؒ ہیں۔

حضرت عامر بن عبد اللہ التمیمیؒ

تعارف :-

خلافتِ فاروقی کے چودھویں سال امیر المومنین سیّدنا عمر بن الخطاب رضؓ نے صحابہ کرام اور تابعینِ عظام کو ہدایات جاری کیں کہ شہر بصرہ کو اسلام کی فوجی چھاؤنی اور دعوت و تبلیغ کا مرکز قرار دیئے جانے کا منصوبہ طے کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں "تعمیر بصرہ" کی اس مہم میں حصّہ لیں اور ملک عراق کی طرف ہجرت کریں۔

امیرُ المومنین کا یہ اعلان اسلامی مملکت میں برق و باراں کی طرح پھیل گیا۔ شہر نجد، حجاز، یمن سے مسلمانوں کے قافلے شہر بصرہ کی طرف کوچ کرنے لگے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک مضبوط قلعہ فراہم ہو سکے۔

مسلمانوں کے اِن قافلوں میں شہر نجد کے قبیلے بنو تمیم کا ایک نوجوان بھی اس مہم میں شریک ہوا، اس نوجوان کا نام عامر بن عبدُ اللہ تمیمیؒ تھا، یہ اپنی کم سنی ہی میں متقی و پاک باز زندگی کا خوگر تھا، امیرُ المومنین کی ندا پر شہر بصرہ روانہ ہو گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ شہر بصرہ اپنی دولت و ثروت، زر و جواہر کی بُہتات میں اپنی مثال آپ تھا، یہاں فتوحاتِ اسلامی کے اموال جمع ہوا کرتے تھے اور عوام خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے۔

لیکن نوجوان عامر بن عبدُ اللہ کو دُنیا کے ان زخارف و عجائب سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ صرف رضائے الٰہی کی خاطر ہجرت کر رہا تھا۔ مؤرخین ان کی اس خصوصیت کو ان سُنہری الفاظ میں لکھتے ہیں :

كَانَ زَاهِدًا بِمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ، رَاغِبًا بِمَا عِنْدَ اللهِ ۔

"وہ لوگوں کی دولت و ثروت سے بہت دور، آخرت کے ساز و سامان کا حریص"۔

اِن دنوں شہر بصرہ کے حاکم و گورنر جلیل القدر صحابی ابوموسیٰ اشعریؓ تھے جو اسلامی فوجوں کے سپہ سالار کے علاوہ ملک و ملّت کے اِمام و مُرشد بھی سمجھے جاتے تھے۔ نوجوان عامرؒ نے اِن کی صحبت اختیار کر لی سفر و حضر کے علاوہ جنگی مہموں میں ان کے ساتھ حصّہ لینے لگے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ان اصحاب رسولؐ میں شامل ہیں جنھیں کتابُ اللہ کی کامل معرفت اور حُسن قرأت میں امتیاز حاصل تھا۔ عامر بن عبُداللہؒ نے اِن سے ہر دو علوم میں وافر حصّہ پایا اور احادیث رسول کا بہت بڑا ذخیرہ حاصل کیا۔

روایاتِ حدیث میں اُس حدیث کا درجہ نہایت بلند و بالا سمجھا جاتا ہے جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک صرف ایک واسطہ (ایک راوی) ہو، عامر بن عبدُاللہ کو ایسی سینکڑوں احادیث ملیں جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک صرف ایک واسطہ حضرت ابُوموسیٰ اشعریؓ کا تھا۔

یہ خوش نصیب نوجوان تھے جنھوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے علم و فضل کا بڑا حصّہ پاکر اپنی زندگی کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا تھا۔

شیخ عامر تمیمیؒ کی زندگی :-

(۱) ایکؔ حصّہ تو علم کی ترویج و تبلیغ کے لئے وقف کیا، جامع بصرہ میں علمی حلقات کا سلسلہ شروع کیا جہاں شہر کے علاوہ دور دراز علاقوں سے علم حاصل کرنے والے آیا کرتے گویا "علم حدیث" کا یہ پہلا مدرسہ تھا جو شہرہ بصرہ میں جاری ہوا۔

(۲) اپنی زندگی کا دوسرا حصّہ عبادتِ الٰہی کے لئے وقف کیا، علمی حلقات

سے فارغ ہو کر رات کی تنہائیوں میں اپنے رب کے آگے آہ وزاری و نوافل کی کثرت میں مشغول ہو جاتے، کہا جاتا ہے کہ صبح فجر تک پیر متورم ہو جایا کرتے، بہت ہی قلیل مدت میں "عابد بصرہ" کے لقب سے پکارے گئے۔

(۳) زندگی کا تیسرا حصہ میدانِ جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے لئے وقف کیا، مجاہدین کے قافلوں کے ساتھ دُور دراز علاقوں کی فتح یابی کے لئے نکل جاتے اور کامیابی و غنائم کی کثرت کے ساتھ مرکزِ اسلام بصرہ آجاتے اور پھر اپنی سابقہ زندگی کا آغاز کرتے۔

شیخ عامر بن عبداللہؒ کی مجاہدانہ زندگی کا ایک واقعہ ان کا ایک پڑوسی بیان کرتا ہے جو خود بھی اس راہ جہاد میں شریک تھا۔

نماز و مناجات :۔

کہتا ہے کہ میں شیخ عامر بن عبداللہؒ کے ایک قافلۂ جہاد میں شریک تھا، راہ میں ایک رات قیام کرنا پڑا، مجاہدین اپنے اپنے مقام پر استراحت کے لئے لیٹ گئے، عامر بن عبداللہ نے بھی اپنا سامان یکجا رکھ دیا، اپنے گھوڑے کو ایک درخت کے نیچے چارہ ڈال کر ایک لمبی رسّی سے اس کو باندھ دیا تاکہ وہ آزادی سے چرے پھرے اور دُور نہ نکل جائے، پھر خود ایک جھاڑی کی طرف چل پڑے۔

مجھ کو ان کا دُور نکل جانا شک میں ڈال گیا میں نے مخفی طور پر ان کا پیچھا کیا وہ ایک گھنی جھاڑی میں داخل ہوئے اور مصلیٰ بچھا کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور دیر تک نماز پڑھتے رہے، میں نے خیال کیا کہ اب فارغ ہونگے جب فارغ ہوں گے؟ لیکن اس کا سلسلہ ختم نہ ہوا۔ اللہ کی قسم میں نے ایسی پُرسکون خشوع خضوع والی نمازیں کسی کو بھی پڑھتے نہیں دیکھا۔

جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور اللہ کی

جنابِ عالی میں مُناجات شروع کردی اور ایسی دِل آویز و رُوح پرور آواز سے اللہ کو پکارنے لگے کہ میرا دل پھٹنے لگا اور میں برداشت نہ کرسکا،

اللہ کی حمد و ثنا پڑھکر کہنے لگے۔ الٰہی تیرے بندے عمر بن الخطابؓ نے ہمیں اسلامی مہم پر روانہ کیا ہے الٰہی اِس کی اس مہم کو کامیاب فرما، اسلام اور مسلمانوں کی سر بلندی کے لئے شہر بصرہ کو اسلام کی مضبوط چھاؤنی بنا اور اس مرکز کو قبول فرما، الٰہی اپنی زمین کے دُور دراز علاقوں میں اسلام و ایمان کا کلمہ جاری فرما، قرآن و سنّت کے احکام کو عام و تام کردے کہ رُوئے زمین پر تیرے نام کے علاوہ کسی نام کی حکمرانی نہ رہے۔ الٰہی ہم تیرے بندے اور تیرے نبی کی اُمّت ہیں الٰہی اِس اُمّت کی نصرت فرما، الٰہی آپ کی نصرت و تائید کے بغیر کسی کو قرار و ثبات نہیں۔

مُناجاتِ نیم شبی :۔

الٰہی اپنی مرضی سے آپ نے مجھکو پیدا کیا اور اپنی ہی قدرت سے مجھکو اس دُنیا کی کشمکش میں مُبتلا کیا پھر مجھکو پابند کیا کہ نفس کے بُرے تقاضوں سے دُور رہ،

الٰہی میں آپ کی تائید و توفیق کے بغیر اس عہد سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکتا ہوں۔ الٰہی دُنیا کی ہر آزمائش آسان فرما اور اپنے ہر فیصلہ پر مجھکو راضی برضا کردے یالطیفُ یاقویُّ یامتینُ۔

شیخ عامر بن عبدُاللہ کا پڑوسی کہتا ہے میں یہ منظر دیر تک دیکھتا رہا، آخر شب نیند کے غلبہ سے میں تو سو گیا، صبح فجر میں جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ شیخ عامر بن عبداللہ اپنی مُناجات میں مشغول ہیں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ

اور بارگاہِ قُدس میں عرض کررہے ہیں۔ الٰہی ہر بندے کی ایک حاجت

ہوا کرتی ہے الٰہی اپنے اِس بندے عامر کی بھی ایک حاجت باقی ہے۔ الٰہی میں نے اپنی تین حاجتیں پیش کیں تھیں دو حاجتیں تو آپ نے اپنے فضل سے پوری کر دیں الٰہی اپنی تیسری حاجت کا انتظار ہے اِس کو بھی اپنے کرم سے پوری فرمادے آپ پر کوئی چیز بھاری نہیں۔

یہ کہکر اپنے مصلے سے اُٹھ گئے، اچانک مجھ پر نظر پڑی سکتہ میں آگئے، پھر بلند آواز سے فرمایا:

"ارے تم نے میری تاک میں ساری رات گزار دی؟"

میں نے کہا، اللہ آپ پر رحم فرمائے میں آپ کی شب بیداری دیکھنا چاہتا تھا۔

فرمایا، اچھا تو تم نے دیکھ لیا اب اس کا چرچا نہ کرو اللہ تمکو جزائے خیر دیگا۔

میں نے کہا، ٹھیک ہے لیکن ایک شرط یہ ہے کہ آپ اپنی تین حاجتیں جو اللہ ربّ العزّت سے طلب کیں ہیں وہ ظاہر فرمادیں ورنہ میں رات کا واقعہ عام کر دوں گا۔

شیخ عامر بن عبدُاللہ نے کہا، بس بس مجھے معاف کر دو اور اپنے کام سے کام رکھو تمکو میرے ذاتی تقاضوں سے کیا تعلق ہے؟

میں نے کہا، تو پھر میں اپنا آنکھوں دیکھا حال ظاہر کر دُوں گا۔

میرے اصرار پر فرمایا، اچھا! میری بھی ایک شرط ہے وہ یہ کہ میری موت تک یہ واقعہ ظاہر نہ کیا جائے؟

میں نے وعدہ کر لیا۔

فرمایا، پہلی بات تو یہ مجھکو اپنے دین دایمان پر عورتوں کے فتنوں سے زیادہ اور کسی فتنہ کا اندیشہ نہ تھا میں نے اللہ سے دُعا کی تھی کہ عورتوں کی یہ ناجائز محبّت دل سے دُور ہو جاوے، اللہ نے میری دُعا قبول فرمائی، اب میرا یہ حال ہے کہ کسی عورت کو دیکھنا یا کسی پتھر کو دیکھنا دونوں برابر ہیں۔

دوسری دعا یہ تھی کہ سوائے اللہ کے میں کسی سے بھی خوف و اندیشہ نہ کروں۔ اللہ نے یہ درخواست بھی قبول فرمائی اب میرا یہ حال ہے کہ زمین اور آسمان میں سوائے اللہ کے نہ کسی کا خوف ہے نہ اندیشہ۔

میں نے کہا اور تیسری دعا کیا تھی جو قبول نہ ہوئی؟

فرمایا، میں نے اپنے رب سے یہ درخواست کی تھی کہ مجھ سے نیند اور اونگھ اٹھالی جائے تاکہ میں دن و رات عبادت کے لئے مستعد رہوں لیکن اللہ نے یہ دعا قبول نہ کی (یہ اللہ کی مرضی تھی)

میں نے کہا، شیخ اپنی جان پر رحم کرو ویسے بھی آپ ساری رات عبادت کرتے ہیں اور دن کو روزہ رکھتے ہیں اور جنت تو اس سے بھی کم اعمال پر مل جاتی ہے اور جہنم سے نجات بھی، مزید کس لئے؟

شیخ عامر بن عبداللہؒ نے فرمایا:

اِنِّیْ لَاَخْشٰی اَنْ اَنْدَمَ حَیْثُ لَا یَنْفَعُ النَّدَمُ۔

صاحبزادے میں اس دن کی ندامت کا اندیشہ کرتا ہوں جس دن کی ندامت نفع نہ دیگی (یعنی آخرت) اللہ کی قسم میں غفلت اختیار نہ کروں گا اور نہ سُستی کرونگا اپنی کوشش جاری رکھوں گا اگر نجات پاگیا تو یہ اللہ کی رحمت ہوگی اور اگر پکڑا گیا تو یہ میری شامتِ اعمال کا نتیجہ ہوگا۔

شیخ عامر بن عبداللہؒ کی ساری زندگی اسی جدّو جہد میں گزری انکو کبھی خاموش یا فضول کام کرتے کسی نے نہیں دیکھا۔ قرآن و حدیث کا درس دیتے یا عبادت میں مشغول رہتے اور جب جہاد کا اعلان ہوتا مجاہدین کی صفِ اوّل میں نظر آتے، دُنیا ان کے پاس تھی ہی نہیں جو انھیں اپنی طرف متوجہ کرتی، رُوکھا سُوکھا کھا لیا پھر کام میں مشغول ہوگئے۔

جہاد فی سبیل اللہ:-

مورخین لکھتے ہیں شیخ عامر بن عبداللہ نہ صرف زاہد و عابد قسم کے انسان تھے کہ شب و روز عبادت میں کھڑے ہوں بلکہ وہ دن میں مرد مجاہد کی صفات رکھتے تھے، ان کی سیرت اصحابِ رسول کی سیرت سے مختلف نہ تھی۔

وہ حضرات رات کو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوتے اور دن کو مجاہدین کی صفوں میں شامل ہوتے یہی حال شیخ عامر بن عبداللہ کا تھا، ان کی ایک خاص عادت یہ بھی تھی کہ کوچ کرنے سے پہلے اُن مجاہدین کی رفاقت قبول کرتے جو ان کی تین شرطیں پوری کرنے کا وعدہ کرتے ہوں۔

پہلی شرط تو یہ کہ سارے سفر میں میری حیثیت آپ لوگوں کے خادم کی طرح ہوگی میں ہر قسم کی خدمت کروں گا؟ میری خدمت میں کوئی مداخلت نہ کریگا۔

دوسری شرط یہ کہ پانچوں وقت کی اذان دینے کی ذمہ داری مجھ پر رہے گی اسمیں بھی کوئی مداخلت نہ کرے گا؟

تیسری شرط یہ کہ راہِ سفر کا خرچہ خود میرا ہوگا کوئی میری خدمت نہ کریگا؟

مجاہدین کی صفوں میں جو جماعت ان کے یہ تین شرطیں پوری کرتی اُن کے ساتھ شریک سفر ہو جاتے ورنہ کوئی دوسری جماعت جو ان کے شروط پوری کرنیکا وعدہ کرتی ساتھ ہو جاتے۔

سفر جہاد میں دوسروں پر بار یا بوجھ ہونا کیا معنی اوروں کا بوجھ ہلکا کر دیا کرتے اور جب میدانِ جہاد میں معرکہ پیش آتا تو یہ اُن مجاہدین میں نظر آتے جو خوف واندیشہ کے وقت اور زیادہ دلیر ہو جاتے اور بے خوف وخطر دشمنوں کی صفوں میں گھس پڑتے ہیں۔

فتح مندی کے بعد جب دشمنوں کا مال غنیمت جمع کیا جاتا تو یہ امانت و دیانت کی

جیتی جاگتی تصویر نظر آتے، مالِ غنیمت میں خیانت کرنا تو درکنار نظر بھر دیکھنا بھی پسند نہ کرتے، مالِ غنیمت کی چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی جمع کروا دیتے۔

جنگ قادسیہ[1] میں شریک تھے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فتح یابی کے بعد ایوانِ کسریٰ میں داخل ہو کر مجاہدین میں اعلان کروایا کہ مالِ غنیمت جمع کیا جائے اور اس کو شمار کیا جائے تاکہ بیت المال کا پانچواں حصہ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا جا سکے۔

مجاہدین نے اہلِ ایران کا مال جمع کرنا شروع کیا خود ایوانِ کسریٰ کا قیمتی سامان زر و جواہر سونے چاندی کے برتن بے مثال زیب و زینت کی اشیاء جن کا چار دانگ عالم شہرہ و غلغلہ تھا جمع کیا جانے لگا۔

زر و جواہر کے علاوہ زر و جواہرات سے مرصع تخت و تاج، صندل و شیشم کے صندوق، ریشم و استبراق کے لباس، قیمتی موتیوں کے ہار، یاقوت و زمرد کے زیور، شاہی بیگمات کی بے شمار زیب و زینت والی اشیاء، آثارِ قدیمہ کا بے مثال سرمایہ، علاوہ ازیں سامان حرب و ضرب کا بے پناہ ذخیرہ بھی موجود تھا جو مجاہدین جمع کر رہے تھے۔

شیخ عامرؒ کی امانت و دیانت:۔

اسی ہجوم میں ایک غیر معروف پراگندہ حال مجاہد ایک بھاری صندوق لے آیا جس کے بوجھ سے وہ دبا جا رہا تھا، جب کھولا گیا تو دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں، چمک دار ہیروں کے ٹکڑے، اعلیٰ قسم کے موتی و مونگے، لال و زمرد کے پتھر، حریر و دیباج کے کپڑوں میں لپٹے ہوئے نظروں کو پلٹا دے رہے تھے، نو وارد مجاہد مالِ غنیمت آگے رکھ کر روانہ ہونے لگا۔ مالِ غنیمت کے افسر نے

---

[1] قادسیہ ملک ایران کا دولت مند شہر تھا جو خلافتِ فاروقی میں فتح ہوا۔

روکا اور پوچھا یہ صندوق کہاں سے لائے ہو؟
مجاہد نے کہا، معرکہ میں فلاں محل کا یہ صندوق ہاتھ آیا وہ لیتا آیا ہوں۔
حاضرین نے کہا تو پھر آپ کون ہو؟ نام کیا ہے؟
کہا نام و تعارف کی کیا ضرورت؟ مجاہدینِ اسلام کا ایک خادم و مجاہد ہوں۔
پوچھا، پھر تم نے اسمیں سے کتنا مال لیا ہے؟
کہا، توبہ! توبہ! بھلا یہ کیونکر ممکن ہے؟ میں تو شاہانِ فارس کے مال و متاع کو ناخن کے میل سے بھی حقیر سمجھتا ہوں، اگر یہ مسلمانوں کے بیت المال کا حق نہ ہوتا تو اس شہر سے ایک تنکہ بھی نہ اٹھاتا، یہ کہکر واپس ہو گئے۔ ایک شخص نے ان کا پیچھا کیا دیکھا کہ وہ سرحد کے آخری حصے پر مجاہدین کی صف میں داخل ہو گئے ہیں۔
اُس شخص نے مجاہدین سے انکا تعارف چاہا، مجاہدین نے حیرت کا اظہار کیا، کیا تم انکو نہیں جانتے؟ یہ شہر بصرہ کے عامر بن عبداللہ تیمی ہیں جو "زاہدُ البصرہ" کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔

ایک حادثہ اور آزمائش :-

اِن ساری خوبیوں اور فضائل کے باوجود شیخ عامر بن عبداللہؒ حوادثِ زمانہ اور مصائب حاسدانہ سے محفوظ نہ رہ سکے، قدیم زمانے سے سنّۃُ اللہ ایسے ہی جاری رہی ہے کہ
نیکاں را بیش بود حیرانی (بڑوں کی مصیبت بھی بڑی ہوتی ہے)
شیخ کو دشمنوں، حاسدوں، شریروں سے وہ سب کچھ ملا جو ان کے پیشروں کو ملا ہے۔
حق گوئی، بے باکی، جرأت و انصاف پسندی طبیعت ثانیہ ہو چکی تھی ایک دن شہر بصرہ کے بازار میں دیکھا کہ پولس کا ایک نوجوان ایک ذمّی[1] (غیر مسلم) کا گلا پکڑے

---
[1] اسلامی مملکت کی وہ غیر مسلم رعایا جو عہد و پیمان دیکر اسلامی حکومت میں قیام کرتی ہے۔

کھینچ رہا ہے اور وہ ذمّی لوگوں سے مدد طلب کر رہا ہے اور نبی اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم) کا واسطہ دے رہا ہے کہ لوگو! مجھکو اِس کے ظلم سے بچاؤ، لیکن کوئی مدد کے لئے نہیں آتا۔ شیخ عامر بن عبداللہؒ سے یہ منظر دیکھا نہ گیا، آگے بڑھے اور اُس ذِمّی سے پوُچھا، کیا تم نے اپنا سالانہ ٹیکس ادا کر دیا ہے؟

ذمّی نے کہا، ہاں! ہاں! پوُرا پوُرا دیدیا ہے۔

شیخ نے پولس والے سے پوُچھا تم کیا چاہتے ہو؟

کہا کہ میرے پولس افسر نے کسی بھی ذمّی کو پکڑ لانے کو کہا ہے تا کہ وہ گھر کے باغیچہ کو درست کرے اور اُس کی آبیاری بھی۔

شیخ نے ذمّی سے پوُچھا کیا تم یہ کام خوشی سے انجام دو گے؟

ذمّی نے کہا ہرگز نہیں میں تو خود اپنے اہل و عیال کی روزی فراہم کرنے میں ہمّت ہار چکا ہوں یہ زائد مُفت خدمت مجھ سے ادا نہ ہوگی۔

شیخ نے پولس والے سے کہا تو پھر اِس کو چھوڑ دو، مجبور نہ کرو۔

پولس والے نے کہا ہرگز نہیں! میں اسکو بہر صورت لیجاؤنگا۔

شیخ کو سخت غیرت آئی، کہا اللہ کی قسم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا واسطہ ہرگز ضائع نہ جائے گا۔ جبتک میری رُوح میرے جسم میں باقی ہے اِس مظلوم کی مدد کرتے رہوں گا، پھر اچانک اس پر اس شدّت سے ٹوٹ پڑے کہ ایک ہی جھٹکے میں اُس ذمّی کو چھڑا لیا اور اس کے گھر رُخصت کر دیا۔

پولس والا حیران مُنھ تکتہ رہ گیا، شیخ کو پکڑنے کی تو کیا ہمّت کرتا زبان سے دو بول بھی نہ کہہ سکا، واپس جا کر اپنے افسر کو قصّہ سُنایا اور یہ الزام دیا کہ شیخ عامر بن عبداللہ حاکم کی اطاعت سے خُروج کر چکے ہیں۔

پولس افسر نے اِن پر بغاوت کا الزام لگایا اور مزید جھوٹے الزامات بھی عائد کر دیئے جن میں چند ایک یہ بھی تھے۔

(۱) یہ نکاح نہیں کرتے جبکہ نکاح کرنا سُنّتِ انبیاء ہے۔ سنّتِ نکاح کا انکار کرتے ہیں۔

(۲) یہ حلال جانوروں کا گوشت نہیں کھاتے۔

(۳) حکّام اور اُمراء کو خاطر میں نہیں لاتے اور نہ اُن سے ملاقات پسند کرتے ہیں۔

(۴) عام لوگوں کو اِن کے ہاں آنے جانے سے روکتے ہیں۔

اس طرح شیخ عامر بن عبداللہؒ کے خلاف ایک منظّم سازش تیار کی اور بڑے اہتمام سے امیرالمومنین سیّدنا عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ منوّرہ روانہ کردی گئی۔

سیّدنا عثمانؓ کو ان باتوں پر یقین نہیں آیا وہ شیخ عامر بن عبداللہؒ کی زندگی سے واقف تھے، تاہم انھوں نے بصرہ کے گورنر کو تحقیقِ حال کے لئے پابند کیا اور الزامات کی حقیقت دریافت کی۔

گورنر نے شیخ عامر بن عبداللہؒ کو عزّت واکرام سے طلب کیا اور الزامات کی حقیقت دریافت کی۔

شیخ نے کہا، میرا نکاح نہ کرنا رہبانیّت (ترک کردینا) کے طور پر نہیں ہے اور نہ سُنّتِ رسولؐ کی مخالفت کرنی ہے بلکہ میں ایک کم ہمّت کمزور آدمی ہوں، اللہ کے وہ حقوق جو مجھ پر واجب ہیں ان کو ادا کرنا مشکل ہو رہا ہے تو پھر بیوی بچوں کے حقوق کیونکر ادا کرسکوں گا۔ اس خوف واندیشہ کے تحت نکاح کو ملتوی کر رکھا ہے۔

گورنر نے کہا، آپ حلال گوشت (لحمیّات) سے کیوں پرہیز کرتے ہیں جبکہ اسلامی مملکت میں حلال گوشت فراہم ہوتا ہے؟

شیخ نے کہا، حقیقت یہ نہیں ہے جو میری جانب منسوب کی گئی واقعہ یہ ہے کہ جب مجھے خواہش ہوتی ہے اور گوشت میسّر ہو جاتا ہے تو میں کھا لیتا ہوں۔ ورنہ نہیں، میں ایسا کوئی امیر کبیر نہیں جو صبح وشام گوشت خوری کرتا رہوں۔

گورنر نے کہا، تو پھر آپ جُبُنَہ (پنیر) کیوں استعمال نہیں کرتے جبکہ یہ سستی اور عام غذا ہے؟

شیخ نے کہا، جناب میں شہر بصرہ کے ایسے خطہ میں رہتا ہوں جہاں مجوسی (آتش پرست) بھی آباد ہیں یہ لوگ حلال وحرام کی تمیز نہیں رکھتے، ذبح شدہ اور غیر ذبح شدہ جانوران کے ہاں یکساں ہیں یہ لوگ دودھ، دہی، پنیر وغیرہ کا کاروبار کرتے ہیں۔ پنیر بنانے میں جانور کی وہ چکنائی[1] جو معدے سے چپکی رہتی ہے استعمال کی جاتی ہے اب معلوم نہیں یہ بے دین لوگ ذبح شدہ جانور کی چکنائی استعمال کرتے ہیں یا غیر ذبح شدہ جانور کی (مُردار کی) اس لئے میں پنیر اور اس کے متعلقات چیزوں سے پرہیز کرتا ہوں۔

البتہ جب دو مسلمان اس بات کی شہادت دیتے ہوں کہ یہ پنیر ذبح شدہ جانور کی چکنائی سے بنائی گئی ہے تو میں استعمال کر لیتا ہوں۔

گورنر نے کہا، آپ حکام و اُمراء کی مجالس میں شرکت کرنے سے کیوں عار کرتے ہیں جبکہ ان کی اطاعت و احترام ضروری ہے؟

شیخ نے کہا، یہ بات بھی ایسی نہیں جو میری طرف منسوب کی گئی ہے واقعہ یہ ہے کہ شہر میں ضرورت مند اور محتاج بہت ہیں، حکام اور اُمراء کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے ہیں یہ اپنی حاجات پیش کرتے رہتے ہیں، اور جس کی کوئی حاجت نہ ہو وہ ان دروازوں پر کیوں جائے؟ اور کس لئے ان اُمراء سے میل ملاپ رکھے؟ اُس کو اس کی حالت پر چھوڑ دو اس کو کیوں پریشان کیا جاتا ہے؟

گورنر نے شیخ عامر بن عبداللہؒ کی صفائی امیر المومنین عثمان بن عفانؓ کی خدمت میں روانہ کر دی۔ امیر المومنین نے جب یہ تفصیل سُنی تو ان کے علم و یقین

---

[1] معدے کی اس چکنائی کو عربی زبان میں مِنْفَحَہ کہا جاتا ہے جو سعودی عرب میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

میں مزید اضافہ ہوا کہ شیخ عامرؒ میں نہ بغاوت کا جذبہ ہے اور نہ کتابُ اللہ اور سُنّتِ رسول اللہؐ سے خرُوج و انکار ہے۔ پولس کے سارے الزامات کو رد کر دیا اور ان کے اعزاز و اکرام کی مزید تاکید کی۔ اس طرح پولس کی سازش ناکام رہ گئی۔

لیکن شہر میں جو فتنہ بُویا گیا تھا مخفی طور پر اس کی آبیاری ہو رہی تھی، مختلف عنوانات سے شیخ عامرؒ کو ستایا جانے لگا اور قیل و قال کی کثرت ہونے لگی۔ امیرالمومنین سیّدنا عثمان بن عفانؓ کو ان فتنہ پردازوں سے آگاہ کیا جاتا رہا لیکن شریروں نے ان باتوں کو خاطر میں نہ لایا اور سخت رویّہ اختیار کر لیا۔

سیّدنا عثمانؓ نے اب یہی مناسب سمجھا کہ شیخ عامر بن عبداللہ کو ملک شام ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا جائے، وہاں حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی حکومت تھی، حضرت معاویہؓ کو لکھا گیا کہ شیخ عامرؒ کا خاطر خواہ اکرام کیا جائے اور انھیں شہری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

ہجرت اور آخری خِطاب:۔

امیرالمومنین سیّدنا عثمانؓ کا مشورہ جس دن پہونچا ہے شیخ عامر بن عبداللہؒ نے اُسی دن سے ہجرت کی تیاری شروع کر دی۔

شہر بصرہ میں جب یہ اطلاع عام ہوئی تو اہلِ شہر کا ہُجوم ہو گیا، مخلصین کا اصرار بڑھتا گیا کہ ہجرت ملتوی کر دیں، ہم خود امیرُالمومنین سیّدنا عثمان بن عفانؓ سے مراجعت کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن شیخ عامر بن عبداللہؒ نے سب کو ایک ہی جواب دیا کہ میں امیرُالمومنین کے مشورے کے خلاف سُننا بھی نہیں چاہتا چہ جائیکہ ہجرت ترک کر دوں۔

آخر مخلوقِ خدا کے بے پناہ ہُجوم میں جس میں غیر مُسلم رعایا بھی شریک تھی شیخ نے خُروج کیا، شہر کی فصیل سے باہر ہُجوم کو بلند آواز سے اِس طرح

آخری خطاب کیا۔

لوگو! اب میں دُعا کرتا ہوں تم سب میری دُعا پر آمین کہو، اس اعلان پر ہجوم یکدم ساکت ہو گیا اور سب کی نظریں شیخ کی طرف جم گئیں۔ شیخؒ نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور اس طرح حضورِ رب میں گویا ہوئے۔

"جن لوگوں نے میرے خلاف سازش کی ہیں اور الزامات لگائے اور میرے اور میرے دوست احباب کے درمیان تفریق مچائی ہے اور مجھکو اپنے عزیز شہر (بصرہ) سے باہر کیا ہے، الٰہی! میں نے اُن سب کو معاف کر دیا ہے آپ بھی اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دیں اور انھیں دُنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائیں۔

اور اپنے فضل و کرم سے انھیں اور مجھکو اور حاضرین کو اپنی رحمت و مغفرت سے سرفراز فرمایئے آپ ارحمُ الراحمین ہیں۔"

دُعا کے بعد سب کو وداعی سلام کیا اور ملک شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ اہل بصرہ کا یہ عظیم ہجوم آنسو بہاتا اپنے گھروں کو واپس ہوا۔

مجاہدات و نفس کُشی:۔

شیخ عامر بن عبدُاللہؒ جب ملک شام پہونچے، امیر معاویہؓ نے ان کا استقبال کیا اور گزارش کی کہ اگر آپ بصرہ واپس ہونا چاہیں تو میں اس کا انتظام کر دوں؟

فرمایا۔ اب یہ ممکن نہیں جس قوم میں میری ضرورت نہیں میں وہاں جا کر کیا کروں؟ بس اب بقیہ زندگی اسی دیار میں گزار دوں گا، یہ شہر انبیاء سابقین کا وطن رہا ہے۔

چنانچہ آبادی سے بہت دُور ساحل سمندر کے ایک غیر آباد علاقہ میں مقیم ہو گئے

جو لوگ ملنے ملانے آتے اُن سے ملاقات کر لیتے، دُعا و سلام کے بعد اُنھیں رخصت کر دیتے اب انھیں زندگی کے لطف و بہار سے کوئی تعلق باقی نہ رہا شب و روز نماز اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے لوگوں کی ایذا رسانیوں سے شکستہ دل رہا کرتے، وطن جب یاد آتا تو غمگین ہو جاتے۔

ایک شخص شہر بصرہ سے ملنے آیا، خیر خیریت کے بعد ضمناً یہ بھی کہا کہ فلاں بیمار ہے فلاں وفات پا گیا۔ فلاں کی حالت خراب ہے وغیرہ وغیرہ۔

فرمایا، مرنے والوں کا کیا ذکر؟ جو مر چکے وہ ختم ہو چکے اور جو نہیں مرے ہیں وہ عنقریب مرنے والے ہیں۔

شیخ عامر بن عبداللہ عبادت و ریاضت، اپنے زہد و ورع اور مجاہدہ نفس کی اس معراج تک پہونچ گئے تھے جہاں کسی دُنیاوی دل فریبی اور راحت و آرام کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ایک وقت فرمایا اگر ہو سکا تو زندگی کا صرف ایک مقصد بنا لوں اور وہ صرف اللہ کی یاد اور اس کا ذکر لیکن دُنیا کے دیگر تقاضے اسکو پورا کرنے نہیں دیتے۔

وہ اپنی ساری جوانی میں تین۳ دُعائیں کرتے رہے ہیں (جس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں آ چکی ہے)

آخر عمر میں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے میری تین دُعاؤں میں دو۲ کو تو قبول کر لیا یعنی عورتوں کی ناجائز محبّت سے دل خالی ہو گیا اور ماسوا اللہ کا ڈر و خوف مٹ گیا چنانچہ اب عورت اور پتھّر میرے نزدیک برابر ہیں اور درندے اور مکھّی مچھّر یکساں ہیں۔

سفرِ جہاد میں وہ کبھی کبھی گھنی جھاڑیوں میں بے خوف و خطر داخل ہو جاتے۔

اَحباب خبردار کرتے کہ شیخ یہاں درندوں کا بھٹ ہے؟

جواب دیتے اب مجھے اللہ سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس کے سوا

کسی اور سے خوف کروں،

زندگی بھر تجرّد (بے نکاح) زندگی بسر کی، ایک شخص نے ان کی اِس حالت پر اعتراض کیا کہ قرآن حکیم نے انبیاء کرام کی زندگی کو ازدواجی زندگی سے موصوف کیا ہے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً. (سورۃ رعد آیت ۳۸)

ترجمہ:۔ اے نبیؐ ہم نے آپؐ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ہیں اور اُن کے لئے بیویاں اور اولاد بھی دی ہیں۔

اعتراض کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ جب انبیاء علیہم السّلام جو اللہ کے سب سے بڑے عبادت گزار بندے تھے انھوں نے ازدواجی زندگی نہیں چھوڑی تو پھر ایک معمولی انسان کے لئے اس کا ترک کرنا کیونکر جائز ہوگا؟!

شیخ عامر بن عبداللہؒ نے اِس کا قرآن کریم ہی سے جواب دیا۔ فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ. (سورۃ ذاریات آیت ۵۶)

ترجمہ:۔ ہم نے جن وانس کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

ایک اور شخص نے یہی سوال کیا کہ آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟

فرمایا، مجھ میں نہ نشاط واُمنگ ہے اور نہ میرے یہاں مال ودولت ہے ایسی حالت میں کیوں کسی مسلمان عورت کو دھوکہ دُوں۔

زُہد کی ایک نادر مثال:۔

جیسا کہ گزشتہ اوراق میں لکھا گیا کہ شیخ عامر بن عبدُاللہؒ نے اپنی زندگی کو دُنیا کے ہر تقاضے سے دُور کر دیا تھا تاہم جہاد فی سبیل اللہ کے کسی بھی موقعہ کو

جانے نہ دیتے تھے اِن کا شرکتِ جہاد خالص لِلّٰہ ہوا کرتا تھا۔

شیخ اسما بن عُبید کا بیان ہے کہ ایک اسلامی معرکہ میں ایک بڑے دشمن کی لڑکی مالِ غنیمت میں آئی۔ اُس کے حُسن و جمال کا شُہرہ تھا، لوگوں نے شیخ عامر بن عبدُ اللہؒ سے اُس کے اوصاف بیان کئے۔ شیخ عامرؒ نے فرمایا، میں بھی مَرد ہوں مجھے یہ لڑکی دے دو؟

اِن کی یہ غیر متوقع خواہش پر لوگوں نے نہایت مسرّت سے وہ لڑکی اِن کے حوالہ کر دی۔ جب وہ لڑکی اِن کے قبضے میں آ گئی اُسی لمحہ لڑکی سے کہا، اب تم ،لوَجہ اللہ آزاد ہو۔ جہاں چاہے رہو جس سے چاہے اپنا نکاح کر لو۔

عام لوگوں کو شیخ کے اس عمل پر سخت شکایت ہوئی کہ ایسی حَسین و جمیل لڑکی کو اپنے یہاں رکھنا نہ تھا تو بیتُ المال کے حوالہ کر دیتے تاکہ اس کو کسی عظیم انسان کے حوالہ کر دیا جاتا۔

بہرحال شیخ عامر بن عبداللہؒ نے فرمایا، میں اس کی آزادی میں اپنے رب کی خوشنودی چاہتا ہوں۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔

حقیقت یہ ہے کہ شیخ عامر بن عبداللہؒ نے اپنی زندگی کو یادِ الٰہی و تزکیۂ رُوح کے لئے وقف کر لیا تھا۔

کعب احبارؒ جو خود ایک تارکُ الدُّنیا تابعی تھے، شیخ عامر بن عبداللہؒ کو "اُمّتِ محمّدیہ کے رَاہب" کے لقب سے یاد کرتے تھے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا بھی یہی تأثر ہے۔

خیر خواہی واخلاص:۔

شیخ عامر بن عبداللہ کو بیتُ المال سے دو ہزار وظیفہ ملا کرتا تھا جس وقت یہ حاصل ہوتا اُسی دن پُورا کا پُورا مستحقوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے، جب گھر آتے

آتے تو خالی ہاتھ ہوتا۔

ان کی زبان کسی کی بُرائی سے آلودہ نہ ہوئی، نہ کسی کے لئے بد دُعا نکلی اپنے دشمنوں کے لئے بھی دُعا رخیر ہی کرتے رہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے ان کو وطن سے بے وطن کیا اُن کے حق میں بھی دُعا کی ہے۔

فرمایا کرتے:

خدایا جن لوگوں نے میری چُغلی کھائی ہے اور مجھکو وطن سے نکالا ہے اور میرے دوست واحباب سے مجھکو جُدا کیا ہے اے اللہ اُنھیں معاف فرما اور ان کے مال اور اولاد میں برکت دے، اُنھیں تندرست رکھ اور اُن کی عمریں دراز کر اور اُن کو نیکی کی توفیق دے۔

ایک قابلِ ذکر خواب:۔

اِن کے متعلق ایک شخص نے خواب میں دیکھا جس سے اُن کے رُوحانی مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ شیخ سعید جزریؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے ایک دوست خواب میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے انھوں نے آپؐ سے التجا کی؛ یارسول اللہؐ آپ میرے لئے مغفرت کی دُعا فرمادیں؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا، تمہارے لئے عامر بن عبداللہ دُعا کر رہے ہیں۔

ہمارے دوست نے یہ مبارک خواب شیخ عامر بن عبداللہ کو سُنایا، رسولُ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس لُطف وکرم پر شیخ عامرؒ پر اتنی رقّت طاری ہوئی کہ ہچکی بندھ گئی۔

وَفات:۔

شیخ عامر بن عبداللہ نے اپنی بقیہ زندگی ملک شام ہی میں گزاری بیتُ المقدس

جو اِسلام اور مسلمانوں کا پہلا قبلہ ہے اُس کو اپنا دارُ الاقامہ بنالیا۔

ملک شام کے گورنر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضؓ نے اِن کا تاحیات اکرام واحترام کیا اور اُنھیں دنیا کی کسی بھی راحت دینے سے گریز نہ کیا۔

شیخ عامرؒ کی جب وفات کا وقت آیا لوگ اُن کی عیادت کے لئے جمع ہوگئے ہجوم کو دیکھکر رو پڑے، لوگوں نے سمجھا کہ موت قریب ہے شاید خوفزدہ ہوں بعض مخلصین کے دریافت کرنے پر فرمایا،

میں موت سے خوف نہیں کر رہا ہوں حقیقت یہ ہے کہ میں ایک طویل سفر پر جارہا ہوں لیکن زادِ راہ (توشہ) کم ہے معلوم نہیں منزل تک کام آئے گا یا نہیں، یہ کہکر سسکیاں لینے لگے خود بھی رویا اوروں کو بھی رُلایا، اور اللہ اللہ کہتے دارِ فنا سے دارِ بقا پہونچے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے بندے عامر بن عبداللہ تمیمیؒ کو جنّاتُ الخُلد کی نعمتیں اور اعلیٰ ترین درجات نصیب کرے۔ آمین، آمین، آمین

مَراجعُ ومآخذ

(۱) طبقاتُ الکُبریٰ ج ۷ — ابن سعدؒ

(۲) صِفۃُ الصَّفوۃ ج ۳ — ابن الجوزیؒ

(۳) تاریخُ الطبری ج ۴ — ابن جریر طبریؒ

(۴) تہذیبُ التہذیب ج ۵ — ابن حجرؒ

(۵) المعارف — ابن قتیبہؒ

(۶) العقد الفرید ج ۳ — ابن عبدربہؒ

سلسلہ
سیرت التابعین
شمارہ ۲۱
سیرت
شاہ النجاشیؒ
المتوفی سنہ ۸ھ
کُنَّا نَتَحَدَّثُ اَنَّہٗ لَا یَزَالُ عَلٰی قَبْرِہٖ نُوْرٌ
(اُمُّ المومنین عائشہ صدیقہؓ)
نجاشی کی قبر پر انوارات محسوس کرتے ہیں۔

تعارف :۔

نجاشی کا نام اَصحمہ بن اَبجر تھا اور النجاشی اُن کا لقب، یہ ملک حبشہ (افریقہ) کے بادشاہ تھے۔ اس زمانہ میں مُلک حبشہ کے ہر بادشاہ کا یہی لقب ہوا کرتا تھا۔ نجاشی عیسائی مذہب تھے بلکہ عیسائیت کے اُس سچّے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جو اسلام سے پہلے حق کی دعوت و تبلیغ کیا کرتے رہے ہیں۔

مکۃ المکرّمہ سے مسلمانوں کا پہلا قافلہ جب حبشہ پہونچا ہے اُس وقت انھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا لیکن وہ اپنی بعض مجبوریوں کے تحت مدینہ منوّرہ نہ آسکے اس لئے زیارتِ نبویؐ سے مشرف نہ ہوسکے۔

بادشاہ نجاشی کی وفات کے دن نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیّبہ میں صحابہ کو جمع کیا اور ان کی نمازِ جنازہ غائبانہ اَدا کی اور اُن کے لئے دُعائے مغفرت فرمائی۔ (وحیِ الٰہی سے آپؐ کو اُن کی وفات کی اطلاع ملی تھی)

شاہ نجاشی کے بارے میں بعض اہلِ تحقیق علماء کی رائے ہے کہ وہ صاحبِ ایمان صحابی ہیں، لیکن دوسرے حضرات کی تحقیق ہے کہ وہ صحابی تو نہ تھے البتہ تابعین میں سرِفہرست شمار کئے جاتے ہیں۔ یہی قول قرینِ قیاس ہے۔

خاندانی حالات :۔

شاہ نجاشی (اَصحمہ) اپنے باپ اَبجر کے اِکلوتے بیٹے تھے جو ملک حبشہ کا نامور بادشاہ گزرا ہے۔ اَبجر جب بوڑھا ہوگیا تو ارکانِ سلطنت نے ایک خفیہ اجتماع

کیا اور آپس میں یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ بوڑھے اَبجر کا اکلوتا بیٹا اَصحمہ کم عمر اور ناتجربہ کار بچّہ ہے باپ کے مرنے کے بعد جب یہ تخت نشین ہوگا تو خاندان کے لوگ اُس کی کم عمری و ناتجربہ کاری سے فائدہ اُٹھائیں گے جو ہمارے زوال کا باعث ہوگا۔ بہتر ہے کہ بوڑھے بادشاہ اَبجر کو کسی سازش کے تحت قتل کردیا جائے۔ اور بوڑھے بادشاہ کے بھائی کو بادشاہ تسلیم کرلیا جائے جس کے بارہ۱۲ جوان لڑکے ہیں جو اپنے باپ کے لئے مددگار اور ملک کے لئے خیر ثابت ہوں گے، ہمارے اس کارنامہ کی وجہ سے نیا بادشاہ ہم پر ہمیشہ مہربان بھی رہے گا۔

چنانچہ قتل کی سازشیں شروع ہوگئیں آخرکار بوڑھے بادشاہ اَبجر کو قتل کردیا گیا اور مقتول کے بھائی کو تخت نشین کردیا گیا۔

شاہزادہ اَصحمہ کا انجام:

اَصحمہ کم عمری کے باعث اپنے چچا کی سرپرستی میں آگئے چونکہ فطرۃً ذکی و پاکیزہ صفات تھے، تیزی سے اخلاق و عادات میں اپنے ہمعصروں میں ممتاز ہوگئے۔

چچا اپنے یتیم بھتیجے (اَصحمہ) سے ہر روز متاثر ہو رہا تھا آخرکار اپنے لڑکوں سے کچھ زائد پیار و محبت کرنے لگا، بادشاہ کا یہ رُجحان و مَیلان ارکانِ سلطنت پر گراں گزرنے لگا۔ جس اندیشے کے تحت اُنھوں نے شاہزادہ اَصحمہ کو تخت و تاج سے محروم کردیا تھا وہ اندیشہ لوٹتا نظر آیا۔

ارکانِ سلطنت نے پھر مشورہ کیا کہ ہماری تدبیر ناکام ہو رہی ہے اس بات کا امکان قریب تر ہو رہا ہے کہ بادشاہ اپنی زندگی ہی میں اپنے بھتیجے اَصحمہ کو اپنی جگہ نہ دیدے؟ پھر یہ لڑکا تخت نشین ہوکر اپنے مظلوم باپ کا بھرپور بدلہ ان ارکانِ سلطنت سے لیگا جنھوں نے اس کے باپ کو ظلماً قتل کیا تھا۔

ارکانِ سلطنت آپس میں مشورہ کرکے بادشاہ کے پاس آئے اور اِس طرح گزارش کی۔

بادشاہ سلامت! ہم نے تو آپ کی خوبیوں اور صلاحیتوں کی وجہ سے آپکو اپنا بادشاہ تسلیم کیا تھا اور آپ کے بھائی اُبجر کو آپ کی راہ سے دُور کیا تھا تاکہ آپ کے لئے راستہ ہموار ہو، لیکن اب صورتحال پھر بدل رہی ہے آئندہ کسی بھی وقت آپکا اُصحمہ تخت نشین ہو سکتا ہے کیونکہ قوم اُس کے اخلاق سے متاثر ہو رہی ہے اگر یہ صورت پیش آگئی تو یہ لڑکا ہم اور آپ سب سے ایسا شدید انتقام لے گا کہ کوئی بچنے نہ پائے گا۔ اس لئے چاہتے ہیں کہ اس لڑکے اُصحمہ کو بھی دُور کر دیا جائے تاکہ ہمارے اور آپ سب کے لئے اندیشے ختم ہو جائیں۔

بادشاہ کو ان نادانوں کا مشورہ ناگوار گزرا، کہا، تم لوگ عجیب قوم ہو کل ہی تو اس کے باپ کو قتل کیا تھا اور آج اس کے بیٹے کو قتل کرنے کا مشورہ دے رہے ہو؟

اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوگا، میرا یہ بھتیجہ نہایت با اخلاق، علم و فہم والا ہے۔

ارکانِ سلطنت کا اصرار جب مسلسل بڑھنے لگا تو بادشاہ نرم پڑ گیا، بجائے قتل کسی اور تجویز کو قبول کر لینے کا اظہار کیا۔

پھر سب نے کہا کہ اس لڑکے کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے ہم اس کو ملک سے بہت دُور شہر بدر کر دیں گے۔

بادشاہ نے بجر داکراہ شاہزادے اُصحمہ کو اُن کے حوالے کر دیا۔

قوم کے سرداروں نے شاہزادے اُصحمہ کو شہر بدر کرکے ایک آدھا سانس بھی نہ لیا تھا کہ ملک پر ایک سیاہ بادل چھانے لگا اور آسمان پر بجلیوں کی چمک دمک اور بادلوں کی گرج نے اہل شہر کو خوفزدہ کر دیا، اسی اثناء اچانک بجلی کی ایک کڑک نے قوم کے بعض افراد کو گھیر لیا اور سب کو اوندھا کر دیا، مقتولوں کے اس ہجوم میں

بادشاہ بھی شہید ہوگیا، قہرِ آسمانی کا یہ طوفان جب سکون پایا تو قوم کے سرداروں نے چاہا کہ مقتول بادشاہ کے بارہ[۱۲] لڑکوں میں کسی ایک کا انتخاب کرلیں۔

جب اس سلسلے میں دوڑ دھوپ کی گئی تو مقتول کا کوئی ایک لڑکا بھی ایسا نہ پایا گیا جو حکومت کرنے کا اہل ثابت ہو، سب کے سب نااہل بدکردار، غافل قسم کے تھے۔

قوم کو سخت دُکھ وافسوس ہوا کہ ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ ملک کا انجام کیا ہوگا؟ ساری قوم بے چین تھی کہ ارکانِ سلطنت کیا فیصلہ کرتے ہیں؟ عوامی بغاوت کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔

ادھر ملک حبشہ کی پڑوسی ریاستیں موقعہ کی تاک میں تھیں کہ جلد از جلد اس بے تخت وتاج کے ملک پر قبضہ کرلیا جائے۔ ہر آن یہ خبریں گشت کرنے لگیں کہ فلاں ریاست حملہ کرنے کی تیاریاں کررہی ہے دیگر فلاں نکل چکی ہے وغیرہ وغیرہ اِن غیر متوقع خبروں سے جہاں اہلِ حبشہ خوفزدہ تھے ارکانِ سلطنت بھی، بے چین وپریشان تھے۔

آخر بوڑھے تجربہ کار ارکان نے مشورہ دیا کہ اس وقت ملک کی حفاظت وسلامتی کے لئے صرف ایک ہی صُورت ہے کہ شہر بدر کردہ شاہزادے کو واپس لایا جائے اور اس کی سرکردگی میں نظامِ حکومت دُرست کرلیا جائے۔ علاوہ ازیں قوم کی اکثریت شاہزادے اَصْحَمہ کی شہر بدری سے ناراض بھی ہے اور اس کے سوا کسی اور کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنا پسند نہیں کرتی، اس طرح ملک وقوم کی حفاظت وسلامتی کے لئے اس کا واپس لانا ضروری ہے۔

بوڑھے تجربہ کاروں کا یہ مشورہ ارکانِ سلطنت کو پسند آیا، شاہزادے اَصْحَمہ کی تلاش میں نکل پڑے اور بہت جلد اُن کو واپس لاکر اس کے سر پر ملک کا تاج رکھا اور سب نے اطاعت قبول کی، پھر حسبِ روایت اُن کا لقب نجاشی

رکھا، اَصْحمہ نجاشی نے اپنے علم وفہم وخُداداد صلاحیتوں سے بہت جلد ملک کو اپنی گرفت میں لے لیا، اور فوجی قوّت وطاقت سے مُلک کو اتنا مضبوط کر دیا کہ پڑوسی ریاستیں خود اپنے تحفّظ کی فکر میں پڑ گئیں۔

اِس طرح ملک حبشہ کی نشاۃِ ثانیہ ہوئی اور ملک عدل وانصاف سے معمُور ہو گیا جبکہ ظلم وبغاوت سے زوال پذیر ہو چکا تھا۔

طُلوعِ رسالت:۔

شاہ نجاشی کو تخت نشین ہوئے ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ مکّۃ المکرّمہ میں آفتابِ رسالت طُلوع ہوا۔ اللہ نے خاندان بنوہاشم کے دُرِّ یتیم، فرد فرید سیّدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (صلے اللہ علیہ وسلم) کو نبوّت ورسالت سے سرفراز فرمایا، آپؐ نے قوم میں اپنی نبوّت کا اعلان کر دیا۔

جو لوگ حق پرست، حق کے متلاشی تھے وہ یکے بعد دیگرے اسلام میں داخل ہونے لگے، چند ہی دنوں میں خاصی تعداد جمع ہو گئی۔ صنادیدِ قریش کو یہ بات ہر روز گراں گزر رہی تھی اور انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں مہم شروع کر دی۔

جو لوگ ایمان لے آتے اُنھیں طرح طرح سے ستایا جاتا اور ان کا عرصۂ حیات تنگ سے تنگ تر کر دیا جاتا حتّٰی کہ خود اپنے وطن میں مسلمانوں کو چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہر روز یہ ظالمانہ مناظر دیکھتے اور مسلمانوں کو صبر کی تلقین فرماتے اور ربُّ العالمین سے دُعائیں، اِلٰہی مسلمانوں کے لئے حفاظت وعافیت مہیّا فرما۔

آخر وحی الٰہی کی ہدایت پر آپؐ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ پڑوسی ملک حبشہ

ہجرت کر جائیں اور اپنے ایمان واسلام پر قائم رہیں وہاں کا بادشاہ نجاشی نیک دل انصاف پسند اور مہربان حکمران ہے اس کے ملک میں کسی پر بھی ظلم نہیں ہوتا جب اسلام کو غلبہ ہوگا تم اپنے ملک مکۃ المکرمہ واپس آجانا۔

مسلمانوں کی پہلی ہجرت:۔

مسلمانوں کی پہلی جماعت جن کی تعداد گیارہ[11] مرد پانچ[5] عورتیں (جملہ سولہ[16] افراد تھے) ماہ رجب ۵ نبوت میں ملک حبشہ ہجرت کر گئی۔

اِن میں سیدنا عثمان بن عفانؓ اور اُن کی اہلیہ سیدہ رُقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ شریک تھیں، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ یہ حضرات جدہ کے ساحل سے سوار ہوئے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۸۰)

مسلمانوں کی دوسری ہجرت:۔

مکہ کے مشرکین نے پہلی جماعت کے ہجرت کر جانے کے بعد مسلمانوں کی ایذا رسانی میں دوچند اضافہ کر دیا۔

تاریخ نے اس ظلم وستم کے بے شمار واقعات نقل کئے ہیں جس کے پڑھنے سے دل چاک چاک ہو جاتا ہے، ایک سال بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پھر اجازت دی کہ مسلمان ملک حبشہ، ہجرت کر جائیں۔

اس قافلہ کی جملہ تعداد ایکسو تین[103] افراد پر مشتمل تھی جن میں مرد چھیاسی[86] اور عورتیں سترہ[17] تھیں۔ ملک حبشہ میں انھیں قیام کی اجازت مل گئی صحابہ نے وہاں عدل وانصاف کے علاوہ چین وسکون کا پہلا تجربہ پایا، حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے انھیں اپنے ملک میں پوری آزادی دے دی کہ وہ اپنے مذہب کے طور طریقے بلا کسی مداخلت انجام دے لیا کریں۔

اِس طرح مکۃ المکرمہ میں قریش کے ظلم وستم سے مسلمانوں کو فی الجملہ نجات ملی۔

قریشی سازش :۔

لیکن قریش کے اِن ظالموں کو مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کے ترک وطن کرنے سے بھی سکون نہ ملا اور وہ اِس سوچ میں پڑ گئے کہ کسی طرح ان مسلمانوں کو حبشہ میں بھی پناہ نہ ملے۔ آخرکار انھوں نے قریش کے دو جہاں دیدہ سردار عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو منتخب کیا اور قیمتی ہدایا دے کر بادشاہ نجاشی کے ہاں روانہ کیا۔

حبشہ پہونچکر ان دونوں نے پہلے تو ملک کے سر برآوردہ لوگوں سے مُلاقات کیں اور اُنھیں تحفے تحائف دیئے اور اپنی آمد کی غرض بیان کی کہ اِن نوجوانوں نے ہمارے ملک میں انتشار وتفرقہ پیدا کر دیا ہے اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے جو نہ بُت پرستی ہے نہ عیسیٰ پرستی ہے جو ایک قدیم مذہب ہے۔ اِن کی اِس بے دینی سے بھائی بھائی میں عداوت وتفریق پیدا ہو گئی ہے، بچے اپنے ماں باپ سے بغاوت کر رہے ہیں، ملک کے نظام میں خلل پڑ گیا ہے، بہتر ہے یا اِن سب کو اپنے ملک سے باہر کر دیا جائے یا پھر ہمارے حوالہ کر دیا جائے ہم اِنکا خود انتظام کر دیں گے اِس سلسلے میں آپ حضرات اپنے بادشاہ نجاشی کے یہاں ہماری سفارش کریں۔

نجاشی کے دربار میں سازش :۔

اِس کے بعد قریش کے یہ نمائندے نجاشی بادشاہ کے دربار میں آئے، دربار میں داخلہ کے وقت بادشاہ کو اُسی طرح سجدہ کیا جیسا کہ اُس کی قوم کیا کرتی تھی۔

بادشاہ نجاشی نے دونوں نمائندوں کا گرم جوشی سے استقبال کیا جیسا کہ اُس نیک فطرت بادشاہ کی عادت تھی۔ پھر دونوں نمائندوں نے بادشاہ کی خدمت میں

زَرد جواہر اور قیمتی ہدایا پیش کئے اور سرداران قریش کا سلام و پیام پہنچایا، بادشاہ نے ہدایا قبول کر کے شکریہ ادا کیا اور خیر خیریت اور وجہ تشریف آوری دریافت کی؟

عمرو بن العاص بادشاہ سے اس طرح مخاطب ہوا۔

جہاں پناہ! آپ کی دار الحکومت میں ہماری قوم کے چند ناداں نوجوانوں نے پناہ لی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنا آبائی قدیم دین چھوڑ کر ایک نیا مذہب اختیار کر لیا ہے اور ساری قوم میں انتشار و بغاوت پیدا کر دی ہے۔ انھوں نے نہ اپنا قدیم دین پسند کیا ہے اور نہ آپ کا سچا دین قبول کیا ہے بلکہ انھوں نے ایک ایسے مذہب کو اختیار کیا ہے جس کو نہ ہم جانتے ہیں اور نہ ہمارے بڑے بزرگ لوگ۔

ان کے اس عمل سے گھر گھر میں انتشار و تفریق پیدا ہو گئی ہے بھائی بھائی سے جدا ہو گیا ہے بچے اپنے ماں باپ سے بغاوت کر گئے ہیں، میاں بیوی میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔

جہاں پناہ! ہماری قوم کے سرداروں نے ہمیں آپ کی خدمت میں اس لئے روانہ کیا ہے کہ آپ ان بیوقوف نوجوانوں کو اپنے ملک میں پناہ نہ دیں یقیناً یہ لوگ یہاں بھی یہی صورتِ حال پیدا کر دیں گے۔ ہم انھیں اپنے ملک واپس لے جانے آئے ہیں، براہِ کرم ان کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے۔

بادشاہ نجاشی نے اپنے ایک مصاحب کی طرف نظر کی، مقصد یہ تھا کہ یہ کیا قصہ ہے؟

درباری نے فوری عرض کیا، بادشاہ سلامت! قریشی نمائندے درست کہتے ہیں، ان فراری نوجوانوں کا ہمارے ملک میں قیام کرنا خطرے سے خالی نہیں، یقیناً ہم ان کے نئے دین سے نہ واقف ہیں اور نہ کبھی اس کا نام سنا ہے؟ بہتر یہ ہے کہ

انھیں قریشی نمائندوں کے حوالہ کر دیا جائے، تاکہ ہم بھی خطرات سے محفوظ ہو جائیں۔
اس مکروفریب آمیز گفتگو سے بادشاہ نجاشی کی فہم و فراست کچھ مطمئن نہ ہو سکی
کہا ٹھیک ہے۔
کیوں نہ ہم خود ان نوجوانوں سے معلوم کریں کہ کیا واقعہ ہے؟
اگر انھوں نے کوئی شر اختیار کیا ہے تو ان کو ان کی قوم کے حوالہ کر دیں گے
اور اگر ایسا نہیں تو ہم کسی کو ظلماً شہر بدر نہیں کریں گے ان کا قیام مبارک خیال
کیا جائے گا۔
پھر اچانک لہجہ بدل کر کہنا شروع کیا، اللہ کی قسم! میں اپنے خُدا کا فضل و کرم
کبھی فراموش نہیں کر سکتا جبکہ میری قوم نے مجھکو بھی میرے ملک سے شہر بدر کر دیا
تھا پھر اللہ نے بہت جلد مجھے اپنے وطن پہونچایا اور دشمنوں اور حاسدوں کے شر سے
میری حفاظت فرمائی اور اپنے باپ کا تاج میرے سر پر رکھا۔
وَاللہ مکۃ المکرمہ کے ان نوجوانوں کو جب تک خود ان سے گفتگو نہ کر لوں
اہلِ مکہ کے حوالہ ہرگز نہ کروں گا۔
دوسرے دن بادشاہ نے اُن نوجوانوں کو اپنے دربار میں طلب کیا، نوجوان
فکرمند ہو گئے کہ کیا حادثہ پیش آیا، اگر بادشاہ ہمارے دین کے بارے میں دریافت
کرے تو ہمیں کیا جواب دینا چاہیئے؟
غیر ملک میں اپنے دین کی ترجمانی کون کرے؟ اور کس طرح کرے؟ اسی
تشویش میں دن گزر گیا، دوسرے دن بادشاہ کے دربار میں حاضر کیئے گئے تو وہاں
ایک اور صورتِ حال سے دوچار ہو گئے۔ مکۃ المکرمہ کے دو سردار عمرو بن العاص اور
عبداللہ بن ابی ربیعہ کو بادشاہ کے پہلو میں بیٹھے دیکھا اور ان کے اطراف حبشہ
کے مذہبی پیشواؤں کی ایک بڑی جماعت کو بیٹھے دیکھا جن کے آگے موٹی موٹی کتابیں
رکھی ہوئی تھیں۔

نووارد مسلم جوانوں کو اس منظر نے اور بھی متفکر کر دیا، سکتہ کی سی حالت پیدا ہو گئی، بہرحال دربار میں داخل ہوتے ہی نوجوانوں نے اسلامی طریقہ پر "السّلام علیکم" کہا اور اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

اچانک عمرو بن العاص نے نوجوانوں سے کہا۔

یہ کیا بات ہے کہ تم لوگوں نے بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا؟ کیا تمکو بادشاہ کی تعظیم کا انکار ہے؟

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے برجستہ کہا۔ ہم اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے۔

بادشاہ نجاشی نے جواب سنتے ہی اپنے سر کو حرکت دی اور تعجب سے نوجوانوں کو دیکھا اور کہنے لگا نوجوانو! آخر وہ کونسا دین ہے جس کو تم لوگوں نے اپنے لئے پسند کیا ہے اور اپنی قوم کے آبائی مذہب کو ترک کیا ہے؟ اگر کوئی نیا دین ہی اختیار کرنا تھا تو میرا مذہب (عیسائیت) جو قدیم دین ہے اختیار کر لیتے؟

بادشاہ کے اس سوال پر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی) نے کہا،

بادشاہ سلامت! ہم نے کوئی نیا دین اختیار نہیں کیا ہے بلکہ ہماری قوم کے ایک الصادق، الامین فرد محمد بن عبد اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے قدیم سچا فراموش کردہ دین پیش کیا ہے۔ جو ہمکو شرک وکفر کی تاریکیوں سے نور و ہدایت کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔

بادشاہ سلامت! ہم کفر و شرک کی زندگی میں بتوں کی پوجا کرتے تھے رشتہ داری کا حق ادا نہ کرتے تھے، حرام و مُردہ کھایا کرتے تھے۔ بُرے بُرے کاموں میں دلچسپی رکھتے تھے، پڑوسیوں کا حق ادا نہ کرتے تھے، ہم میں طاقتور کمزور کو ستایا کرتا، چوری ڈاکہ ہمارے یہاں کوئی عیب نہ تھا، ہماری عورتیں محفوظ نہ تھیں، زنا، سود، رشوت،

شراب نوشی ہمارے معاشرے کا لین دین تھا،

ایسے گھناونے وتاریک ماحول میں اللہ نے ہماری قوم میں صداقت، امانت، دیانت، شرافت کا ایک مجسّم انسان کو اپنی رسالت ونبوّت کے لئے منتخب کیا، ہم اس کے حسب ونسب کو خوب جانتے ہیں اس نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں کہا، اس کی صداقت پر دوست دشمن سب متفق ہیں اُس نے ہمیں آگاہ کیا، اور ان فواحش سے ہمکو منع کیا، اللہ واحد و اَحَد کا درس دیا اور اُسی کے آگے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا، پتھروں، درختوں، بُتوں کی عبادت سے منع کیا۔

علاوہ ازیں صلہ رحمی، پڑوسیوں سے حُسنِ سُلوک کا حکم دیا، حرام کاریوں، قتل وغارت گری سے منع کیا، جھوٹ بہتان، فحش، مالِ یتیم سے بچنے کا حکم دیا، ہم نے اس رسول کی تعلیمات کو قبول کیا یہی ہمارا دین، یہی ہمارا مذہب ہے۔

بادشاہ سلامت! ہم نے یہ کوئی نیا دین اختیار نہیں کیا بلکہ وہی سچّا دین ہے جس کی تبلیغ سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام اور اُن کی اولاد سیّدنا اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ یُوسفؑ اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء، مُوسیٰؑ، ہارونؑ، داوٗدؑ، سلیمانؑ، زکریاؑ، یحییٰؑ، حتّٰی کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی سیّدنا عیسیٰ بن مریمؑ نے یہی تعلیمات پیش کیں ہیں، ہم نے اسی دین کو اختیار کیا ہے یہ کوئی نیا دین نہیں ہے۔

بادشاہ سلامت! ہمارے اس عمل پر ہماری قوم ہم سے ناراض ہوگئی اور ہم پر اور اُس رسولِ مُرسَل پر ظلم وستم کے پہاڑ گرائے ہیں، ہم اپنے وطن میں بُھوکے، پیاسے اور یتیم ہوگئے ہیں، قوم نے ہمارا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ ایسے سنگین حالات میں ہمارے رسولؐ نے ہمکو مشورہ دیا کہ پڑوسی ملک حبشہ چلے جائیں جہاں کا بادشاہ عدل وانصاف، اخلاق وعادات میں ممتاز ہے اُس کے ملک میں ظلم وستم نہیں ہوتا وہاں اَمن واستقرار کی دولت نصیب ہے۔

اَے بادشاہ! ہم اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لئے آپ کے یہاں

پناہ لینے آئے ہیں ہم فتنہ وفساد، شوروانتشار سے دُور ہیں، ہمکو ہمارے نبی نے اَمن وچین کا درس دیا ہے۔

اے بادشاہ! کیا آپ ہمیں اِن اخلاق پر دیکھنا پسند نہیں کریں گے؟

شاہ نجاشی نے یہ ساری باتیں سُنکر حضرت جعفر بن ابی طالب رضؓ سے کہا، کیا تمہارے پاس وہ کلام ہے جس کو تمہارے رسول نے اپنے رب کی جانب سے پیش کیا ہے؟

حضرت جعفر طیار رضؓ نے کہا، ہاں! موجود ہے پھر اُس کی تلاوت کی۔

سورۂ مریم کی آیت ۱۶ سے آیت ۲۳ تک پہونچے تو دیکھا کہ بادشاہ نجاشی کے آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور وہ زاروقطار رو رہا ہے اور اَطراف کے مذہبی پیشوا بھی رو رہے ہیں۔

حضرت جعفر طیار رضؓ نے اپنی تلاوت پُوری کی اور آیت ۳۴ پر تلاوت کا اختتام[1] کیا۔

جب تلاوت ختم ہوگئی تو بادشاہ نجاشی قریشی نُمائندوں کی طرف مُتوجّہ ہوا اور کہا،

اللہ کی قسم! یہ وہی کلام ہے جس کو سیّدنا عیسیٰ علیہ السّلام لائے تھے، دونوں کلام ایک ہی مصدر سے جاری ہوئے ہیں۔

پھر بھرے دربار میں اعلان کیا، اللہ کی قسم! ان نوجوانوں کو کبھی تمہارے حوالہ نہ کروں گا۔

یہ کہکر اُٹھ کھڑا ہوا، مجلس برخواست ہوگئی، سب نوجوانوں کو اکرام واحترام سے شاہی مہمان خانہ منتقل کردیا گیا، عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ اپنی ناکامی ونامُرادی پر تڑپ اُٹھے۔

---

[1] سورۂ مریم پارہ ۱۶ آیت ۱۶ تا ۳۴ ترجمہ قرآن میں دیکھ لیا جائے۔

آخر عمرو بن العاص نے اپنے دوست سے کہا، لات وعزّیٰ کی قسم! کل میں بادشاہ کے دربار میں پھر آؤں گا اور ان نوجوانوں کا وہ راز ظاہر کر دوں گا جس کے بعد انھیں سوائے موت اور کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا۔

ان نوجوانوں نے اپنے مطلب کی بات کہی اور دوسری بات جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے خلاف تھی اس کو چھپایا ہے، کل میں اس بات کو نجاشی کے دربار میں ظاہر کر دوں گا۔

عبداللہ بن ربیعہ جو نسبتاً نرم دل اور سنجیدہ قسم کا مشرک تھا کہنے لگا، اے عمرو! تم ایسا نہ کرو، ان نوجوانوں کی ہم سے قرابت داری و رشتہ داریاں بھی ہیں کم از کم اس کا پاس و لحاظ تو کرو؟

لیکن عمرو بن العاص اس پر راضی نہ ہوا، دوسرے دن بادشاہ کے دربار میں پہونچا اور اجازت لیکر اس طرح کہنے لگا:

بادشاہ سلامت!

کل جن نوجوانوں کو آپ نے اپنے ملک میں پناہ دی انھوں نے صرف اپنے مطلب کی بات کہی ہے اور وہ بات چھپا کر رکھی جس کا تذکرہ ضروری تھا، ان نوجوانوں نے دراصل آپ کو اور آپ کی رعایا کو دھوکہ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ جو نیا دین لے کر آئے ہیں انکے عقیدوں میں یہ عقیدہ ضروری ہے کہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السّلام کو اللہ کا بندہ تسلیم کیا جائے جبکہ وہ شریکِ خدا اور خدا کے اکلوتے بیٹے ہیں۔

یہ لوگ عیسیٰ عبداللہ کہتے ہیں حالانکہ وہ عیسیٰ ابن اللہ ہیں۔

شاہ نجاشی نے جب یہ بات سنی تو ان نوجوانوں کو پھر طلب کیا اور دریافت کیا۔

جعفر بن ابی طالبؓ نے اس کا جواب اس طرح دیا:

بادشاہ سلامت! اس بارے میں ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبیؐ نے فرمایا ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور اُس کی رُوح اور اس کا خاص کلمہ ہیں جس کو پاک دوشیزہ سیدہ مریم کے بطن میں ڈالا گیا۔

یہ سنکر شاہ نجاشی نے برجستہ کہا، بیشک سیدنا عیسیٰ کی شان اس سے ذرا بھی مختلف نہیں۔

شاہ نجاشی کا یہ تبصرہ اطراف بیٹھے مذہبی پیشواؤں کو بھی ناگوار گزرا، ایک نے دوسرے سے سرگوشی کرنی شروع کی اور نامناسب کلمات ان کی زبانوں سے نکلنے لگے۔

شاہ نجاشی نے ان کیفیات کو محسوس کیا اور نہایت جرأت و بے باکی سے کہنے لگا۔ یہ ناگواری و اجنبیت کس لئے؟

پھر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور مسلمانوں کی جانب متوجہ ہوا اور متانت و سنجیدگی سے کہا:

واللہ! تم سب میری مملکت میں آزاد ہو، محترم ہو، جہاں چاہے قیام کرو جو کوئی تم سے تعرض کرے گا وہ نقصان اُٹھائے گا۔

مجھے یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ مجھکو پہاڑ برابر سونا ملے اور تمکو ذرا بھی تکلیف ہو۔

اس کے بعد اپنے دربانوں سے کہا، اہل قریش کے وہ قیمتی تحفے وہدایا واپس کردو مجھکو اس کی قطعاً ضرورت نہیں، یہ کہکر دربار برخواست کردیا۔

قریشی نمائندے عمرو بن العاص، عبداللہ بن ابی ربیعہ اپنا منہ لٹکائے دربار سے ناکام واپس ہوگئے۔

بغاوت کے آثار:۔

ملک حبشہ ایک مذہبی اور دولت مند ریاست تھی، ملک میں یہ تحریک چلائی گئی کہ بادشاہ نجاشی بے دین ہو گیا ہے اس نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر نیا دین اسلام اختیار کر لیا ہے لہٰذا اس کو تخت و تاج سے معزول کر دیا جائے۔ ملک میں یہ تحریک عام ہو گئی اور بغاوت کے آثار پیدا ہونے لگے۔

شاہ نجاشی نے ہمت نہ ہاری، نہایت تحمل و دانائی سے اس تحریک کو کچلنے سے پہلے ان مہاجرین اوّلین کو طلب کیا اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے کہا کہ میں نے ساحل سمندر پر آپ حضرات کے لئے نئی کشتیاں تیار کر رکھی ہیں ملک میں بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے ہیں، آپ حضرات ہر وقت باخبر رہیں۔ جونہی کوئی ناگوار خبر ملے اور میں شکست کھا جاؤں تو آپ حضرات ملک چھوڑ دیں اور سفر کر جائیں اور جب مجھے کامیابی ہو جائے تو واپس آ جانا۔

مسلمانوں کو یہ ہدایت دے کر کاغذ و قلم طلب کیا اور یہ عبارت لکھوائی۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَخَاتَمُ رُسُلِہٖ، وَاَشْھَدُ اَنَّ عِیْسٰی عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ وَرُوْحُہٗ وَکَلِمَتُہُ الَّتِیْٓ اَلْقَاھَآ اِلٰی مَرْیَمَ۔

ترجمہ:۔ میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اُس کے بندے اور خاتم النّبیّن ہیں۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ سیّدنا عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے بندے اور اُس کے رسُول اور اُس کی رُوح اور اس کا خاص کلمہ ہیں جس کو پاک دوشیزہ سیّدہ مریم کے بطن میں ڈالا گیا۔

پھر اس کاغذ کو اپنی قبا کے نیچے سینے پر باندھ لیا اور باغیوں کی جانب

نکل پڑا اور بلند آواز سے ایک ہجوم کو یوں خطاب کیا:

اے حبشہ والو! میری سیرت و کردار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

سب نے ایک آواز میں کہا آپ با اخلاق و باکردار شخص ہیں۔

پھر کیا وجہ ہے کہ تم لوگوں نے میرے خلاف بغاوت کر دی؟

لوگوں نے کہا، ہمیں بتایا گیا ہے کہ آپ نے ہمارے دین کا انکار کیا ہے اور یہ عقیدہ اختیار کر لیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام اللہ کے بندے ہیں۔

شاہ نجاشی نے کہا، پھر تم لوگ ان کو کیا سمجھتے ہو؟

سب نے بیک زبان کہا، نہیں! نہیں! وہ تو اللہ کے اکلوتے بیٹے ہیں جو پاک مریم سے ظاہر ہوئے ہیں۔

اس کے بعد شاہ نجاشی نے اپنا وہ مکتوب جو سینے پر باندھے رکھا تھا لوگوں کے سامنے کر دیا اور کہا کہ سیّدنا عیسیٰ علیہ السّلام کی ذاتِ اقدس اِس سے زائد نہیں کیا تم اِس کو یقین نہ کرو گے؟

قوم کی ہدایت کا وقت آچکا تھا سب لوگوں کو یہ ورق معجزہ نظر آیا، سب نے یک زبان اعتراف کیا، "یقیناً سیّدنا عیسیٰ علیہ السّلام کی شخصیت ایسے ہی ہے"۔

اس واقعہ کے بعد سب راضی و مطمئن واپس ہو گئے، بغاوت ناکام ہو گئی، شاہ نجاشی نے سابقہ شان و آن سے حکمرانی شروع کی۔

اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی:۔

ملک حبشہ کا یہ عارضی طوفان ختم ہوا، مکّۃُ المکرّمہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خوشخبری ملی کہ قوم کی بغاوت ناکام ہو گئی اور اہلِ ملک نے شاہ نجاشی کو قبول کر لیا ہے۔ مہاجرین اولین کے تعلق سے جو اندیشے قریش نے پیدا کئے تھے وہ بھی ختم ہو گئے اور یہ اطلاع کہ بادشاہ نجاشی اسلام اور مسلمانوں سے قریب

ہو گئے ہیں۔

۶ھ کے اوائل میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جن چھ بادشاہوں اور رؤساء قبائل کو اسلام کی دعوت دی ان میں ایک خط نجاشی کے نام بھی تھا جسکو حضرت عمرو بن اُمیہؓ الضمری لیکر بادشاہ نجاشی کے یہاں گئے تھے۔

یہ شاہ نجاشی کے دربار میں ایسے وقت پہونچے ہیں جبکہ تمام ارکانِ سلطنت سے دربار بھرا ہوا تھا۔

شاہ نجاشی نے اُسی وقت مکتوبِ گرامی کو لیکر اپنی آنکھوں سے لگایا اور سر پر رکھا اور کھول کر پڑھا، پھر اپنے تخت سے نیچے اُترا اور سب کے سامنے دینِ اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا، اور اپنی عقیدت و محبّت کا اس طرح اظہار کیا۔

"اگر مجھے فرصت ملتی تو آج ہی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کے قدم مُبارک کو بوسہ دیتا۔"

پھر مکتوب گرامی کا جواب لکھوایا اور اپنے قبولِ ایمان و اسلام کی اطلاع دی اور یہ بھی اطلاع دی کہ مکتوب گرامی کے ملنے سے پہلے ہی آپ کی نبوّت کا اعتراف کر لیا تھا۔

اس عظیم و پُر مسرّت محفل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سفیر عمرو بن اُمیہؓ نے آپؐ کا دوسرا مکتوب گرامی شاہ نجاشی کے حوالہ کیا جس میں نجاشی کے نام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وکالت نامہ تھا کہ ابوسفیان کی صاحبزادی رملہ بنت ابی سفیان سے (جن کو اُن کے شوہر عُبیداللہ بن جحش نے طلاق دیدی تھی) اپنی وکالت میں میرا نکاح کر دیا جائے۔

نجاشی کا ایک تاریخی کارنامہ :-

مکۃ المکرمہ سے ملک حبشہ کی جانب مسلمانوں کی دو ہجرتیں مشہور ہیں پہلی ہجرت

میں سولہ افراد اور دوسری ہجرت میں ایک سو تین افراد شامل تھے جن کے امیر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ تھے۔ ان دونوں قافلوں کو شاہ نجاشی نے اپنے ملک میں باعزت پناہ دی تھی۔

رئیس مکہ ابوسفیان کی ایک صاحبزادی رملہ بنت ابی سفیان (امّ حبیبہؓ) اور اُن کے شوہر عبیداللہ بن جحش پہلی ہجرت میں شامل تھے۔ یہ دونوں میاں بیوی اسلام کے ابتدائی دور ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن ابوسفیان اور خاندان کے سب لوگ ان دونوں سے ناراض و بیزار تھے اور جن مسلمانوں کو اسلام قبول کر لینے پر ستایا جاتا تھا اُن میں یہ دونوں بھی شامل تھے۔

جب یہ دونوں ہجرت کر کے حبشہ پہونچے ہیں تو بادشاہ نجاشی نے اِن کی غیر معمولی توقیر کی اور اپنے ملک میں آزادانہ قیام کی خوشخبری دی۔

رملہ بنت ابی سفیان کے اس پرمسرت استقبال پر کچھ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ان کا مسلمان شوہر عُبیداللہ بن جحش نے اسلام سے مُرتد ہو کر نصرانیت کو قبول کر لیا اور اپنی بیوی رملہ کو دو اختیار پیش کئے۔

یا وہ بھی نصرانیت قبول کر لے تاکہ سابقہ کی طرح ازدواجی سلسلہ قائم رہے؟

یا پھر طلاق، اور مجھ سے علیحدہ ہو جائے؟

رملہ بنت ابی سفیان کے لئے یہ حادثہ قیامت سے کم نہ تھا، شوہر کے دونوں اختیار پسند نہ آئے وہ ایک تیسری صورت پر بھی غور کر رہی تھیں کہ ملک حبشہ سے پھر اپنے باپ ابوسفیان کے گھر مکۃ المکرمہ آجائے۔

لیکن یہ تیسری صورت بھی کچھ خوشگوار نہ تھی کیونکہ باپ ابوسفیان ابھی تک کافر تھے اور اُن کا گھر کفر و شرک کا مرکز بھی تھا، کفر و شرک کی گندگی سے دور رہنے کے لئے ہی تو انھوں نے ملک حبشہ ہجرت کی تھی پھر دوبارہ اُسی نجاست آلود ماحول میں کیونکر قیام کر سکتی تھیں۔ آخر کار رملہ بنت ابی سفیان نے وہی اختیار کیا

جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو پسند تھا، یعنی نہ شوہر کو اختیار کیا نہ نصرانیت کو قبول کیا اور نہ ہی اپنے باپ کا گھر پسند کیا بلکہ اپنے شوہر سے طلاق لے لی۔
مُلک حبشہ ہی میں ایمان و اسلام کی حالت پر رہنا پسند کیا جبتک اللہ کا کوئی فیصلہ جاری نہ ہو جائے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا عقدِ نکاح :۔

شاہ نجاشی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی تاریخ مقرر کی اور نکاح کے دن دربار میں داخلہ کی عام اجازت رکھی، ارکانِ سلطنت کے علاوہ قبائل کے سرداروں کو بھی مدعو کیا، اِن میں مہاجرین اوّلین کو بھی دعوت دی جس کے رئیس حضرت جعفر بن ابی طالبؓ تھے۔

جب دربار پُر ہو گیا تو شاہ نجاشی نے پہلے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر اس طرح خطاب کیا:

حضرات! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ میں اپنی وکالت کے تحت رَملہ بنت ابی سفیان کا نکاح آپؐ سے کر دوں، اس خدمت کی انجام دہی کیلئے میں نے یہ ذمّہ داری قبول کی ہے۔

لہٰذا اس عظیم اجتماع کی موجودگی میں آپ کا عقد نکاح بہ مہر چار سَو دینار[1] کتابُ اللہ و سُنّت رسول اللہ کے مطابق سیّدہ رَملہ بنت ابی سفیان (اُمّ حبیبہؓ) کے وکیل خالد بن سعید کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

اِس پر سیّدہ اُمّ حبیبہؓ کے وکیل اُٹھے پہلے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر کہا:

میں اپنی مؤکلہ رملہ بنت ابی سفیان (اُمّ حبیبہؓ) کے دیئے گئے اختیار پر حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا عقد نکاح قبول کرتا ہوں۔ اللہ اس

[1] چار سَو دینار سُرخ، ایک دینار مساوی ایک تولہ سونا ہوا کرتا تھا۔

نکاح میں برکت دے اور دُنیا و آخرت کی خوشیاں نصیب ہوں[1]۔

سامانِ جہیز:-

نکاح کی مجلس برخواست ہوئی، بادشاہ نجاشی نے دو عدد بڑی کشتیاں تیار کروائیں، پھر اُمّ المومنین سیّدہ اُمّ حبیبہؓ (رملہ) اور اُن کی صاحبزادی حبیبہؓ[2] اور مُا باقی صحابۂ کرامؓ کو مدینہ منوّرہ روانہ کیا۔ قافلے کے ہمراہ حبشی مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے اور آپکے پیچھے نماز ادا کرنیکے مشتاق تھے۔ اس پورے قافلہ پر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کو امیر مقرر کیا۔

اُمّ المومنین کیلئے سامانِ جہیز میں وہ سب کچھ فراہم کیا جو شاہی خواتین کے جہیز میں دیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں قیمتی ہدایا اور تحفے روانہ کیے گئے۔

علاوہ ازیں ملک حبشہ کی نہایت قیمتی و نادر لکڑی کے تین عدد عصا جس کو صرف بادشاہ ہی استعمال کرتے ہیں آپؐ کی خدمتِ اقدسؐ میں خصوصیت کیساتھ پیش کئے۔

ان تین عصا میں آپؐ نے ایک تو اپنے پاس رکھا جو سفر کے موقعہ اور جمعہ و عیدین کے خطبوں میں سہارا لیا کرتے تھے اور مدینہ منوّرہ میں سیّدنا بلال حبشی اِسی عصا کو لیکر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے چلا کرتے تھے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفاتِ طیّبہ کے بعد سیّدنا ابوبکر صدیقؓ کے آگے آگے اسی عصا کو لئے چلا جاتا تھا، پھر جب سیّدنا عمر بن الخطابؓ کی خلافت کا دور آیا تو حضرت سعد القرظیؓ اسی عصا کو لئے اُن کے آگے آگے چلا کرتے تھے۔ اِسطرح عرصہ دراز تک

---

[1] اُمّ حبیبہؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آ کر قیامت تک اُمّتِ مسلمہ کی ماں قرار پائیں، اس نکاح کے بعد آپکا لقب اُمّ المومنین قرار پایا۔ (سورۂ احزاب آیت ۶)

[2] صاحبزادی حبیبہؓ پہلے شوہر عبیداللہ بن جحش کی بیٹی تھیں۔

دیگر خلفاء بنو اُمیہ کے آگے اِن کے حارس یہی عصا لئے چلا کرتے تھے۔ بقیہ دو عصا میں آپؐ نے ایک سیدنا عمر بن الخطابؓ کو دوسرا سیدنا علی بن ابی طالبؓ کو عنایت فرمایا تھا۔

شاہ نجاشی نے اِن ہدایا اور تحفوں میں ایک نادر و شاہی زیور بھی پیش کیا تھا جسمیں قیمتی موتی اور ہیرے جڑے تھے، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ نادر زیور اپنی نواسی اُمامہؓ (سیدہ زینبؓ کی صاحبزادی) کو عنایت فرمایا، دیتے وقت فرمایا "بیٹی اس زیور سے آراستہ ہونا۔"

وفاتِ نجاشیؓ:۔

فتح مکہ ۸ھ سے کچھ پہلے شاہ نجاشی کا انتقال ہوگیا، وحی الٰہی نے آپؐ کو اطلاع دی آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور فرمایا، آج تمہارے بھائی اَصْحَمَہ (نجاشی) انتقال کرگئے ہیں۔ صحابہؓ کی صف بندی کی پھر اُن کی نمازِ جنازہ غائبانہ ادا فرمائی۔

یہ پہلا واقعہ ہے کہ آپؐ نے اس سے پہلے کسی مسلمان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا نہ فرمائی تھی، حالانکہ آپکی حیاتِ طیبہ میں مدینہ منورہ سے باہر کئی ایک اصحاب نے وفات پائی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل صرف شاہ نجاشیؓ کیلئے ثابت ہے۔ اَعْلَی اللّٰہُ مَقَامَہٗ۔

نجاشیؒ نے ایسے وقت اسلام اور مسلمانوں کی تائید و نصرت کی ہے جس وقت اسلام اور مسلمانوں کے زمین تنگ سے تنگ تر کیجارہی تھی۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَاَرْضَاہُ وَجَعَلَ الْجَنَّۃَ مَثْوَاہُ۔

عبد الرحمٰن غفرلہٗ
۲۰، ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ
جدّہ (سعودی عرب)